سورۂ یوسف

کے ایک سو ایک فوائد

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ

سورۂ یوسف کے
101 فوائد

حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب

مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-2618003

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اللہ اللہ

© جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب ———— سورۂ یوسف کے ۱۰۱ فوائد

از افادات ———— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ———— مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر ———— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ———— اکتوبر ۲۰۱۱ء

اشاعت ————

تعداد ———— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ———— ڈاکٹر شاہ محمود نقشبندی عفی عنہ

اللہ اللہ اللہ

مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ

جوکوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا

فہرست

فائدہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
	عرضِ ناشر	20
	پیش لفظ	22
	سورۂ یوسف کا تعارف	26
	سورۂ یوسف کے 101 فوائد	30
	حروفِ مقطعات کے معارف	31
	تربیت کی طرف اشارہ	39
	قرآن مجید کتابِ مبین کیسے؟	40
	قرآن مجید کے اسمائے مبارک	41
	عربی زبان کی اہمیت	41
	عقل کو استعمال کرنے کا حکم	43
	عقلِ سلیم رکھنے والے خوش نصیب	44
	کن چیزوں کو احسن کہا گیا؟	44
	قصہ یوسف علیہ السلام احسن القصص کیسے؟	46
	غفلت کسے کہتے ہیں؟	47
1	﴿قریبی رشتوں میں محبت کا اظہار ہونا چاہیے﴾	48
2	﴿چار الفاظ کے استعمال سے بچنا چاہیے﴾	49
	تعبیر بتانا فتوی دینے کی مانند ہے	51
	خوابوں کی تعبیر کا علم	51
	دو خوابوں کی حیران کن تعبیریں	52
	سچے خواب کی کہانی	53

صفحہ نمبر	عنوانات	فائدہ نمبر
53	سچا خواب، نبوت کا چھیالیسواں حصہ کیوں؟	
54	﴿حاسد کے شر سے بچنے کے لیے نعمت کا چھپانا بہتر ہے﴾	3
55	صاحبِ صفات بچے سے فطری محبت	
55	منظورِ نظر سالک کون؟	
56	اولاد سے عمومی محبت	
57	﴿سالک اپنی کیفیات پوشیدہ رکھے﴾	4
57	دوسروں کے عیوب پر پردہ ڈالیں	
58	﴿ہر بات نقل کرنا خلافِ حکمت ہے﴾	5
59	حسد گناہ کبیرہ ہے	
59	حسد سے بچنے کی تعلیم	
60	حسد کیوں ہوتا ہے؟	
61	تقسیمِ خداوندی پر اعتراض	
62	حسد کا انجام	
64	حسد کرنا زوال کا سبب ہے	
65	﴿بات ہمیشہ سمجھا کر کریں﴾	6
65	اصلاح ہو تو ایسے!	
66	زوجین کے جھگڑوں کی ایک وجہ	
67	بچوں کو نماز پر کیسے لگائیں؟	
67	﴿فقط ڈانٹ ڈپٹ بغاوت کا سبب بنتی ہے﴾	7
68	بدگمانی سے بچاؤ	
69	﴿چھوٹے ''ناں'' سننے کی عادت بھی ڈالیں﴾	8
72	قرآن فہمی کے لیے استاد کی ضرورت	
74	﴿اللہ رب العزت کا چناؤ﴾	9

صفحہ نمبر	عنوانات	فائدہ نمبر
75	امتِ محمدیہ میں انبیائے کرام والے تیس اوصاف	
83	دس انبیا کو دس علوم ملے	
84	ایک عجیب بات	
84	﴿باپ دادا کا معزز ہونا اعزاز کی بات ہے﴾	10
87	یہود اور مشرکین کے لیے عبرت کی باتیں	
88	﴿اپنے کام سے کام رکھو﴾	11
89	بھائیوں کی بیزاری کی اصل وجہ	
89	﴿زیادہ محبت امتحان کا سبب بنتی ہے﴾	12
91	بھائیوں کا مشورہ	
91	دو قابلِ غور باتیں	
93	﴿شیطان کا عجیب داؤ﴾	13
94	﴿توبہ کی نیت نہ ہونے پر کفر کا اندیشہ﴾	14
94	حسنِ نیت پر اخوانِ یوسف کو نبوت ملنا	
95	بھائیوں کا حتمی فیصلہ	
97	﴿ہر گمراہ کرنے والا، خیر خواہ کے روپ میں آتا ہے﴾	15
98	خیر خواہ اور بدخواہ کی پہچان	
99	﴿کھیل کود کی شرعی حیثیت﴾	16
99	کھیل کود جائز ہونے کی شرائط	
100	کھیل کود کے زرّیں اصول	
102	صحت افزا تفریح کی حوصلہ افزائی	
103	غم پہنچنے سے قبل اندیشۂ غم	
104	﴿ایک غلط استدلال کی وضاحت﴾	17
106	نبیٔ رحمت ﷺ کے لیے حزن کا لفظ	
107	فراق کا غم	

صفحہ نمبر	عنوانات	فائدہ نمبر
108	حضرت یعقوب علیہ السلام کی فراست	
108	صاحب فراست ہستیاں	
115	﴿غفلت جھگڑے کا سبب بنتی ہے﴾	18
115	گھریلو زندگی میں غفلت کا نقصان	
116	اشارۂ خداوندی	
117	﴿غم ملنے سے پہلے تسلی بھرے الفاظ﴾	19
121	﴿جس کا مقدمہ کمزور ہو اسی کی آواز بلند ہوتی ہے﴾	20
121	سچ کے آنسوؤں کی قدر	
123	﴿دین میں صحت افزا مقابلوں کی اجازت ہے﴾	21
124	نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گھڑ دوڑ کا مقابلہ	
124	نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوڑ کا مقابلہ	
125	سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی دوڑ	
127	کافر پہلوان سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی	
129	سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی کشتی	
129	تیر اندازی کا مقابلہ	
130	﴿نشانہ پھینکنے والی ٹیکنالوجی کو حاصل کرنے کا حکم﴾	22
131	تیراکی اور تیر اندازی کا حکم	
131	تیر اندازی کے مقابلوں میں فرشتوں کی حاضری	
132	تیراکی کی مشق	
132	سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تیراکی کرنا	
133	صبرِ جمیل کسے کہتے ہیں؟	
133	صبر کے واقعات	
139	آج کا دور......شکووں کا دور	
140	﴿مددگار اللہ ہی ہے﴾	23

صفحہ نمبر	عنوانات	فائدہ نمبر
142	کنویں کے اندر شبِ غم کی داستان	
143	دعائے یوسفی علیہ السلام	
147	﴿ہر کرب والے کو تہجد کے وقت سکون مل جاتا ہے﴾	24
148	کنویں سے باہر نکلنا	
149	بشارت کے لفظ کا استعمال	
149	﴿خوشخبری لانے والے کو ہدیہ دینا جائز ہے﴾	25
149	اولادِ نرینہ کا مجرب نسخہ	
150	آزاد بندے کو بیچنا حرام ہے	
150	﴿حسنِ ظاہر کی اللہ کے ہاں کوئی ویلیو نہیں﴾	26
151	محل میں پرورش	
152	﴿نظر کے دیکھنے میں فرق ہوتا ہے﴾	27
153	جوابِ لاجواب	
154	غالب ذات اللہ ہی کی ہے	
155	﴿نفسِ انسانی کی خریداری میں نکات﴾	28
158	ایک غلام کے کلام سے بندگی کا درس	
158	بڑھاپے میں غلام کی آزادی	
161	زنا کے دو طریقے	
161	ملک کی فرسٹ لیڈی کا مکر	
162	﴿غیبت سے بچنے کا درس﴾	29
163	زلیخا کا دروازے بند کرنا	
164	﴿ذاتی دشمن سے بچنے کے لیے اسم ذات کا استعمال﴾	30
165	﴿اللہ کی پناہ اور فتنوں سے حفاظت﴾	31
168	معوذتین کی فضیلت	
168	آیت الکرسی کی فضیلت	

فائدہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
32	﴿احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے﴾	169
	بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام	171
	کتے کی وفاداری کا تجربہ	172
	کافر کے احسان کا بدلہ	173
	قریش مکہ کی دلجوئی	175
	انصار صحابہ سے نبیء رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دلربا خطاب	176
	حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا دلیل دیکھی؟	179
	قصد کس نے کیا؟	180
	کھلی ڈھلی بات	181
33	﴿نیک نیت بندے کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے﴾	182
	ایک دلچسپ حکایت	182
	برائی کا بدلہ اچھائی	186
	کلامِ باہو رحمۃ اللہ علیہ	186
34	﴿فتنے کی جگہ سے دور بھاگیں﴾	189
	قمیص کا پھٹنا	190
	حضرت یوسف علیہ السلام آزاد تھے	191
	زلیخا کی چالاکی	191
35	﴿نفسانی محبتوں میں خودغرضی ہوتی ہے﴾	192
	خاوند کی غیرت کو جگانے کا انداز	192
	دو سزاؤں کی تجویز	192
36	﴿ضرر کا اندیشہ ہو تو دوسرے کی غلطی کو کھولا جا سکتا ہے﴾	193
	معصوم بچے کی گواہی	194
	چار بچوں کا بچپن میں کلام	194
	گواہی دینے والے بچے کا اکرام	196

صفحہ نمبر	عنوانات	فائدہ نمبر
197	﴿مجہول راوی کی تصدیق کوئی بڑا کردے تو حدیث قبول کر لی جاتی ہے﴾	37
201	﴿مخلص بندے کی حفاظت اللہ خود فرماتے ہیں﴾	38
202	﴿عورتوں کا فتنہ بڑا فتنہ﴾	39
202	قرآن مجید نے کن چیزوں کو عظیم کہا؟	
204	عورت کا فتنہ احادیث کی روشنی میں	
205	شیطان کو شیطان کس نے بنایا؟	
206	عزیزِ مصر کی چاہت	
206	زلیخا کو استغفار کرنے کو کیوں کہا؟	
208	بات باہر کیسے پہنچی؟	
209	﴿نوکروں کو گھر کی باتوں سے الگ رکھیں﴾	40
210	باتیں پھیلانے میں عورتوں کی تیزی	
211	نوجوانوں پر آزمائشیں	
211	عورتوں کی چہ میگوئیاں	
212	عورتوں کی عادت	
212	عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے	
212	﴿مبتدی صاحبِ تلوین اور منتہی صاحبِ تمکین ہوتا ہے﴾	41
214	فرشتے خوبصورت ہوتے ہیں	
214	شیطان بدصورت ہوتا ہے	
214	لغت کے امام جاحظ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	
215	زلیخا بھی بہادر بن گئی رحمۃ اللہ علیہا	
216	﴿کسی کا عیب ظاہر ہو تو ہنسنا نہیں چاہیے﴾	42
217	مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھیں	
218	﴿بزرگوں کی غلبۂ حال کی باتوں کی تاویل کرنی چاہیے﴾	43

فائدہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
	عرش کا سایہ پانے والا خوش نصیب	220
44	﴿گناہ چھوڑنے میں نیت اللہ کی رضا کی ہو﴾	220
	گناہ چھوڑنے کی برکات	222
	غار کا منہ کھل گیا	222
	عورت سات اولیاء کی ماں بن گئی	225
	بادل کا سایہ تائب کے سر پر رہا	229
	دنیا کی آگ نے جلانا چھوڑ دیا	231
	پسند کرنا اللہ کو سجتا ہے	233
45	﴿شادی کی پسند دین کی بنیاد پر ہونی چاہیے﴾	233
	زنا کی آفتیں	234
	حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضع	235
46	﴿گناہ چھوڑنے کے لیے ماحول کو چھوڑنا ضروری ہے﴾	235
	سچی توبہ پر اللہ کی مدد	236
	حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں	237
	عزیزِ مصر نے جیل کیوں بھیجا؟	237
	جیل میں دو نوجوانوں سے ملاقات	241
	نوجوانوں کا اظہارِ محبت	242
	﴿محبت فقط اللہ کی مطلوب ہے﴾	243
	پیشانی کے نور سے نیکوں کی پہچان	244
	جیل میں تبلیغ	244
47	نوجوانوں کا ایمان لانا	245
48	﴿صحبت کا فرق﴾	246
	خواب کی تعبیر پوچھنے میں احتیاط	247
	کن لوگوں سے خواب کی تعبیر پوچھنا جائز نہیں؟	248

صفحہ نمبر	عنوانات	فائدہ نمبر
249	خواب کی تعبیر کس سے پوچھیں؟	
249	عجیب وغریب تعبیریں	
251	ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر	
252	خواب پورا ہونے کے وقت کا اندازہ	
253	چند خوابوں کی تعبیریں	
254	بادشاہ کے نام پیغام	
255	نجات کی ایک صورت	
255	بادشاہ کا خواب	
258	درباریوں کا جواب	
258	تعبیر پوچھنے والے کی جیل میں آمد	
259	صادق اور صدیق میں فرق	
259	حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق کہنے کی وجہ	
259	﴿بھول جانے پر ڈانٹ نہ پلائیں﴾	49
260	﴿علم انسان کو تخت پر بٹھاتا ہے﴾	50
260	حضرت یوسف علیہ السلام کی سلامتِ فہم	
261	اتنی حیران کن تعبیر!	
263	جیل سے نکلنے سے انکار	
264	﴿تہمت کی صفائی پیش کرنا ضروری ہے﴾	51
264	﴿محسن کا احسان شناس ہونا چاہیے اگرچہ وہ کافر ہو﴾	52
265	واقعہ کی حقیقت	
265	فرشتوں سے مشابہت دینے کی وجہ	
265	زلیخا کے بیانات میں تضاد کی وجہ	
266	اس قدر اہتمام کی وجہ	
267	بادشاہ کا ذہن صاف ہو گیا	

صفحہ نمبر	عنوانات	فائدہ نمبر
267	جوان قیادت کی ضرورت	
269	عدمِ دعویٰ کا اظہار	
270	﴿گناہ کا موقع نہ ملنا بھی رحمت ہے﴾	52
270	﴿جسم کے تمام عناصر کو اعتدال میں لانے کی ضرورت ہے﴾	53
271	نفسِ امارہ	
272	نفسِ لوّامہ	
272	نفسِ مطمئنہ	
273	اسّی سالہ بوڑھے کی حالت	
274	نفس کا حال	
274	جنت دو قدم ہے	
275	اصل دشمن	
276	نفس کے شر سے بچنے کی دعائیں	
276	مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا	
277	بادشاہ سے ملاقات	
278	خزانوں کی نگرانی	
278	تسلی آمیز کلمات	
279	﴿حسن نہیں، علم کام آتا ہے﴾	55
279	خزانوں کے والی کیسے بنے؟	
280	گناہ سے بچنے کا انعام	
281	زلیخا کے حسرت بھرے الفاظ	
282	کیا زلیخا سے شادی ہوئی تھی؟	
283	تین طرح کا صبر	
283	مصر کو وطن بنایا	
284	آخرت کی نعمتیں	

صفحہ نمبر	عنوانات	فائدہ نمبر
284	کیا خود عہدہ مانگنا جائز ہے؟	
285	اگر بن مانگے عہدہ ملے تو......	
286	عہدہ مانگنے کی ایک جائز صورت	
286	کافر بادشاہ کا عہدہ قبول کرنا	
287	حضرت یوسف علیہ السلام کا سنہری دور	
288	غلہ لینے کے لیے لوگوں کی آمد	
288	اخوانِ یوسف کی کنعان سے مصر روانگی	
290	حضرت یوسف علیہ السلام کا حسنِ انتظام	
290	بھائیوں کا مصر پہنچنا	
290	حضرت یوسف علیہ السلام کی بھائیوں سے گفتگو	
292	زندگی کا اصل مقصد	
292	معرفت کے حروف کے معارف	
293	معرفت کا نور	
293	نور مانگنے کی مسنون دعائیں	
294	معرفت کے نور کا اظہار	
295	قرآن مجید میں کن چیزوں کو نور کہا گیا؟	
296	﴿تن کی دنیا اور، من کی دنیا اور ہے﴾	56
298	حضرت یوسف علیہ السلام کی ذہانت	
299	بھائیوں کے پیسے واپس ان کے غلے میں	
301	﴿نافرمان اولاد کے بارے میں کبھی مایوس نہ ہوں﴾	57
304	متفرق دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت	
305	نظر کا لگ جانا	
305	نظرِ بد کا واقعہ	
307	نظرِ بد کے بارے میں چند مسائل	

فائدہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
	نظر لگنے کا علاج	309
	عذابِ قبر میں تخفیف	310
	عملیات والوں کا کام	310
58	﴿اخلاص بھری نظر کا بھی اثر ہوتا ہے﴾	312
	اللہ والوں کے سامنے بیٹھنے کا اہتمام	313
	یہ وہی احتیاط تھی	313
	توکل کی حقیقت	314
	توکل کی خوبیاں	315
	ایک توکلی کا شاہانہ حج	322
	بھائیوں کی دوبارہ آمد	326
	بنیامین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات	328
	بنیامین کو پاس ٹھہرانے کا حیلہ	329
	کاملین کے افعال اللہ کے افعال کے مظہر ہوتے ہیں	330
59	﴿مصلحت کے تحت حیلہ کرنا جائز ہے﴾	331
	توریہ کسے کہتے ہیں؟	331
	توریہ کی چند مثالیں	332
	توریہ اور حیلہ میں فرق	334
	حیلہ کی چند مثالیں	335
	حضرت یوسف علیہ السلام کے حیلے کی شرعی حیثیت	338
	چوری کے الزام پر اخوانِ یوسف کا بیان	342
	حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کے الزام کی حقیقت	342
60	﴿تحمل مزاجی کے بغیر کوئی بڑا نہیں بن سکتا﴾	343
	حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب	344
	بھائیوں کا منت سماجت کرنا	344

صفحہ نمبر	عنوانات	فائدہ نمبر
345	احساسِ ذمہ داری	
346	حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر	
346	صبر کرنے پر اجروثواب	
347	حضرت یعقوب علیہ السلام کا پُر امید ہونا	
348	مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنا	
349	نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صاحبزادے کی موت کا غم	
350	حضرت یعقوب علیہ السلام کا اظہارِ غم	
350	حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کا سفید ہونا	
351	جہاں محبت وہاں حزن	
352	رنج وغم کی فریاد اللہ کے سامنے	
352	﴿جب بھی اللہ کو کسی نے پکارا اللہ نے مقصود عطا کیا﴾	61
354	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اظہارِ غم	
355	﴿اللہ کے آگے رونا دھونا صبر کے منافی نہیں﴾	62
357	دو طرح کے شکوے	
358	﴿غمِ جدائی دور کرنے کا نسخہ﴾	63
360	تجسس اور تحسس میں فرق	
360	بھائیوں کی تیسری مرتبہ آمد	
362	بھائیوں پر رحم آنا	
363	اللہ کی فرمانبرداری پر عزتوں کا فیصلہ	
364	پوری سورت کا نچوڑ	
364	نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عفو ودرگزر	64
368	﴿جو سبب غم کا، وہی سبب خوشی کا بنتا ہے﴾	65
370	﴿جو سبب خوشی کا، وہی سبب غم کا بن جاتا ہے﴾	
370	مسبب الاسباب کو راضی کرلیں	

فائدہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
	ایک حیران کن تجربہ	370
	دین پر ثابت قدم رہنے کا نتیجہ	372
	اپنے سب شکوے پروردگار کے سامنے کریں	373
	حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹ آنا	374
	اہل اللہ کے استعمال کی چیزوں میں برکت	374
	نبیء اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات	375
66	حضرت یوسف علیہ السلام خود وطن کیوں نہ گئے؟	385
	حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو	385
67	﴿کرامات صادر ہونے میں انسان کا اختیار نہیں﴾	386
	حضرت یعقوب علیہ السلام کا اضطراب	387
	﴿ماں باپ کی دعائیں اولاد کے حق میں قبول ہوتی ہیں﴾	388
	اعترافِ خطا	389
	باپ سے استغفار کی درخواست	390
	استغفار مؤخر کرنے کی وجہ	390
68	حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا	392
	قبولیتِ دعا کا مژدۂ جانفزا	392
	سجدۂ تعظیمی کی شرعی حیثیت	394
69	﴿جب ایک بات کو معاف کر چکے تو دوبارہ تذکرہ نہ کرنا چاہیے﴾	395
	حضرت یوسف علیہ السلام کی اعلیٰ ظرفی	395
	آخرت کی نعمتوں کا سوال	396
	﴿ایمان پر خاتمہ تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے﴾	396
	حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا میں حکمت	396
	کن لوگوں کو جنت کا شوق ہوتا ہے؟	397
70	جنت کو کن لوگوں کا شوق ہوتا ہے؟	397

فائدہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
	اللہ کا شوق رکھنے والے کاملین	398
71	حالتِ اضطراب کی دعائیں	399
	﴿موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے﴾	400
72	صالحین کے زمرے میں شامل ہونے کی دعائیں	401
	﴿علمِ غیب اور انباء الغیب میں فرق﴾	404
73	اللہ تعالیٰ بندے کو کب تک آزماتے ہیں؟	406
	﴿اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا مرتبہ معلوم کرنے کا پیمانہ﴾	407
	قرآن مجید میں عبرت کی باتیں	408
74	﴿حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں عبرت کی باتیں﴾	409
75	سورۂ یوسف کے فوائد کا خلاصہ	415
76	انقلابات کا تذکرہ	417
77	﴿انبیا اور علما کی سورج، چاند اور ستاروں سے مشابہت﴾	418
78	﴿سورۂ یوسف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے﴾	419
79	﴿اسبابِ شر سے دور بھاگنا چاہیے﴾	419
80	﴿نقصان دہ چیز سے دوسروں کو آگاہ کر دینا چاہیے﴾	420
81	﴿گھر کے ایک فرد کی نعمت سب کے لیے نعمت ہوتی ہے﴾	420
82	﴿اولاد سے برتاؤ میں عدل ہونا چاہیے﴾	421
83	﴿ایک گناہ مزید گناہوں کا راستہ کھولتا ہے﴾	422
	﴿نہایت کا کمال ہی اصل کمال ہے﴾	423
	﴿چھوٹی مصیبت کو اختیار کرنا بہتر ہے﴾	424
84	﴿عورت کے ساتھ خلوت سے پرہیز کریں﴾	424
85	زنا کے موافق حالات	425
86	حضرت یوسف علیہ السلام گناہ سے کیسے بچے؟	428
87	﴿مخلص بندے کے ایمان کی اللہ حفاظت فرماتے ہیں﴾	435

فائدہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
88	﴿تکلیف اٹھالینا بہتر ہے گناہ کرنے سے﴾	435
89	﴿گناہوں کے اسباب میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے﴾	436
90	﴿مفتی اہم بات پہلے سمجھائے﴾	436
91	﴿مصیبت سے نکلنے کے لیے معاون بنانا جائز ہے﴾	437
92	﴿سوال کے متعلق ضروری بات سمجھا دینی چاہیے﴾	437
93	﴿تہمت کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے﴾	438
94	﴿فتوی دینا مفتی کا کام ہے﴾	438
95	﴿نفع رسانی کی خاطر اپنا کمال لوگوں میں بیان کرنا جائز ہے﴾	439
96	﴿ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے﴾	440
97	﴿اللہ والوں کی تنگی اور آسانی میں آزمائش ہوتی ہے﴾	441
98	﴿تنگ دستی کا اظہار کرنا جائز ہے﴾	441
	﴿اللہ متقی کے اجر کو ضائع نہیں کرتے﴾	442
99	﴿نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے﴾	442
100	﴿دنیا کی فراخی میں آخرت کو یاد رکھا جائے﴾	443
101	سورت یوسف کا لب لباب	443
	﴿واقعہ کے چھ کردار اور ان کا انجام﴾	444
	﴿قصہ کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کے ساتھ مماثلت﴾	448
	﴿خلیفۃ اللہ فی الارض کی صفات﴾	450
	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صفات	451
	حضرت ربعی رضی اللہ عنہ بن عامر کا تاریخ ساز خطاب	452
	شاعرِ مشرق کی نظر میں خَلِیفَةُ اللّٰہ کا مقام	453

☆☆☆☆

عرضِ ناشر

قرآن مجید فرقان حمید اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ یہ صداقتوں کا مجموعہ، ہدایت کا منبع اور معارف کا خزانہ ہے۔ جو کوئی بھی دل کو حاضر رکھ کر اور دیدۂ عبرت سے اسے پڑھے تو اسے جابجا بہت سے ایسے رہنما اصول مل جاتے ہیں جن پر عمل کرتے ہوئے انسان دنیا و آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

اللہ والوں کے قلوب و نفوس چونکہ صاف و شفاف ہوتے ہیں لہٰذا جب وہ قرآن پاک کو پڑھتے ہیں تو اس کے انوارات و معارف کو سب سے زیادہ اخذ کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت، حضرت اقدس محبوب العلما والصلحا حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے ذوق علم بھی دیا ہے، مصفّٰی قلب اور مزکّی نفس بھی عطا کیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ جب ان کی طبعی ذکاوت ساتھ مل جاتی ہے تو ان کے درسِ قرآن میں عجیب گوہر کھلنے لگتے ہیں۔ سالِ رواں کے شروع میں حضرت اقدس دامت برکاتہم نے معہد الفقیر الاسلامی جھنگ کے طلبا کی رہنمائی کے لیے سورۂ یوسف کی تفسیر کو چنا، چونکہ یہ سورۃ نوجوانوں کے ذرا مناسب حال ہے۔ لہٰذا جب اس سورت پر درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا تو خوب

چلا۔شہر بھر سے عوام و خواص باقاعدگی سے تشریف لاتے رہے اور ملک کے دیگر شہروں سے بھی، جہاں جہاں اطلاع پہنچی، وہاں سے طلبا و سالکین استفادے کے لیے پہنچ گئے۔ 28 جنوری بروز جمعہ تا 3 مارچ ۲۰۱۱ء بروز جمعرات (۲۴ صفر تا ۳۰ صفر ۱۴۳۲ھ) ہفتہ بھر روزانہ مغرب کے بعد دو سے تین گھنٹے کا درسِ قرآن ہوتا رہا جس میں حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے اس سورت کے عجیب وغریب علمی نکات بیان فرمائے۔ چنانچہ علماء وطلبا اور عوام الناس اس منفرد اندازِ تفسیر سے بہت متاثر ہوئے۔

یہ یقیناً ہماری بڑی کوتاہی ہوتی اگر ہم اس قدر قیمتی دروس کو یکجا کر کے کتاب کی صورت میں قارئین تک نہ پہنچاتے۔ چنانچہ اسے اپنا ایک فریضۂ منصبی سمجھتے ہوئے مکتبۃ الفقیر کے احباب نے ان بیانات کو کتابی صورت میں ترتیب دے کر آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے تا کہ آپ بھی حضرت اقدس دامت برکاتہم کی دی گئی رہنمائی میں سورۂ یوسف کے فوائد سے مستفید ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی زندگی ان فوائد سے مزین کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کتاب کو ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔

فقیر سیف اللہ نقشبندی

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَوَّرَ قُلُوْبَ الْعَارِفِیْنَ بِنُوْرِ الْاِیْمَانِ وَ شَرَحَ صُدُوْرِ الصَّادِقِیْنَ بِالتَّوْحِیْدِ وَ الْاِیْقَانِ وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ!

قرآن مجید فرقان حمید، رحمتِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد ﷺ کے نبیءِ برحق ہونے کی دلیل ہے اور سورۂ یوسف قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل ہے۔ یہودیوں کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کی مکمل تفصیلات نہیں تھیں، اس لیے انہوں نے پسِ پردہ رہ کر مشرکینِ مکہ کے ذریعے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ سے کچھ باتوں کے بارے میں استفسار کیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ آپ ﷺ ان سوالوں کے جوابات دینے سے قاصر رہیں گے۔ لیکن ان کا یہ خیال، خیالِ محض ہی ثابت ہوا۔ ان سوالوں میں سے ''اہلِ شام کی مصر میں آبادکاری'' کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پوری ایک سورت ہی اتاردی۔ اس سے نہ صرف ان لوگوں کی تسلی وتشفی ہوگئی بلکہ ان میں سے تین علمائے یہود حقیقت شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے دینِ اسلام کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور بھی ہوگئے۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے معہد الفقیر الاسلامی جھنگ کے طلبہ کے سامنے سورۂ یوسف کے فوائد پر مبنی پوری سورت کے معارف بیان فرمائے۔ یہ معارف لمبی نشستوں میں مکمل ہوئے۔ ہر نشست کے آخر میں مدارس میں تفسیر کا درس دینے والے علما سے اکثر سنا کہ ہم نے بارہا سورۂ یوسف کی تفسیر طلبا کو پڑھائی، مگر یہ معارف تو ہمارے وہم وگمان میں بھی کبھی نہیں آئے تھے جو حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے بیان فرمائے ہیں۔ واقعی یہ معارف اپنی افادیت کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ غالبًا اسی وجہ سے

حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے اس کتاب کا نام ''سورۂ یوسف کے ۱۰۱ فوائد'' تجویز فرمایا ہے۔

یہ معارف محض چند تفسیروں سے اخذ نہیں کیے گئے بلکہ ان معارف کے بیان کے دوران قدیم وجدید ستاسی ۸۷ تفاسیر حضرت اقدس دامت برکاتہم کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ چونکہ حضرت اقدس دامت برکاتہم تصوف کے نقشبندیہ سلسلہ کے ایک خادم ہیں، اس لیے ان کے بیان کردہ ان معارف میں تفسیرِ مظہری کی طرح جا بجا صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔ مثال کے طور پر:

☆...... جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: تم اپنا خواب بھائیوں کو نہ سنانا اسی طرح سالکین کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے احوال اور کیفیات عام لوگوں کے سامنے مت بیان کریں۔

☆...... یہاں سے سلوک کا ایک مسئلہ نکلا۔ ایک ہوتی ہے تلوین اور ایک ہوتی ہے تمکین۔ مبتدی ''صاحبِ تلوین'' ہوتا ہے اور منتہی ''صاحبِ تمکین'' ہوتا ہے۔ منتہی کے پاس ساری کیفیات ہوتی ہیں مگر وہ ظاہر میں اس طرح ہوتا ہے جیسے کوئی عام آدمی ہو۔

☆...... بھئی! حسنِ ظاہر کو دیکھ کر تو وہ انگلیاں کاٹ بیٹھیں اور یہ جو ہر وقت مشاہدۂ حق میں گرفتار ہیں، اگر ان کی زبان سے بھی ''انا الحق'' نکل آیا تو اس کی تاویل کرنی چاہیے کہ ان کا مقصد یہ ہوگا...... ان پر فوراً فتویٰ نہیں لگا دینا چاہیے، اس لیے کہ ان کی باقی زندگی تو شریعت کے مطابق ہوتی ہے۔

☆...... اگر خوابوں کی تعبیر کے علم سے دنیا کا تخت مل سکتا ہے۔ تو اللہ رب العزت کی معرفت کے علم سے ہمیں آخرت کا تخت کیوں نہیں مل سکتا۔

☆...... حقیقت یہ ہے کہ ہم نفس کو پالنے میں لگے ہوئے ہیں اور نفس ہمیں جہنم میں دھکا دینے میں لگا ہوا ہے۔

☆...... معرفت کے لفظ میں پانچ حروف ہیں اور ہر ہر حرف آدمی کے ایک ایک وصف کو ظاہر کرتا ہے۔ ''م'' سے مطیع...... ''ع'' سے عبد...... ''ر'' سے راغب...... ''ف'' سے

تفویض اور ''ت'' سے ترکِ لذات دنیا۔ جس بندے کے اندر یہ صفات ہوں، اس کو عارف کہتے ہیں۔

☆......تن کی دنیا اور من کی دنیا کا عجیب وغریب انداز میں تقابل کیا گیا۔ مثلاً:

......تن کی دنیا کو اللہ نے ریحان اور گل ولالہ سے مزین کیا ہے اور من کی دنیا کو اللہ نے معرفت کے نور سے مزین کیا ہے۔

......تن کی دنیا میں آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے اور من کی دنیا میں معرفت انسان کی خواہشِ نفسانی کو جلا دیتی ہے۔

......تن کی دنیا میں جس طرح انسان کی نجاست سے دریا ناپاک نہیں ہوتا اسی طرح من کی دنیا میں انسان کے گناہ سے معرفت کا نور ناپاک نہیں ہوتا۔

☆......بھئی! جس نظر کے اندر ہوس ہے، حرص ہے، حسد ہے، عدوات ہے اگر وہ نظر اپنا اثر دکھا سکتی ہے تو جس نظر کے اندر محبت ہو، شفقت ہو، اخلاص ہو تو پھر وہ نظر اپنا اثر کیوں نہیں دکھا سکتی؟

☆......کاملین کے افعال، اللہ کے افعال کے مظہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نوجوانوں کی اخلاقی تربیت پر عام بیانات میں بھی بہت زور دیتے ہیں۔ سورۂ یوسف کے معارف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کی مناسبت سے اس موضوع کو خوب کھول کر بیان کیا ہے۔ کیونکہ حضرت جی دامت برکاتہم العالیہ کے اولین مخاطب معہد الفقیر کے نوجوان طلبہ ہی تھے۔ علاوہ ازیں نوجوانوں سے متعلقہ دیگر اہم اور دلچسپ موضوعات، جیسے:

- کھیل کود جائز ہونے کی شرائط
- کھیل کود کے زرّیں اصول
- صحت افزا تفریح کی حوصلہ افزائی

- صحت افزا مقابلوں کی اجازت
- تیراکی اور تیراندازی کا حکم
- پسند کی شادی
- محبت کا اظہار کس سے کیا جائے؟
- ہمیشہ کامیابی پانے کا لاجواب نسخہ

کو بھی دلنشین انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قصے کو "اَحۡسَنُ الۡقَصَص" کہا ہے، اس لیے کہ اس میں ہر طبقۂ زندگی کے افراد کے لیے عبرت کی باتیں ہیں۔ چنانچہ ان معارف کے مطالعہ سے آپ کو پتہ چلے گا کہ "قصۂ یوسف علیہ السلام" بادشاہوں کے لیے، بادشاہوں کے غلاموں کے لیے، اہل تقویٰ کے لیے، خواہش پرستوں کے لیے، درگزر کرنے والوں کے لیے، حاسدین کے لیے، اہل علم کیلیے، حسن و جمال والوں کے لیے اور دین کا کام کرنے والوں کے لیے کیسے باعث عبرت ہے۔

ان معارف کی ترتیب و تزئین کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے ارشاد فرمایا کہ آیات کے ذیل میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کے "آسان ترجمہ قرآن" سے ترجمہ لکھیے کیونکہ وہ سلیس بھی ہے اور عام فہم بھی۔ چنانچہ آیات کے ذیل میں من وعن وہی ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔

عاجز محترم رفیق ڈاکٹر شاہد محمود صاحب کا شکرگزار ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو ترتیب دینے میں بندہ کی معاونت فرمائی اور حضرت حاجی محمد صدیق صاحب مدظلہ کا ممنون ہے کہ انہوں نے اس کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کو ہم سب کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان معارف کو ہم سب کے لیے نافع اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین بحرمت سید المرسلین۔

فقیر محمد حنیف نقشبندی عفی عنہ
یکے از خدام مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

سورۂ یوسف کا تعارف

سورۂ یوسف مکیہ ہے۔اس میں ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں۔ یہ پوری سورت ایک ہی قصے پر مشتمل ہے، اور یہ قصہ قرآن مجید میں ایک ہی جگہ بیان ہوا ہے، کسی دوسری جگہ پر دوہرایا نہیں گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تعارف:

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام، ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام۔ اللہ رب العزت نے آپ کو ایسی شان عطا فرمائی کہ آپ کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم ہیں۔

آپ کا تذکرہ سورۂ یوسف میں چوبیس مرتبہ آیا ہے۔اس کے علاوہ ایک مرتبہ سورۂ انعام میں اور ایک مرتبہ سورۂ غافر میں۔

قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل:

سورۂ یوسف کے اندر اس واقعہ کی جتنی تفصیلات ہیں، نہ تو ایسی تفصیلات عیسائیوں کے پاس ہیں اور نہ ہی یہودیوں کے پاس ہیں، حالانکہ وہ اپنے آپ کو ان کا

وارث سمجھتے ہیں۔ یہ قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ان کے پاس بھی اس واقعہ کے بارے میں اتنی تفصیلات نہیں، جتنی تفصیلات اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں نازل فرمائی ہیں۔

سورت کا شانِ نزول:

اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ جب یہودیوں کو پتہ چلا کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو ان کو اس بات پر بہت دکھ ہوا۔ وہ خود حضرت اسحاق علیہ السلام کے واسطے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد بنتے تھے۔ اس وجہ سے وہ کچھ نہ کچھ مخالفت کرتے ہی رہتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ صاحب علم بھی تھے۔ اور جب کوئی عالم مخالف بن جائے تو وہ کسی نہ کسی علمی انداز میں بھی دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ وہ مشرکین سے کہتے تھے: تم ان سے یہ بات پوچھو، ان سے یہ بات پوچھو، اور وہ خود پیچھے رہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر جواب ٹھیک دیا تو چپ رہیں گے اور اگر غلط دیا تو ہمیں پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے تین سوالات پچھوائے۔

- ایک سوال یہ تھا کہ سکندر ذوالقرنین کون تھے؟
- دوسرا سوال یہ تھا کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟
- تیسرا سوال یہ تھا کہ یہ بتائیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ کیا تھا، جس کی وجہ سے عرب لوگ فلسطین سے چل کے مصر آ کر آباد ہوئے۔

ان کی نظر میں ان سوالات کا جواب دینا، ناممکن تھا۔ لیکن اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ان تینوں سوالوں کا جواب عطا فرمایا۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورت ہی اتار دی۔

سورت کی جامعیت:

اس سورت کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں بہت نصائح ہیں، اسباق ہیں اور سُجھ بُجھ کی باتیں ہیں۔ جس رنگ کا بندہ بھی اس سورت کو پڑھے گا اس کو اس میں سے اپنے رنگ کا سبق ملے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس قصے کو ''احسن القصص'' فرمایا۔ یعنی یہ قصوں میں سے بہترین قصہ ہے۔ چنانچہ۔

- قرّاء اس کو ''سورۂ احسن'' کہتے ہیں۔
- زاہد لوگ اس کو ''سورۂ زہد'' کہتے ہیں۔
- عارف لوگ اس کو ''سورۂ معرفت'' کہتے ہیں۔
- غمگین لوگ اس کو ''سورۂ راحت'' کہتے ہیں۔
- محبین لوگ اس کو ''سورۂ حب'' کہتے ہیں۔
- عابد لوگ اس کو ''سورۂ ریاضت'' کہتے ہیں۔
- قرآن مجید کی زبان میں اس کو ''سورۂ یوسف'' کہتے ہیں۔

سورۂ یوسف اور دیگر چند سورتوں کے فضائل:

حدیثِ پاک میں اس سورت کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

⊙ ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

جو شخص سورۂ یوسف علیہ السلام کو پڑھے اور اس پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ موت کی سختی میں اس کی مدد فرماتے ہیں۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

- جو شخص چاہے کہ اس سے غم دور ہو، اس کو سورۂ انعام پڑھنی چاہیے۔

○ جو شخص چاہے کہ اس سے عذاب قبر دور ہو، اس کو سورۂ اعراف پڑھنی چاہیے۔

○ جو شخص چاہے کہ اس کے اندر سے منافقت نکل جائے، اس کو سورۂ انفال پڑھنی چاہیے۔

○ جو شخص چاہے کہ اسے غصے سے نجات مل جائے، اس کو سورۃ العصر پڑھنی چاہیے۔

○ جو شخص چاہے کہ اس کے دل کی تنگی اور بوجھ دور ہو، اس کو معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھنی چاہئیں۔

○ جو شخص چاہے کہ اس سے اس کے حالات کی بلا دور ہو جائے، اس کو سورۂ یوسف پڑھنی چاہیے۔ یہ سورت انسان کے حالات میں انقلاب برپا کر دیتی ہے۔

سورۂ یوسف کے 101 فوائد

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّ اثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞١ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۞٢ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۞٣

[شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

”الٓر۔ یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے۔ ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اتارا ہے جو عربی زبان میں ہے، تاکہ تم سمجھ سکو۔ (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر یہ قرآن جو وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اس کے ذریعے ہم تمہیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں، جبکہ تم اس سے پہلے اس (واقعے سے) بالکل بے خبر تھے۔]

الٓرٰ

اس سورت کی ابتدا میں تین حروف ہیں: الٓـــر۔ ان کو ”حروفِ مقطعات“ کہتے ہیں۔

حروفِ مقطعات کے معارف

حروفِ مقطعات کا علم اللہ کے پاس ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے معانی اور مفاہیم کیا ہیں۔ البتہ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی ان کے معانی بتا دیے۔ تاہم مفسرین نے بھی حروفِ مقطعات کے بارے میں مختلف تفاسیر بیان کی ہیں۔

⊙...... الٓمّٓ میں الف سے مراد اللہ، لام سے مراد جبرئیل اور میم سے مراد محمد ﷺ۔ اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود تھا کہ یہ اللہ کا پیغام ہے جو جبرئیل علیہ السلام اللہ کے محبوب حضرت محمد ﷺ کی طرف پہنچا رہے ہیں۔

⊙...... اللہ رب العزت نے حروفِ مقطعات کو اس لیے نازل فرمایا کہ کفار اور مشرکین کو یہ سمجھایا جا سکے کہ دیکھو! جو عربی زبان تم بولتے ہو، جن حروف سے وہ بنی ہے، وہی حروف اس قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ اگر تم ان حروف سے ایسا کلام بنا کر دکھا دو تو ہم تب تمہیں مانیں۔ چنانچہ اگر سارے انسان اور جن آپس میں مل جائیں...... ﴿وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾...... وہ سارے کے سارے مل کر بھی قرآن پاک کی آیات جیسی کوئی ایک آیت بھی نہیں بنا سکتے۔

⊙...... یہ حروفِ مقطعات اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے درمیان اشارے ہیں۔ جہاں محبت کا تعلق ہوتا ہے، وہاں اشارے کام کر جاتے ہیں۔ اشاروں کے ذریعے محبّ اور محبوب ایک دوسرے کو ایسے پیغامات پہنچاتے ہیں کہ فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلتا۔

اگر ان حروف مقطعات کو آپس میں ملائیں تو بعض اوقات بامعنیٰ لفظ بھی بن جاتا ہے۔ جیسے ایک جگہ پر اللہ رب العزت نے فرمایا: الٓـرٰ، دوسری جگہ فرمایا: حٰـمٓ اور تیسری جگہ پر فرمایا: نٓ۔ اب اگر ان تینوں کو آپس میں ملائیں تو ''الـرَّحْـمٰنْ'' کا لفظ بنتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی طرف اشاروں سے یہ پیغام پہنچا رہے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے عربی کے شاعر نے کہا:

لَا تَحْسَبِیْ اَنْ نَّسِیْنَا الْاِیْجَافِ

قُلْتُ لَهَا قِفِیْ فَقَالَتْ لِیْ قَافْ

''اے میری محبوبہ! تو یہ مت بھولنا کہ ہم اونٹ دوڑانا نہیں جانتے، میں نے اس سے کہا: قِفِیْ ''تم رک جاؤ'' اس نے جواب میں کہا: قَافْ''

یعنی تمہیں پورا لفظ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ لوگ تو اس طرح سمجھ جائیں گے کہ تم مجھے کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ اس لیے قاف ہی کافی ہے۔

اب دیکھیں کہ محبّ اور محبوب کے درمیان ایک حرف اشارہ بن گیا۔ قاف کہنے سے دوسرا سمجھ گیا کہ مجھے رکنے کا اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح یہ حروف مقطعات بھی اللہ رب العزت اور اس کے محبوب ﷺ کے درمیان اشارات ہیں۔

◉ ...... اگر حروف مقطعات کی تعداد بغیر تکرار کے گنی جائے تو وہ چودہ بنتی ہے۔ عربی زبان میں حروف عام طور پر انتیس شمار کیے جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہمزہ اور الف کو ایک کر دیں تو یہ اٹھائیس بن جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں جتنے حروف ہیں، ان میں سے آدھے حروف کو اللہ رب العزت نے حروفِ مقطعات میں استعمال فرمایا، اور باقی آدھے حروف کو استعمال نہیں کیا۔

اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ لوگو! اگر تم میں سے کوئی زبان دانی کے ماہر ہوں جو

مقابلے میں آنا چاہیں تو ہم نے آدھے حروف سے اپنا کلام بنا دیا ہے، باقی آدھے حروف سے تم اپنا مقابلہ کر کے دکھا دو۔

⊙......اگر ان حروف مقطعات کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو وہ ایک جملے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

نص حكيم قاطع له سر

⊙......بعض ایسی سورتیں ہیں جو ایک حرف مقطع والی ہیں۔جیسے: نٓ ، قٓ ایسی سورتوں کی تعداد تین ہے۔

⊙......دو حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد نو ہے۔

⊙......تین حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد تیرہ ہے۔

⊙......چار حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد دو ہے۔

⊙......پانچ حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد بھی دو ہے۔

⊙......جن سورتوں کے شروع میں الف کا حرف آیا ہے، ان کی ابتدائی آیات میں قرآن مجید کا تذکرہ ضرور ہوا ہے۔یعنی اگر الف سے اللہ کا لفظ مراد لیا جائے تو اس کے فوراً بعد اس کے کلام کا تذکرہ ضرور آیا ہے۔

⊙......جن سورتوں کے شروع میں ط کا حرف آیا ہے، آپ دیکھیں کہ ان سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ضرور ہوا ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اژدھا کا ذکر بھی ملتا ہے، اور جب اژدھا بیٹھتا ہے تو ط کی شکل بنتی ہے، اس لیے گویا کہ حرف ہی بتا رہا ہے کہ آنے والی آیات میں مضمون کیا آ رہا ہے۔

⊙......ایک سورت کے شروع میں نٓ کا حرف ہے۔اس کے آگے قلم کا تذکرہ ہے۔ اس لیے کہ اگر نٓ کو دیکھیں تو اس کی شکل دوات کی طرح ہے۔گویا اس دوات کے

ذکر کے فوراً بعد قلم کا ذکر ہے۔

عربی زبان میں نون سے مچھلی مراد لی جاتی ہے۔اس سورت کی ابتدا میں ن کا حرف آیا ہے اور آگے چل کر اسی سورت میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے۔

اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ بعض سورتوں کے شروع میں کچھ کوڈز ہیں جو اللہ رب العزت نے پسند فرمالیے، اور وہ اشارہ کررہے ہیں کہ آگے آنے والی سورت کے اندر کس سے متعلقہ مضامین ہیں۔

⊙......الٓمّٓ سے شروع ہونے والی سورتیں دو جگہ ترتیب سے آئی ہیں۔

○ پہلی جگہ......سورة البقرة اور آل عمران

○ دوسری جگہ...... العنکبوت، الروم ،لقمان اور السجدة

⊙......جن سورتوں کے شروع میں الٓـرٰ کے حروف آئے ہیں وہ بھی قرآن مجید میں ایک ہی ترتیب سے آئی ہیں۔وہ سورتیں یہ ہیں۔

یونس ،هود،یوسف ،الرعد، ابراهیم اور الحجر

بعض سورتوں کے شروع میں طـٰا اور سین آیا ہے۔ان سورتوں کو ''طواسین'' کہتے ہیں۔وہ مجموعہ طواسین بھی ایک ہی ترتیب سے ہے۔وہ تین سورتیں ہیں:

الشعراء، النمل اور القصص

⊙......کچھ ایسی سورتیں ہیں جن کے شروع میں حٰمٓ آیا ہے ان کو ''حوامیم'' کہتے ہیں۔وہ بھی ایک ہی ترتیب سے آئی ہیں۔

غافر، فصلت، الشوریٰ، الزخرف ،الدخان، الجاثیة اور الاحقاف

قرآن مجید کی کچھ ایسی سورتیں بھی ہیں جن کے نام بھی حروف مقطعات پر رکھے

گئے ہیں۔

یٰسٓ ......سورت کا نام بھی یٰسٓ ہے۔

طٰہٰ......سورت کا نام بھی طٰہٰ ہے۔

صٓ ......سورت کا نام بھی صٓ ہے۔

قٓ......سورت کا نام بھی قٓ ہے۔

⊙......سورۃ مریم کے شروع میں کٓھٰیٰعٓصٓ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں یَا کٓھٰیٰعٓصٓ! کہہ کر دعا مانگا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ اسمائے الٰہی میں سے ہیں۔ جیسے ہم اپنی دعا میں یا رحمٰن! یا رحیم! یا کریم! کہتے ہیں اسی طرح وہ یَا کٓھٰیٰعٓصٓ کہا کرتے تھے۔

⊙......حروفِ مقطعات کو لانے میں قواعدِ تجوید کے اعتبار سے ایک اور عجیب حکمت ہے جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ قواعدِ تجوید کی رو سے حروف کی جتنی بھی اقسام ہیں، ان میں سے ہر قسم کے آدھے آدھے حروف کو حروفِ مقطعات میں استعمال فرمایا گیا ہے۔ اس کی چند دلچسپ مثالیں پیش خدمت ہیں۔

①......کل اٹھائیس حروف میں سے کچھ حروف مہموسہ ہیں اور کچھ حروف مجہورہ ہیں۔ یعنی کچھ حروف میں صفت ہمس پائی جاتی ہے اور کچھ میں صفت جہر۔

صفت ہمس کیا ہے؟......جن حروف کے ادا کرتے وقت آواز مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں پستی ہو، ان کو صفت ہمس والے حروف کہتے ہیں۔ ایسے حروف کی تعداد دس ہے۔ ان حروف کا مجموعہ ہے: فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ

ان دس حروف میں سے پانچ حروف، حروف مقطعات میں استعمال ہوئے

ہیں۔ وہ یہ ہیں: ح، ہ، ص، س، ك

صفت جہر کیا ہے؟......جن حروف کے ادا کرتے وقت آواز مخرج میں قوت کے ساتھ ٹھہرے اور آواز میں بلندی ہو، ایسے حروف کو صفتِ جہر والے حروف کہتے ہیں۔ ان حروف کی تعداد اٹھارہ ہے۔ ان میں سے نو حروف، حروفِ مقطعات میں لائے گئے ہیں۔

﴿۲﴾...... یہ اٹھائیس حروف، دو اور صفات میں بھی تقسیم ہوتے ہیں۔ شدیدہ اور رخوہ۔ شدت اس کو کہتے ہیں کہ آواز مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز بند بھی ہو جائے اور اس میں سختی بھی ہو۔ ایسے حروف کا مجموعہ ہے: اَجِدُكَ قَطَبْتَ

یہ حروف شدیدہ کل آٹھ ہیں اور ان میں سے چار حروف، حروفِ مقطعات میں استعمال ہوئے ہیں۔

باقی بیس حروف ''رخوہ'' بنے۔ ان میں سے دس حروف، حروفِ مقطعات میں استعمال ہوئے ہیں۔

﴿۳﴾...... پھر کل حروف دو اور طرح سے تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک طرح کے حروف ''حروفِ مُطبقہ'' ہیں۔ یہ وہ حروف ہیں کہ جن کو ادا کرتے وقت زبان کا پیٹ تالو کے ساتھ لپٹ جاتا ہے۔ ان حروف کی تعداد چار ہے۔ ص، ط، ض، ظ۔ ان میں سے دو حروف، حروف مقطعات میں استعمال ہوئے ہیں۔

ان کے علاوہ چوبیس حروف، ''حروف منفتحہ'' ہیں۔ یہ وہ حروف ہیں کہ جن کو داکرتے وقت زبان کا پیٹ تالو سے جدا رہتا ہے۔ ان چوبیس میں سے بارہ حروف، حروفِ مقطعات میں استعمال ہوئے ہیں۔

﴿۴﴾...... حروف کی ایک اور صفت ''قلقلہ'' ہے۔ اس میں پانچ حروف ہیں۔ ان

حروف کا مجموعہ ہے: قُطُبُ جَدٍّ

ان پانچ حروف کا نصف تو ہو نہیں سکتا۔ تاہم ان میں سے اَقَلّ یعنی دو حروف کو حروفِ مقطعات میں استعمال کیا گیا۔

۵ ...... حروفِ لین دو ہیں۔ و اور ی۔ ان میں سے ی کے حرف کو استعمال کیا گیا۔

۶ ...... مزے کی بات یہ ہے کہ حروف مقطعات کو تین جگہ مفرد لایا گیا۔ جیسے:

ص، ق اور ن

اس میں اشارہ ہے کہ حروف مفردہ اسم، فعل اور حرف، تینوں جگہ پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

☆ فعل...... جیسے: قِ۔ یہ امر ہے وَقیٰ یَقِیْ سے۔ اور لِ۔ یہ امر ہے وَلِیَ یَلِیْ سے۔

☆ حرف...... جیسے: بائے جار اور کاف تشبیہ

۷ ...... بعض حروفِ مقطعات دو دو مل کر چار طرح آئے ہیں۔ جیسے: طٰہٰ، طٰسٓ، یٰسٓ، اور حٰمٓ۔ اس میں عجیب اشارہ ہے:

○ حرف میں دو کا مجموعہ بغیر حذف کے بھی ہوتا ہے۔ جیسے: بَلْ یہ حرف ہے اور بغیر حذف کے ہے۔

○ فعل کا مجموعہ بحذف ہوتا ہے۔ جیسے: قُلْ۔ یہ اصل میں اُقْوُلْ تھا، مگر حذف کرنے کے بعد یہ قُل بن گیا۔

○ اسم میں دو کا مجموعہ دونوں طرح سے ہوتا ہے۔ حذف کے ساتھ بھی اور بغیر حذف کے بھی۔ چنانچہ بغیر حذف کے، جیسے: مَنْ۔ اور حذف کے ساتھ جیسے

دَمٌ...... یہ اصل میں دَمْوٌ تھا۔حذف کر کے دَمٌ بن گیا۔

⑧ ......حروف مقطعات میں دو کا مجموعہ نو سورتوں کے شروع میں آیا ہے۔یعنی دو دو حرف نو سورتوں میں آئے ہیں۔اس میں اشارہ یہ ہے کہ دو کا مجموعہ اسم میں، فعل میں اور حرف میں فتحہ، کسرہ اور ضمہ تینوں کے ساتھ آتا ہے۔مثال کے طور پر:

○ اسم میں اِذْ، ذُوْ، مَن ......ان میں فتحہ، کسرہ اور ضمہ تینوں ہیں۔
○ فعل میں قُلْ، بِعْ، خَفْ......ان میں بھی فتحہ، کسرہ اور ضمہ تینوں ہیں۔
○ حرف میں اِنْ، اَنْ، مُذْ ......ان میں بھی فتحہ، کسرہ اور ضمہ تینوں ہیں۔

یہ تین اسم کے، تین فعل کے اور تین حرف کے، کل نو بنے۔

اللہ تعالیٰ نے نو سورتوں میں دو حروف والے حروفِ مقطعات استعمال فرمائے ہیں۔

⑨ ......حروف مقطعات میں حروف کے مجموعے تیرہ عدد ہیں۔ان تیرہ کو لانے میں حکمت یہ تھی کہ ثلاثی مجرد کے اوزان تیرہ عدد ہیں، جو لغتِ عرب میں زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔مثلاً:

○ اسم ثلاثی مجرد کے دس ہیں:

فَلْسٌ، فَرَسٌ، كَتِفٌ، عَضُدٌ، حُمْرٌ، عِنَبٌ، اِبِلٌ، قُفْلٌ، صُرَدٌ عُنُقٌ۔

○ فعل ماضی کے تین ہیں۔جیسے: نَصَرَ، عَلِمَ، شَرُفَ

یہ کل تیرہ عدد ہوئے۔اور تیرہ سورتوں سے پہلے تین حروف آئے ہیں۔

⑩ حروف مقطعات میں چار کے مجموعے دو عدد ہیں اور پانچ کے مجموعے بھی دو عدد ہیں۔چار حروف کے مجموعے والے حروف مقطعات الٓمّٓرٰ اور الٓمّٓصٓ ہیں اور

پانچ حروف والے حروف مقطعات: کٓھٰیٰعٓصٓ اور حٰمٓ عٓسٓقٓ ہیں۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ رباعی اور خماسی کے وزن دو دو ہوتے ہیں۔

- ایک اصلی......جیسے: جَعْفَرٌ اور سَفَرْجَلٌ
- ایک ملحق......جیسے:قَرْدَدٌاور حَجَنْفَلٌ

بتانے کا مقصد یہ ہے کہ انسان جتنا غور کرتا چلا جائے، یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا کلام ہے کہ انسان پر اس کے معارف کھلتے چلے جاتے ہیں، اور ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک ایسا سمندر ہے کہ جس کی گہرائیوں کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا۔

لیکن علماء نے ہم عوام الناس کو ایک ہی بات بتائی کہ یہ حروف مقطعات اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے درمیان راز ہیں، لہٰذا کفار کے لیے یہ چیلنج ہے کہ اگر ان حروف سے اس جیسا کلام بنا سکتے ہو تو بنا کے دکھادو۔قرآن کا یہ چیلنج قیامت تک باقی رہے گا اور کوئی آدمی قرآن مجید کی ایک آیت جیسی بھی کوئی آیت نہیں بنا سکے گا۔

تربیت کی طرف اشارہ:

اس سورت کے شروع میں الٓرٰ کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ یہاں

- ......الف سے مراد، الله
- ......لام سے مراد، لِیْ
- ......را سے مراد، ربوبیت ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ''ربوبیت میرے ہی لیے ہے''۔کیونکہ اس سورت کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت کا پورا واقعہ ہے کہ اللہ رب العزت نے کیسے بچپن میں ان کو ایک آزمائش میں ڈالا، پھر وہ کیسے کامیاب ہوئے، پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے حکمت اور علم عطا فرمایا، پھر نبوت سے سرفراز فرمایا، پھر ان کو تاج وتخت

ملا۔ یہ سب کچھ تربیت کے ضمن میں آتا ہے اور ان سب چیزوں کا بیان اس سورت کے اندر ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ والدین نے بھی اپنی اولاد کی تربیت کرنی ہوتی ہے، اس لیے اس سورت میں ان کو بھی سمجھایا گیا کہ تم نے اپنے بچوں کی تربیت کیسے کرنی ہے۔ تو چونکہ اس پوری سورت میں تربیت کا مضمون تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں الٓـرٰ حروف کو نازل کر کے بتا دیا: دیکھو! اصل مربی تو میں ہوں، تم نے اگر تربیت پانی ہے تو میرے کلام سے تربیت پانا سیکھو۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۟ قف

''یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے''

قرآن مجید کتابِ مبین کیسے؟

اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے کتابِ مبین کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ

- ...... یہ حلال اور حرام کو واضح کرتی ہے۔
- ...... حدود اور احکام کو خوب کھول کر بیان کرتی ہے۔
- ...... ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے یہودیوں کے دماغ کھل جائیں۔

واقعی! قرآن مجید نے اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کو اس طرح کھول کر بیان کیا کہ اب ان یہود کے پاس اس کتاب کی حقانیت تسلیم کرنے اور اس کو کلامِ خدا ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

قُرْءٰنًا

''قرآن مجید''

قرآن مجید کے اسمائے مبارک:

قرآن مجید کے اور بھی کئی نام ہیں، جو خود قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔

مثلاً:

- ﴿تبارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ﴾...... یہ فرقان قرآن مجید کا نام ہے۔
- ﴿اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ﴾...... کتاب بھی قرآن مجید کا نام ہے۔
- ﴿یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ﴾...... حکیم بھی قرآن مجید کا نام ہے۔
- ﴿بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ﴾...... مجید بھی قرآن مجید کا نام ہے۔
- ﴿اِنَّہٗ لَکِتَابٌ عَزِیْزٌ﴾...... عزیز بھی قرآن مجید کا نام ہے۔
- ﴿اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾...... نور بھی قرآن مجید کا نام ہے۔

عَرَبِیًّا

''عربی زبان میں''

یعنی بِلُغَتِکُمْ۔ بتانے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کسی اور زبان میں نازل نہیں ہوا، تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے، ہمیں کیا پتہ کہ اس میں کیا باتیں ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ہم نے تمہاری زبان میں ہی اس قرآن کو نازل کیا۔

عربی زبان کی اہمیت:

ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

تم عربی زبان سے تین وجوہات کی بنیاد پر محبت کرو۔

◉ ایک تو یہ کہ میری زبان عربی ہے۔

- دوسرا یہ کہ قرآن مجید کی زبان عربی ہے۔
- تیسرا یہ کہ جنت میں جنتیوں کی زبان بھی عربی ہوگی۔

ان تین وجوہات کی بنا پر ہر مسلمان کو عربی زبان سے محبت ہونی چاہیے۔ آج کل نوجوانوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کو انگریزی سے بہت محبت ہے اور یہ محبت بڑھتی جا رہی ہے۔ اس پر کسی شاعر نے شعر لکھا: ؎

سنا ہے وہاں ہو گی بولی عرب کی
مگر ہم نے سیکھی ہے انگلش غضب کی

سکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے انگلش زبان سیکھنے پر ناز مت کریں۔ یہ ایک واسطے کی زبان ہے جس کا تعلق فقط اسی دنیا سے ہے۔ ہاں! عربی زبان کو سیکھنے کی تمنا کریں، کوشش کریں، اس لیے کہ یہ قرآن مجید کی زبان ہے، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے اور جنت میں جنتیوں کی زبان ہوگی۔

بعض لوگوں کو دیکھا ہے، وہ کہتے ہیں: جی! ہمیں عربی نہ پڑھائیں، بس ترجمہ پڑھا دیں۔ بھائی جب زبان نہیں سیکھیں گے تو پھر ترجمہ کیسے جانیں گے؟ عربی زبان سیکھنے میں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ بچوں کو سکھانا شروع کریں تو وہ بھی آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔ آخر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو پشتو کون سکھاتا ہے؟ ماں باپ ہی سکھاتے ہیں نا۔ ہم تو حیران ہوتے ہیں کہ اتنی مشکل زبان بھی بچے سیکھ جاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ماں باپ بچوں کو جو زبان سکھائیں، وہ سیکھ جاتے ہیں۔

ہمارے بچے اگر عربی نہیں سیکھ پاتے ہیں تو اس میں قصور ماں باپ کا ہے۔ اگر خود نہیں سکھا سکتے تو پھر استاد کے پاس بھیجیں۔ اور اگر نہ تو خود سکھائیں گے اور نہ استاد کے پاس بھیجیں گے تو غفلت کے مرتکب ہو جائیں گے۔ بھئی! عربی زبان کا

سیکھنا ہماری زندگی کا شوق ہونا چاہیے، تا کہ ہم بھی قرآن مجید کو پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

''تا کہ تم سمجھ سکو''

یعنی ''تا کہ تم ایمان لا سکو''۔

عقل کو استعمال کرنے کا حکم:

یہ دینِ اسلام، اتنا پیارا دین ہے کہ جس نے انسان کو عقل سے ایک طرف ہٹایا نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا کہ دین کو سیکھنے کے لیے عقل کو ایک طرف رکھ دو۔ نہیں، بلکہ دین اسلام کی جتنی بھی باتیں ہیں، وہ عقلمند انسان کو سمجھ آتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ دین، دینِ فطرت ہے۔ ہاں! عقل تو ہو، مگر سلیم ہو۔ اگر عیار ہو جائے تو پھر سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر عقل سلیم ہو گی تو اسے دین کی ہر بات کے اندر معارف اور حکمت نظر آئے گی۔

اس لیے دین اسلام یہ نہیں کہتا کہ آنکھیں بند کر لو اور فقط دین کو سیکھو۔ نہیں، بلکہ شریعت کہتی ہے: آنکھیں کھولو، آسمان کو دیکھو، زمین کو دیکھو، اللہ کی نشانیوں کو دیکھو۔ اُنْظُرُوْا...... اَلَمْ تَرَ...... اَلَمْ تَرَوْا...... یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ دین اپنی پیروی کرنے والوں کو آنکھیں بند کرنے کا حکم نہیں دے رہا، بلکہ آنکھیں کھولنے کا حکم دے رہا ہے۔ قرآن حکم دے رہا ہے: آنکھیں کھولو اور دیکھو۔ یہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے، اور اسی اللہ کی بھیجی ہوئی یہ کتاب ہے۔ اگر تم عقل سے کام لو گے اور آنکھوں سے دیکھو گے تو تم جگہ جگہ پر اس مالک الملک کی نشانیوں کو اپنے سامنے پاؤ گے۔

عقلِ سلیم رکھنے والے خوش نصیب:

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعے کو سن کر واقعی کچھ لوگ ایمان لائے۔ جیسے، ابن امین، عبداللہ بن سلام اور ابو عتبہ یمانی۔ یہ تینوں حضرات یہود کے بڑے بڑے علما تھے۔ ان کی عقل سلیم تھی اور طبیعت کے اندر سچ کی تلاش تھی، اس لیے جب انہوں نے اس واقعے کی تفصیلات سنیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان لانے کی توفیق عطا فرمادی۔

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ

''ہم تمہیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں''

کن چیزوں کو احسن کہا گیا؟

اَحۡسَنُ کا لفظ اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کے بارے میں استعمال فرمایا۔ مثال کے طور پر:

(ا)......قرآن مجید کو اَحۡسَنُ الۡحَدِيۡثِ کہا۔ اس لیے کہ اس کے اندر بہت زیادہ سبق کی باتیں ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں

......امر بھی ہے، نہی بھی ہے

......تذکر بھی ہے اور تفکر بھی ہے

......عتاب بھی ہے، حساب بھی ہے

......ثواب بھی ہے، عذاب بھی ہے

......حیرت بھی ہے، حسرت بھی ہے

......دین بھی ہے، دنیا بھی ہے

......لطافت بھی ہے، کثافت بھی ہے

......حلال کا علم بھی ہے، حرام کا علم بھی ہے

یعنی قرآن مجید میں ان سب چیزوں سے متعلقہ مضامین ہیں۔

(۲)......انسان کو اَحْسَنِ تَقْوِیْم کہا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان، نہ تو پانی سے تصویر بنا سکتا ہے، نہ آگ سے تصویر بنا سکتا ہے اور نہ ہی ہوا سے تصویر بنا سکتا ہے۔اور اللہ رب العزت نے ان تینوں سے تصویر بنائی۔

......آگ سے جنوں کی تصویر

......ہوا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر......اس لیے کہ ان کے بارے میں روح کا لفظ ارشاد فرمایا۔

.... پانی سے اولادِ آدم کی تصویر......واقعی! انسان پانی سے پیدا ہوا ہے۔

دیکھیے! اللہ رب العزت وہ ذات ہے جس نے ان تینوں پر تصویر بنا کر دکھا دی اس لیے فرما دیا: اے دنیا کے مصورو!

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾

(۳)......دین کو بھی اَحْسَن فرمایا گیا۔اس لیے کہ تمام انبیا پر جو چیزیں نازل ہوئیں، اللہ رب العزت نے ان تمام کا مجموعہ دین اسلام میں نازل فرما دیا۔چنانچہ یہ دین تمام ادیان سے احسن دین بن گیا۔

(۴)......حدیثِ مبارکہ میں مؤذن کی آواز کو تمام آوازوں سے اَحْسَن فرمایا گیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کو یہ آواز بہت محبوب ہے کہ بندے اس کی کبریائی بیان کریں۔اس کے علاوہ بھی حدیث مبارکہ میں اذان دینے کے بہت زیادہ فضائل بیان کیے گئے ہیں۔مثال کے طور پر:

○ انبیا، علما اور شہداء کے بعد مؤذن جنت میں سب سے زیادہ منور چہرے والے

لوگ ہوں گے۔

○ مؤذن کے لیے مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں۔

○ اللہ تعالیٰ مؤذن کو موت کی سختی سے بھی محفوظ فرمائیں گے۔

○ اللہ تعالیٰ مؤذن کو قیامت کے دن نور کے منبروں پر بٹھائیں گے۔

(۵)......اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قصے کے لیے بھی اَحْسَن کا لفظ استعمال فرمایا۔

قصہ یوسف علیہ السلام احسن القصص کیسے؟

مفسرین نے اس کی کئی وجوہات لکھی ہیں۔ مثال کے طور پر:

◉......اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کے لیے اس لیے اَحْسَنُ کا لفظ فرمایا کہ صاحبِ قصہ (حضرت یوسف علیہ السلام) بہت حسین تھے۔ اللہ رب العزت نے انہیں حسن میں صباحت عطا فرمائی تھی اور وہ اپنی مثال آپ تھے۔

◉......یہ قصہ تمام کہانیوں اور قصوں سے زیادہ کامل ہے۔ چیز تبھی اچھی ہوتی ہے جب کامل ہو۔ دیکھیں! اس ایک قصے کے اندر کتنے مضامین ہیں۔

......دین کے مضامین بھی ہیں، دنیا کے بھی

......سیرت کے بھی ہیں، سوانح کے بھی

......رموز سیاست کے بھی ہیں، اور حکومت کے بھی

......معاشی خوش حالی کی تدبیریں بھی

......حسن وعشق کی حشر سامانیاں بھی

......زہد وتقویٰ کی دستگیری بھی

......انبیا اور صالحین کا تذکرہ بھی

......ملائکہ اور پرندوں کا تذکرہ بھی

......جنوں اور انسانوں کا تذکرہ بھی

......چوپایوں اور شیاطین کا تذکرہ بھی

......بادشاہوں، تاجروں، عالموں اور جاہلوں کے حالات بھی

......غربت کا تذکرہ بھی، امیری کا بھی

......عزت کا تذکرہ بھی، ذلت کا بھی

......صبر و استقامت کا تذکرہ بھی

......انسانوں کی مکاری کا تذکرہ بھی

......نیک لوگوں کی نیکوکاری کا تذکرہ بھی

چونکہ یہ تمام مضامین اس ایک واقعہ کے اندر ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اَحْسَنُ الْقَصَصُ فرمادیا۔ یعنی یہ قصوں میں سے ایک بہترین قصہ ہے۔

لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ۝

”(یعنی ہمارے بیان کرنے سے پہلے) آپ اس قصے سے بالکل بے خبر تھے“

غفلت کسے کہتے ہیں؟

غفلت، پردے کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے جب دل میں غفلت آتی ہے تو دل پر پردہ آجاتا ہے۔ انسان کا دل غفلتوں سے بھرا ہوا ہے اور زمین کا پیٹ حسرتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ زندوں کی غفلتیں زیادہ ہیں یا مردوں کی حسرتیں زیادہ ہیں۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَٰٓأَبَتِ إِنِّى رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِى سَٰجِدِينَ ﴿٤﴾ قَالَ يَٰبُنَىَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلَىٰٓ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا۟ لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ لِلْإِنسَٰنِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٥﴾

[(یہ اس وقت کی بات ہے) جب یوسف نے اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) سے کہا تھا: ''ابا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔'' انہوں نے کہا: بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے کوئی سازش تیار کریں، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے'']

يَٰٓأَبَتِ

''اے ابا جان!''

فائدہ 1

قریبی رشتوں میں محبت کا اظہار ہونا چاہیے

اس ''ابا جان'' کے لفظ میں ادب بھی ہے اور محبت بھی ہے۔ گویا قرآن مجید سے ہمیں یہ تعلیم ملی کہ جہاں جتنے قریبی رشتے ہوں، وہاں محبت کا اظہار بھی ہونا چاہیے اور ادب کا اظہار بھی ہونا چاہیے۔ جیسے: ایک لفظ ہے: ابو۔ اس میں ادب بھی ہے اور محبت بھی ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾

بعض لوگ اپنے والد کو پپا کہتے ہیں، ڈیڈی بھی کہتے ہیں، اب آپ خود دیکھیں کہ پپا اور ڈیڈی کے الفاظ سے کیا محبت ظاہر ہوگی۔ اس لیے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے یہ نوجوان نسل اپنے باپ سے ایسے نفرت کرتی ہے جیسے کوئی پاپ سے نفرت کرتا ہے۔شاید پاپ سے ہی پپا کا لفظ بنالیا ہوگا۔ بہرحال! والد کے لیے ابو اور ابا جان کے الفاظ زیادہ محبت اور ادب کو ظاہر کرتے ہیں۔

إِنِّي رَأَيْتُ

''میں نے دیکھا''

فائدہ 2

چار الفاظ کے استعمال سے بچنا چاہیے

ہمارے مشائخ چار الفاظ استعمال کرنے سے بہت گھبراتے ہیں۔ بلکہ وہ تلقین کرتے ہیں کہ یہ الفاظ استعمال ہی نہ کرو۔ وہ چار الفاظ یہ ہیں:

أَنَا ''میں''......لِيْ ''میرا''......عِنْدِيْ ''میرے پاس''......نَحْنُ ''ہم''

ان چار الفاظ کو استعمال کرنے سے گھبرانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور جن لوگوں نے استعمال کیے انہوں نے اس کی سزا بھگتی۔مثال کے طور پر:

◉......أَنَا کا لفظ ابلیس نے استعمال کیا۔اس نے کہا:

﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾

وہ أَنَا کا لفظ استعمال کرنے کے بعد مردود ہوگیا۔

◎......لِیْ کا لفظ فرعون نے استعمال کیا۔اس نے کہا:

﴿ یَا قَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَوَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ﴾

اس کو اپنے دریاؤں کے نظام پر بڑا مان تھا، اس لیے اس نے لِیْ کا لفظ استعمال کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے دریا ہی میں ڈبو کے مارا۔ گویا فرمادیا کہ جس چیز پر تجھے ناز تھا، تیرا انجام بھی اسی میں ہوگا اور تمہیں پتہ چلے گا کہ یہ دریا تمہارے ہیں یا کسی اور کے ہیں۔

◎......عِنْدِیْ کا لفظ قارون نے استعمال کیا۔اس نے کہا:

﴿ اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ﴾

کہ میرے پاس جو مال ہے یہ میرے خون پسینے کی کمائی ہے۔

میں اتنا اچھا بزنس مین ہوں، میں نے فلاں ڈیل کی، مجھے اتنا منافع ہوا، کوئی درختوں سے اتارا ہوا پیسہ تو نہیں۔ اس نے کہا: میں نے اپنے اس علم کے ذریعے کمایا جو میرے پاس ہے۔ اس نے بھی عِنْدِیْ کا لفظ استعمال کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے خزانے کو اسی کے سر پر رکھ کر زمین کے اندر ہمیشہ کے لیے دھنسا دیا۔

◎......نَحْنُ کا لفظ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے استعمال کیا، انہوں نے کہا:

﴿ نَحْنُ عُصْبَةٌ ﴾ ''ہم ایک جماعت ہیں''

اخوان یوسف کو نَحْنُ کا لفظ استعمال کرنے پر شرمندہ ہونا پڑا، معافی بھی مانگی اور غلطی سے رجوع بھی کرنا پڑا۔

ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ جب ان الفاظ کے استعمال پر پھنسنا ہی ہے تو پھر استعمال ہی نہ کرو۔ اس لیے جو لوگ ہمارے اکابر کے پاس جاتے تھے وہ ان کو ''میں'' کا لفظ استعمال نہیں کرنے دیتے تھے کہ میں نے یہ کیا، میں گیا وغیرہ، بلکہ وہ

سمجھاتے تھے کہ یوں کہو: فقیر نے یہ کیا، فقیر گیا، وغیرہ۔ کیونکہ اللہ نے ہی تو انسان کے بارے میں فقیر کا لفظ استعمال فرمایا ہے ارشاد فرمایا:

﴿ يَآأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ﴾

جب اللہ نے ہی اپنے بندوں کو یہ نام دیا ہے تو بہت اچھی بات ہے، یہی نام استعمال کرنا چاہیے۔ تو جو بندہ ''میں'' کا لفظ استعمال کرے گا وہ ضرور بالضرور کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسے گا۔

لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى إِخْوَتِكَ

''اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا''

تعبیر بتانا فتویٰ دینے کی مانند ہے:

خواب کا علم بھی، مستقل ایک علم ہے۔ ہر بندہ خواب کی تعبیر کا علم نہیں رکھتا، اس لیے اسے زیب بھی نہیں دیتا کہ وہ خوابوں کی تعبیر بیان کرے۔ علما نے لکھا ہے کہ خواب کی تعبیر بتانا ایسا ہی ہے جیسے مفتی کا فتویٰ دینا۔ تو جیسے ہر بندہ فتویٰ نہیں دے سکتا اسی طرح ہر بندہ خواب کی تعبیر بھی نہیں بتا سکتا۔ ہاں! اگر کسی کتاب میں سے تعبیر پڑھی ہو یا کسی عالم سے سنی ہو تو سبق کے طور پر سنا دینا، الگ بات ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کو خواب کی تعبیر بتانے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

خوابوں کی تعبیر کا علم:

خوابوں کی تعبیر کا علم اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ پھر اس کے بعد اس امت کے علما کو بھی یہ علم ملا۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے وہ عالم ہیں جن

کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا۔ انہوں نے ''تعبیر الرؤیا'' نامی ایک کتاب بھی لکھی ہے، جس میں انہوں نے خوابوں کی ایسی عجیب وغریب تعبیریں بیان کی ہیں کہ انسان پڑھ کر حیران ہوتا ہے۔

دو خوابوں کی حیران کن تعبیریں:

ان کے پاس ایک بندہ آیا۔ اس نے کہا: حضرت! میں نے خواب میں آگ دیکھی ہے۔ انہوں نے فرمایا: تمہیں نفع ملے گا۔ کچھ عرصے کے بعد ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا: حضرت! میں نے خواب میں آگ دیکھی ہے، انہوں نے جواب دیا: تمہیں نقصان ہوگا۔ ایک شاگرد دونوں مرتبہ موجود تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا: حضرت! یہ کیا ماجرا ہے کہ پہلے کو تو خوشخبری سنائی اور دوسرے کو آپ نے پریشانی کی بات سنا دی۔ حضرت نے جواب دیا: پہلے آدمی نے خواب میں سردی کے موسم میں آگ دیکھی اور سردی میں آگ کو دیکھنا انسان کو راحت دیتا ہے، اس لیے میں نے اسے کہا کہ تمہیں خوشی ملے گی۔ اور دوسرے نے آگ گرمی کے موسم میں دیکھی تھی اور گرمی میں آگ انسان کو تکلیف پہنچاتی ہے، اس لیے میں نے اسے تعبیر بتائی کہ اس کو کوئی مصیبت آئے گی۔

اب اتنی باریکی ہم میں سے کون جانتا ہے۔ اس لیے ایک آسان سا کام ہے کہ جب کوئی آکر خواب سنائے تو اس سے کہو: بھئی! خوابوں کے شہزادے مت بنو۔

اگر خواب میں کوئی بندہ یہ دیکھے کہ وہ ملک کا صدر بن گیا ہے تو کیا وہ ملک کا صدر بن جاتا ہے؟ جیسے سویا تھا، اب اٹھنے کے بعد بھی ویسا ہی ہے۔ تو کیا فائدہ ان خوابوں کے پیچھے بھاگتے پھرنے کا؟

سچے خواب کی کہانی:

اگر کوئی کہے کہ خواب سچے بھی ہوتے ہیں۔تو پھر سچے خواب کی کہانی بھی سنو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے سچا خواب دیکھا، پھر والد گرامی نے اس کی تعبیر بھی دے دی کہ یہ اچھا خواب ہے، مگراس کی تعبیر ظاہر ہونے سے پہلے

......کنویں میں جانا پڑا

......مصر کے بازار میں بکنا پڑا

......محل کے اندر غلام بن کر رہنا پڑا

......آزمائش میں سے گزرنا پڑا

......پھر جیل کاٹنی پڑی

تب جا کر سالوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو تخت وتاج عطا فرمایا۔کیا اتنا مجاہدہ کرنے کے لیے کوئی تیار ہے؟ پوری زندگی اسی میں گزر جائے گی۔

سچا خواب، نبوت کا چھیالیسواں حصہ کیوں؟

ہاں! حدیث پاک میں ہے کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔کبھی سوچا کہ ان کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کیوں کہا گیا؟

نبوت کی زندگی تیئیس سال تھی، ان تیئیس سالوں کی چھیالیس ششماہیاں بنتی ہیں۔اور قرآن مجید اترنے سے پہلے نبی علیہ السلام جب غار حرا میں جاتے تھے تو چھ مہینے تک رؤیائے صادقہ نظر آتے رہے۔وہ چھ مہینے نبوت کا چھیالیسواں حصہ بنے۔اس لیے سچے خوابوں کو نبوت کا چھیالسواں حصہ فرمایا گیا۔

فائدہ 3

حاسد کے شر سے بچنے کیلیے نعمت کا چھپانا بہتر ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو یہ فرمایا کہ اپنے خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا، اس کی وجہ کیا تھی؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بندے کو نعمت ملے اور غالب گمان ہو کہ اگلے بندے کو اس سے حسد ہوگا تو ایسی صورت حال میں اس نعمت کو چھپانا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ حاسد انسان کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ اور جہاں امن ہو، وہاں تحدیثِ نعمت کے طور پر بتانا ضروری ہوتا ہے۔ یعنی جب نعمت ملے تو پھر دو صورتیں ممکن ہوتی ہیں۔

◉ ......ایک یہ کہ جب نعمت بھی ملے اور امن بھی ہو تو اس وقت اس نعمت کا ظاہر کرنا بہتر ہوگا۔

◉ ......اور دوسری صورت یہ ہے کہ جب نعمت کے ظاہر کرنے سے لوگ فتنے میں پڑیں تو ایسی صورت حال میں اس نعمت کا چھپانا ضروری ہوگا۔

آج کے دور میں شاید فتنے میں پڑنے کا ماحول زیادہ ہے، اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نعمت دے تو اس کو چاہیے کہ وہ عام طور پر اس کو ادھر ادھر بیان نہ کرے۔ حتیٰ کہ اپنے احوال و کیفیات کو بھی اپنے شیخ کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ لوگ تو خواب سن کے حسد کرنے لگ جاتے ہیں، اگر کیفیات بیان کریں گے تو کتنا حسد کریں گے۔ اس لیے ذرا Low profile رہنا سیکھنا چاہیے۔ شیطان ایسے موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے اور لوگوں کے دل میں حسد پیدا کر دیتا ہے۔ اب سوچیے کہ اگر سگے بھائیوں کے دلوں میں شیطان حسد پیدا کر دیتا ہے تو پرائے بندوں کے سامنے

بڑھکیں مارنے پر کتنا حسد پیدا کرے گا۔

اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے مناسب سمجھا کہ اللہ نے ان کے اس بیٹے کو جو نعمت دی ہے، یہ اس کو اپنے تک محدود رکھے اور دوسرے بھائیوں کو نہ بتائے، تاکہ وہ کہیں فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

یہاں سے ہمیں کچھ اور اشارات بھی ملتے ہیں۔

صاحبِ صفات بچے سے فطری محبت

والدین اپنی اولاد کی تربیت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی وجہ سے ایک بچے کی محبت دوسروں کو فتنے میں نہ ڈال دے۔

والد کو اپنی اولاد سے عمومی محبت ہوتی ہے۔لیکن جو اولاد صاحبِ صفات ہو اس سے فطری محبت ہوتی ہے۔یعنی عمومی محبت تو باپ کو ساری اولاد سے ہوتی ہے، مگر جس میں جتنی صفات زیادہ ہوتی چلی جائیں گی اس سے اتنی محبت بڑھتی چلی جائے گی۔

منظورِ نظر سالک کون؟

یہی وجہ ہے کہ جو تعلق رکھنے والے سالکین ہوتے ہیں، ان کا شیخ کے ساتھ ایک عمومی تعلق ہوتا ہے مگر جس میں جتنا

......سچ زیادہ ہو

......تقویٰ زیادہ ہو

......توکل زیادہ ہو

......زہد زیادہ ہو

......اتباعِ سنت زیادہ ہو

......پاکدامنی زیادہ ہو

وہ اتنا منظورِ نظر بنتا چلا جائے گا۔ اتنا وہ آنکھوں کی ٹھنڈک بنتا چلا جائے گا۔ تو یہ ایک فطری سی بات ہے کہ صفات سے انسان کو ہمیشہ پیار ہوتا ہے۔

اولاد سے عمومی محبت:

عمومی محبت تو ہر ماں باپ کو اولاد سے ہوتی ہے۔ بچہ خوبصورت ہو تو بھی پیارا، اور بدصورت ہو تو بھی پیارا۔ کمزور ہو تو بھی پیارا، صحت مند ہو تو بھی پیارا۔ اپنا جو ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا: کل کسی خوبصورت بچے کو لے آنا۔ وہ اپنے ہی بیٹے کو اٹھا کے لے آیا۔ وہ رنگ کا کالا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا: تمہیں یہی بچہ خوبصورت ملا ہے؟ وزیر نے کہا: جی! اگر آپ میری آنکھوں سے دیکھیں تو دنیا میں اس سے زیادہ کوئی بچہ خوبصورت نہیں ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سے سوال کیا: بیٹی! تمہیں اپنی اولاد میں سے کس سے محبت زیادہ ہے؟ اس نے عجیب جواب دیا۔ کہنے لگی:

......چھوٹے سے، جب تک بڑا نہ ہو جائے

......غائب سے، جب تک واپس نہ آجائے، اور

......بیمار سے، جب تک تندرست نہ ہو جائے۔

سبحان اللہ! وہ ماں تھی اور اس نے عجیب جواب دیا۔ واقعی! ماں کو چھوٹے بچے سے محبت زیادہ ہوگی، جو دور ہوگا اس پر ماں کی شفقت زیادہ ہوگی اور جو بیمار ہوگا اس سے محبت زیادہ ہوگی۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باقیوں سے محبت نہیں ہوگی۔ انسان فطرتاً ایسے بچے کی طرف کھنچ رہا ہوتا ہے۔

فائدہ 4

سالکین اپنی کیفیات پوشیدہ رکھیں

جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: تم اپنا خواب بھائیوں کو نہ سنانا، اسی طرح سالکین کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے احوال اور کیفیات عام لوگوں کے سامنے مت بیان کیا کریں۔ ایسی سب باتیں شیخ کو بتانی چاہئیں۔ اور بتاتے ہوئے کمی بیشی نہیں کرنی چاہیے۔ آج کل تو ایسی صورت حال ہے کہ خواب دیکھتے ہیں تو خواب کا وہ حصہ جو زیادہ اچھا ہوتا ہے، وہ سنا دیتے ہیں اور باقی آدھا نہیں بتاتے۔ آگے ایسی صورت تو نہیں ہوتی کہ سننے والا اتنا بے بصیرت ہوتا ہے کہ اس کو پتہ ہی نہ چلے۔ اب سوچیے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ جو کیفیات میں بندے کو عطا کروں، وہ میرے اور بندے کے درمیان راز ہے اور راز ہی رہنا چاہیے، بندہ اس کو ہرگز نہ کھولے، تو اس کو کھولنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے بندے کا اپنا نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ کتنے لوگ ہیں جو کہتے ہیں جی بڑے لطائف جاری تھے، ہم نے کسی کے سامنے تذکرہ کر دیا اور وہ اب ختم ہو گئے ہیں، بھئی! یہ بندے اور اللہ کے درمیان راز تھا، آپ نے کیوں کھولا؟ نہیں کھولنا چاہیے تھا۔

دوسروں کے عیوب پر پردہ ڈالیں:

ایک اور نکتے پر غور کیجیے......! جو پروردگار اپنے اور بندوں کے درمیان کے راز کو دنیا میں کھولنا پسند نہیں کرتا، وہ قیامت کے دن بندوں کے گناہوں کو دوسروں کے سامنے کھولنا کیسے پسند فرمائے گا۔ وہ بھی تو بندے اور اللہ کا معاملہ ہے نا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا: اگر میرے کسی بندے سے گناہ ہو بھی گیا تو تم اسے دنیا میں رسوا نہ

کرو، بلکہ پردہ ڈالو۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَتَرَ مُؤْمِنًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جس نے کسی مؤمن کے گناہ پر پردہ ڈالا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔''

دیکھیں! پروردگار کتنا کریم ہے......!!

فائدہ 5

ہر بات نقل کرنا خلافِ حکمت ہے

یہاں سے ایک بات یہ بھی سمجھ میں آئی کہ ہر بات کا دوسروں کے سامنے نقل کرنا بھی حکمت کے خلاف ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ))

''لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کرو''

اب جو بات دوسرے کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی، ایسی بات کرنے کا کیا فائدہ؟ یہ بات کرنے والے پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کونسی بات کرے اور کونسی نہ کرے۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ہمارے مشائخ اکثر و بیشتر خاموش رہتے ہیں۔ جو جتنا زیادہ بولے گا وہ اتنی زیادہ غلطیاں کرے گا۔ چنانچہ ہر وقت ٹرٹر کرنے کی عادت انسان کو مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ اس لیے خاموش رہنے کی عادت اپنانی چاہیے۔ اس کے علاوہ بات سوچ سمجھ کے کرنی چاہیے تاکہ اگلا بندہ سمجھ بھی سکے۔ اگر سمجھ ہی نہ سکے تو پھر بتانے کی کیا ضرورت ہے؟

یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک بات اپنی بیوی کو نہ بتائی۔ چنانچہ قرآن

مجید میں ہے:

﴿ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ﴾

فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا

''ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے کوئی سازش تیار کریں''

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب بتانے سے منع فرمایا تو پھر آگے وجہ بھی بیان کردی، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے کوئی سازش تیار کریں۔ یہاں پر کچھ باتیں سمجھنے کی ہیں۔

حسد گناہ کبیرہ ہے:

جب باتیں عام کردی جاتی ہیں تو دوسروں کے دل میں حسد آجاتا ہے۔ یہ حسد کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ آسمانوں پہ سب سے پہلا گناہ حسد کی وجہ سے ہوا۔ شیطان ملعون نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور گناہ کا مرتکب ہوا۔ اور زمین پر بھی سب سے پہلا گناہ حسد کی وجہ سے ہوا۔ دو بھائی تھے، ان میں سے ایک کی بیوی زیادہ خوبصورت تھی اور دوسرے کی زیادہ خوبصورت نہیں تھی۔ اس کو حسد ہوا اور اس نے حسد کی وجہ سے اپنے بھائی کو قتل کردیا۔

حسد سے بچنے کی تعلیم:

نبی علیہ السلام نے تعلیم دی:

((وَلَا تَحَاسَدُوْا))

''تم حسد نہ کرو''

ایک اور حدیث پاک سن لیجیے۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا یَجْتَمِعُ فِیْ جَوْفِ عَبْدٍ الْاِیْمَانُ وَالْحَسَدُ))

''بندے کے دل میں دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں، ایمان اور حسد''

جب دل میں حسد آتا ہے تو ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ دو چیزیں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا جو اپنے دل میں حسد محسوس کرتے ہیں وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

((اَلْحَسَدُ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ))

''جس طرح آگ خشک لکڑی کو کھا لیتی ہے، اسی طرح حسد انسان کی نیکیوں کو کھا جاتا ہے''

حسد کرنے سے اپنی نیکیاں جاتی ہیں۔ یہ کتنا بڑا نقصان ہے۔

حسد کیوں ہوتا ہے؟

حسد کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے کو کسی نعمت سے نوازتا ہے اور حاسد کو اس پر تکلیف ہو رہی ہوتی ہے۔ لوگوں کو دوسرے کے

......مال سے حسد ہوتا ہے

......حسن و جمال سے حسد ہوتا ہے

......فضل و کمال سے حسد ہوتا ہے

دوسرے کے پاس کوئی نہ کوئی نعمت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو حسد ہوتا ہے۔

تقسیمِ خداوندی پر اعتراض:

حسد کرنے والا گویا اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا۔ اس کو تقدیر پہ شکوہ ہوتا ہے کہ اس کو کیوں ملا، یہ مجھے ملنا چاہیے تھا۔ جو بندہ اللہ کی تقدیر پہ راضی نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس بندے سے بہت ناراض ہوتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے لوح وقلم کو پیدا کیا تو قلم کو حکم دیا: اے قلم! لکھ۔ قلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا:

لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلِیْ مَنْ لَّمْ یَسْتَسْلِمْ بِقَضَائِیْ وَ لَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ وَلَمْ یَشْکُرْ عَلٰی نِعْمَائِیْ فَلْیَتَّخِذْ رَبًّا سِوَائِیْ

”میرے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ میرے رسول ہیں، جو میری قضا کو تسلیم نہیں کرتا اور جو میری (بھیجی ہوئی) بلاؤں پر صبر نہیں کرتا اور جو میری نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتا۔ اس کو چاہیے کہ وہ میرے سوا کسی اور کو اپنا رب بنا لے۔“

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی تقدیر پر راضی رہیں، اللہ نے جس کو جو عطا کیا ہے وہی اچھا ہے۔ لہٰذا دل میں حسد پیدا ہی نہ ہونے دیں۔

﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾

حسد کرنے والا گویا اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ

اَلْحَسَدُ اِعْتِرَاضٌ عَلٰی قَدَرِ اللّٰهِ

”حسد اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض ہوتا ہے“

اس کو تقدیر پر شکوہ ہوتا ہے کہ اس کو کیوں ملا، یہ مجھے ملنا چاہیے تھا۔

حسد کا انجام:

حسد کا انجام کیا ہوتا ہے؟

لِلّٰہِ دَرُّ الْحَسَدِ مَا اَعْدَلَہٗ بَدَأَ لِصَاحِبِہٖ فَقَتَلَہٗ

''حسد جس بندے سے شروع ہوتا ہے، اس بندے کو قتل کر کے رکھ دیتا ہے''

حسد کرنے والا اپنی آگ میں خود جلتا ہے۔ جس کو اللہ نے نعمت دی ہوتی ہے وہ تو مزے کی نیند سو رہا ہوتا ہے۔ جبکہ حسد کرنے والا جاگ رہا ہوتا ہے، وہ کروٹیں بدل رہا ہوتا ہے، اسی کو بے چینی ہوتی ہے۔ اس لیے کسی نے کہا:

بِحَسِدِنَا نُطْعِمُ الْھَمَّ لُحُوْمَنَا وَ نَسْقِیْ الْفَمَ دِمَائَنَا وَ نُوَزِّعُ نَوْمَ جُفُوْنِنَا عَلَی الْاٰخَرِیْنَ

''حسد کی وجہ سے ہم اپنے غم کو گوشت کھلاتے ہیں، ہم اپنے منہ کو اپنا خون پلاتے ہیں اور ہم اپنی پلکوں کی نیند کو دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں''

ہم جاگ رہے ہوتے ہیں اور دوسرے میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے کبھی کسی کو حسد کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔

فَلَا تُرَاقِبْ بِعَیْنِ الْحَسْرَۃِ اَوِ الْفَضُوْلِ مَا عِنْدَ الْاٰخَرِیْنَ فَاِنَّہٗ یُوْرِثُ الْحَسَدَ

حسد کا علاج:

حسد کا علاج کیا ہے؟

(1)......ایک دعا ایسی ہے جو حسد کی ریمیڈی (دوائی) ہے۔ یہ ایسی دوائی ہے، جس

کے استعمال سے بیماری جڑ سے ہی ختم ہوجاتی ہے۔ وہ دعا حدیث پاک میں آئی ہے:

((اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ))

''اے اللہ! جو نعمتیں آپ نے مجھے عطا فرمائیں یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا فرمائیں، وہ آپ ہی کی طرف سے ہیں، تو ایک ہے، پس میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں''

جس بندے نے دوسرے پر نعمتیں دیکھنے کے بعد اس دعا کو پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کو حسد کے جراثیم سے محفوظ فرمالیتے ہیں۔ جیسے آج کل ویکسینیں آگئی ہیں، کہ

......ویکسین لگالو، ٹی بی ختم ہوجائے گی

......ویکسین لگالو، ہیپاٹائیٹس نہیں ہوگا

اسی طرح یہ بھی حسد کی ویکسین ہے جو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے عطا فرمادی ہے۔ کہ جب کسی کے پاس جمال دیکھو، کمال دیکھو، مال ومنال دیکھو، یا کوئی بھی نعمت دیکھو، تو حسد نہ کرو، بلکہ یہ دعا پڑھ لو، اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ حسد کے جراثیم کو اندر پیدا ہونے سے محفوظ فرمادیں گے۔

﴿۲﴾......ایک حدیث مبارکہ میں ایک اور دعا بھی بتائی گئی ہے۔ جب انسان اپنے اندر حسد محسوس کرے تو کہے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ))

اس لیے کہ شیطان بھی حسد پیدا کرتا ہے اور نفس بھی حسد پیدا کرتا ہے، پس یہ دعا مانگیں، اللہ تعالیٰ حسد سے بچالیں گے۔

﴿۳﴾......ہمارے مشائخ نے اس کا ایک آسان علاج بتایا ہے۔ وہ یہ کہ جس سے حسد

محسوس ہو، انسان اسی کے لیے دعا مانگنا شروع کر دے۔ چالیس دن نہیں گزرتے کہ یہ بیماری جان چھوڑ دیتی ہے۔ بلکہ ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ تین دن بھی نہیں گزرتے اور اس بیماری سے نجات مل جاتی ہے۔ بہت لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں: جی! فلاں سے بڑا حسد ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: بھئی! جس سے آپ کو حسد ہے اس بندے کے لیے تین دن تک دعا مانگیں۔

دراصل جس کے بارے میں دل میں اتنا حسد اور اتنا کینہ ہوتا ہے اس کے بارے میں زبان سے دعا کہاں سے نکلے؟...... بہرحال! اگر اس کو مجبور کریں کہ اس کے لیے دعا مانگو! تو بس دعا نکلنے ہی لگتی ہے تو شیطان بدبخت کی شیطانیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ تین دن سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ اس بندے کے بارے میں دل کے اندر محبت ڈال دیتے ہیں۔ یہ مجرب نسخہ ہے استعمال کر کے دیکھ لیں۔ اگر کوئی بھی آپ کے سامنے کہے کہ میرے اندر حسد ہے تو آپ اس کو یہ نسخہ تجویز کر سکتے ہیں کہ جس کے بارے میں حسد ہے اس کے لیے دعا کرو، تین دن سے پہلے اللہ تعالیٰ حسد کی بیماری سے شفا عطا فرما دیں گے۔

اس آیت میں ہم لوگوں کے لیے سبق ہے۔

حسد کرنا زوال کا سبب ہے:

ایک سبق تو یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو حسد اور کینہ سے بچائے۔ کیونکہ یہ چیز انسان کی ذلت اور زوال کا سبب بنتی ہے۔ بھائیوں نے حسد کیا اور بالآخر انہیں شرمندگی اٹھانی پڑی۔ یہ اپنی ذات کے لیے ایک سبق ہے۔

فائدہ 6

بات ہمیشہ سمجھا کر کریں

ایک سبق ماں باپ کے لیے بھی ہے۔ وہ یہ کہ جب بچوں سے بات کریں تو ہمیشہ ان کو سمجھا کر بات کریں......نکتہ سمجھیے !......حضرت یعقوب علیہ السلام یہ بھی تو کہہ سکتے تھے:

﴿ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ ﴾

یہاں تک بھی بات پوری ہو سکتی تھی، کیونکہ والد تھے اور حکم کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے فقط حکم نہیں کیا، بلکہ آگے تفصیل بھی کھولی، فرمایا:

﴿ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ﴾

قرآن مجید کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ مربی کو اگر تربیت کرنی ہو تو بندے کو فقط آرڈر ہی نہیں کرنا ہوتا، بلکہ کچھ سمجھانا بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کام کرنے کے فائدے بھی بتا دیں اور نہ کرنے کے نقصانات بھی کھول دیں۔ اس طرح اگلے بندے کے لیے آسانی ہوگی۔

اصلاح ہو تو ایسے!

ایک نوجوان صحابی تھے۔ وہ کہتے ہیں: میری عادت تھی کہ مجھے جس کھجور کا پھل پسند ہوتا، میں اس پہ چڑھ جاتا اور خوشہ توڑ کر کھجوریں کھاتا تھا۔ ایک دفعہ مالک نے مجھے پکڑ لیا۔ وہ مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لایا۔ شروع میں تو میں بڑا گھبرایا کہ پتہ نہیں، میرے ہاتھ کٹیں گے یا کیا ہوگا۔ جب نبی علیہ السلام کے پاس آیا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور اس کی بات سن کر مجھے اپنے قریب بلایا، پھر میرے سر کے اوپر شفقت

کا ہاتھ رکھا۔ میرا آدھا ڈر تو اسی وقت ختم ہو گیا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے مجھے شفقت محسوس ہوئی اور سایہ محسوس ہوا۔ مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل میں اپنائیت محسوس ہوئی۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے پوچھا: لوگوں کی کھجوریں توڑ کر کیوں کھاتے ہو؟ میں نے بتایا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھوک لگی ہوتی ہے اور مجھے جو کھجور اچھی لگتی ہے میں اس سے توڑ کر کھا لیتا ہوں۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے مسئلہ سمجھایا: بھئی! جو کھجوریں نیچے گری پڑی ہوں، ان کے لیے اذن عام ہوتا ہے، وہ نیچے پڑی ہوئی کھجوریں اٹھا کر کھا بھی لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا، البتہ جو درخت کے اوپر لگی ہوئی ہوں، وہ مالک کی اجازت کے بغیر نہیں کھا سکتے۔ اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے دعا دی: ''اللہ! اس بچے کی بھوک کو ختم کر دے اور اس کے رزق میں برکت عطا فرما دے''۔ اس کے بعد پوری زندگی میں نے کسی بندے کی کوئی بھی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال نہیں کی۔

مربی محبت سے تربیت کرے:

اس میں مربّین کے لیے بھی نکتہ ہے۔ تربیت اس کو نہیں کہتے:

''اوتو سندائیں، تینوں میں پہلے وی آکھیا سی''

تنقید نہیں چاہیے، بلکہ محبت چاہیے۔ بہر حال! تربیت کرنے کے دوران حکم کرتے وقت بات سمجھانی بھی چاہیے۔

زوجین کے جھگڑوں کی ایک وجہ:

کئی خاوندوں اور بیویوں میں جھگڑا ہی اسی لیے ہوتا ہے کہ خاوند آدھی بات کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے پوری وضاحت سے بات کر دی ہے، جبکہ بیوی یہ بھی نہیں

سمجھ پاتی کہ مجھے کرنے کو کہا گیا ہے، اور پھر توقع یہ کرتا ہے کہ کام ٹھیک ہونا چاہیے۔

میرے پاس بیرونِ ملک سے میاں بیوی کا ایک جھگڑا آیا۔ دونوں لکھے پڑھے، دونوں نیکوکار، دونوں تہجد گزار...... اور مسئلہ کیا تھا؟...... مسئلہ یہ تھا کہ خاوند فون پر صرف ایک لفظ بولتا تھا اور اس ایک لفظ سے بیوی کو یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ اسے کرنا کیا ہے۔ وہ بے چاری اپنی سمجھ سے کر لیتی تھی۔ اگر ٹھیک کام ہوتا تو تعریف نہیں ہوتی تھی اور اگر نہ کرتی تو اسے ڈانٹ پڑ جاتی تھی۔ بھئی! ایسی صورت میں جھگڑے ہی ہونے ہیں نا۔ تو شریعت ہمیں حکم دیتی ہے کہ اگر ہم کوئی بات کریں تو سمجھا کے بات کریں۔

بچوں کو نماز پر کیسے لگائیں؟

اگر بچہ نماز نہیں پڑھتا تو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بجائے سمجھانے کے انداز میں بات کریں۔ فجر میں آپ نے بچے کو جگایا، رضائی بھی ہٹا دی، لیکن وہ اٹھ کر نماز نہیں پڑھتا تو تربیت کرنے والے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ آ کر بچے سے یہ کہے کہ تجھے شرم نہیں آتی، بیل کی طرح کھاتا ہے، مرا پڑا ہے، نماز بھی نہیں پڑھتا، بھئی! ایسا کہنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کو سمجھائیں کہ تو نوجوان ہے، تیرے لیے اٹھنا مشکل ہے، لیکن بیٹا! اگر تو ہمت کر کے اٹھ جائے اور نماز پڑھ لے تو تو بوڑھے باپ کے دل سے دعائیں لے گا اور اپنے اللہ کو راضی کرے گا۔ اگر اس طرح سمجھا کر بات کریں گے تو وہ بچہ فجر کیا، تہجد پڑھنے کے لیے بھی اٹھ جائے گا۔

فائدہ 7

فقط ڈانٹ ڈپٹ بغاوت کا سبب بنتی ہے

آج ہمارے ماحول معاشرے میں اس چیز کی بڑی کمی ہے کہ تربیت کرنے

والے سمجھا کر بات نہیں کرتے، فقط ڈانٹ ڈپٹ سے کام لے رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے اکثر ماں باپ اپنے بچوں کی تربیت نہیں کر پاتے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ بچہ ابھی چھوٹا ہے اور ڈانٹ ڈپٹ سے کام چل جائے گا۔ بھئی! ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہیں چلتا، ڈانٹ ڈپٹ سے بچہ سہم جاتا ہے، سدھر نہیں جاتا۔ سہم جانا اور چیز ہے، سدھر جانا اور چیز ہے۔ اگر ہم فقط ڈانٹ ڈپٹ کریں گے تو بچہ سہم کر چپ ہو جائے گا اور اس کا سہم جانا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اب آپ نے اس کی کھوپڑی میں دو دماغ بنا دیے۔ ایک دماغ وہ ہے جو آپ سے باغی ہے اور ایک دماغ وہ ہے جو آپ کے سامنے چپ ہے اور جو آپ کہہ رہے ہیں وہ کر رہا ہے۔ جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچے گا تو اس کی بغاوت سامنے آجائے گی۔

شریعت کتنی خوبصورت ہے، اللہ کا کلام کتنا پیارا ہے، ہمیں سمجھا رہا ہے: کہ دیکھو! تربیت کرنی ہے تو تم اپنے بچے کو ایک کام کا امر بھی کرو، مگر ساتھ سمجھا بھی دو کہ میرا مقصد کیا ہے۔

بدگمانی سے بچاؤ:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرمایا:

﴿لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا﴾

اگر حضرت یعقوب علیہ السلام صرف اتنا ہی کہہ دیتے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھائیوں کے بارے میں پھر بھی بدگمانی آسکتی تھی۔ وہ اس طرح کہ باپ کے منع کرنے پر حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کو تو نہ بتاتے اور نہ ہی بھائی حسد کر سکتے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں تو بھائیوں کے بارے میں یہ بات آسکتی تھی کہ یہ مجھ سے حسد کرنے والے ہیں اور یہ میرے رفیق نہیں، بلکہ فریق ہیں۔ چنانچہ حضرت

یعقوب علیہ السلام نے اور بھی پتا صاف کر دیا۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾

''بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''

یعنی بیٹا! بھائی تیرے دشمن نہیں، شیطان ان کے دلوں میں تیرے لیے حسد پیدا کر دے گا...... اس طرح برائی شیطان کی طرف منسوب ہو گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی بھائیوں کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ آئی۔

سبحان اللہ! قرآن مجید کا ایک ایک لفظ انسان کو کیا عجیب سبق دیتا ہے۔

فائدہ 8

چھوٹے ''ناں'' سننے کی عادت بھی ڈالیں

اس آیت سے ہمیں ذاتی طور پر بھی سبق ملا کہ ہم نے حسد نہیں کرنا اور جو تربیت کرنے والے ماں باپ، اساتذہ اور بڑے ہیں، ان کو بھی سبق ملا...... اس کے ساتھ ساتھ ایک سبق چھوٹوں کو بھی ملا... وہ کیا؟

وہ سبق یہ ہے کہ کئی دفعہ چھوٹوں کی یہ توقع ہوتی ہے کہ ہماری ہر بات کو پورا کر دیا جائے۔ ان کی نظر میں وہی ماں باپ اچھے ہوتے ہیں جو بچوں کی ہر بات کو مانیں۔ جو کہا لے کے دیں، جہاں کہا لے کے جائیں۔ بچے سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اگر ماں باپ اسی طرح کریں تو وہ بہت اچھے ہیں۔

نہیں! شریعت ہمیں یہاں بتا رہی ہے کہ جب والد نے: ﴿لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ﴾ کہہ کر ایک بات سے منع کر دیا تو اب چھوٹوں کو سمجھنا چاہیے کہ جب کسی بات سے منع کر رہے ہیں تو اس سے رک جانے میں ہی ہمارا فائدہ ہے۔ اس لیے چھوٹوں کو

چاہیے کہ وہ ''ناں'' سننے کی بھی عادت ڈالیں ۔..... یہ ایک عجیب نکتہ ہے .....اب بیوی ''ناں'' سننا تو پسند نہیں کرتی ۔ پھر اسی پر جھگڑے بھی ہوتے ہیں ۔ یہ تو ضروری نہیں ہوتا کہ ہر بات پہ ہی ہاں ہو ۔ کبھی ناں بھی ہوسکتی ہے ۔ اس میں بھی کوئی وجہ اور حکمت ہوتی ہے ۔ ہاں! ضد کی وجہ سے ناں نہ کرے ۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے عادت ہی بنالی ہوتی ہے کہ ہر بات پر ناں ہی کرنی ہے ۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے ۔ اگر کوئی معتدل مزاج والا بندہ ہے اور وہ صحیح شخصیت ہے، اور وہ اگر کبھی چھوٹے کو کہہ بھی دیتا ہے کہ ایسا نہ کرو، تو یہ بات یاد رکھو کہ اس نے دھوپ میں بال سفید نہیں کیے ہوتے، اس کو زندگی کا تجربہ ہوتا ہے، اس لیے اس کو بات مان لینا چاہیے ۔

اس بات کا آپ کو اس وقت احساس ہوگا جب بیٹا کہے گا: ابو! فلاں جگہ شادی کرنی ہے ۔ جواب میں ماں باپ دونوں کہتے ہیں: بیٹا! یہ رشتہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہے ۔ اب نوجوان کی سمجھ میں نہیں آتا ۔ وہ صرف شکل وصورت دیکھ رہا ہوتا ہے ۔ وہ یہ نہیں دیکھ رہا ہوتا کہ

......اس میں تو دین کی رتی نہیں ہے

...... یہ بے پردہ قسم کی لڑکی کل میری ماں کو کتنا ذلیل کرے گی

...... یہ مجھے دین سے کتنا دور کرے گی

...... یہ مجھے اللہ سے کتنا دور لے جائے گی

وہ صرف ایک چیز دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس کی شکل خوبصورت ہے ۔

بچیوں کے معاملے میں بھی اسی طرح کی صورت حال پیش آتی ہے ۔ اگر کسی بچی کا دھیان کسی طرف ہوجاتا ہے اور ماں باپ سمجھاتے ہیں کہ نہیں، یہاں کے بجائے فلاں جگہ تمہارا رشتہ بہتر ہے تو بس وہ رونا شروع کر دیتی ہے اور کھانا پینا چھوڑ دیتی

ہے۔یاد رکھیں! نوجوان بچے اتنا تجربہ نہیں رکھتے، جتنا ماں باپ رکھتے ہیں۔ ماں باپ کی پختگی زیادہ ہوتی ہے، انہوں نے عمر گزاری ہوتی ہے۔اس لیے ان کی بات ماں لینے میں فائدہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو نوجوان اپنے ماں باپ کی بات نہیں مانتے، وہ ٹھوکریں کھاتے ہیں۔

پھر شیطان بچوں کے ذہن میں ایک عجیب بات ڈالتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو میں گھر چھوڑ جاؤں گا۔ بھئی! گھر چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو نقصان کس کا ہوگا؟ دیکھیں! اگر بازو یہ سوچے کہ میں تو جسم کے ساتھ رہ کر بندھا ہوا ہوں، میں قید ہوں، بس میں آزاد ہونا چاہتا ہوں، تو یاد رکھیں! اگر یہ بازو جسم سے جدا ہوگا تو یہ مردہ بنے گا، اس میں تعفن پیدا ہوگا، اس کو گلیوں کے کتے چوسیں گے، چچوڑیں گے اور کھینچ کے لے جائیں گے۔ اسی طرح جو بیٹا اپنے ماں باپ اور فیملی سے ٹوٹتا ہے، اسے بھی پھر گلیوں کے کتے چوستے ہیں اور چچوڑتے ہیں۔ وہ جو بڑے سجن بن کے آئے ہوتے ہیں وہی عزتیں خراب کرتے ہیں۔ پھر عزتیں لوٹنے کے بعد وہی اس کو گولیاں مار کر زمین پر لٹا دیتے ہیں۔ایسے تعلق کا کیا فائدہ؟...... جو خیر خواہی ماں باپ میں ہوتی ہے وہ خیر خواہی کسی اور میں تو نہیں ہوسکتی۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے بچوں کے اندر اچھائی چاہتا ہے۔

یاد رکھیں! کئی مرتبہ ناں بھی انسان کے لیے رحمت بن جایا کرتی ہے۔ اگر ایک چھوٹا بچہ ہاتھ میں انگارہ اٹھانا چاہے تو ماں تو اس کو روکے گی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ بچہ یہ سوچنا شروع کردے کہ ماں کو اس سے محبت نہیں ہے؟ بھئی! وہ محبت کی وجہ ہی سے تو تمہارا ہاتھ پکڑ رہی ہے۔...... اگر بچہ نجاست میں لتھڑا ہوا ہے اور ماں اس کو نہلا رہی ہے، پانی ڈالنے اور صابن لگانے سے تو بچہ رو رہا ہوتا ہے، لیکن ماں کا یہ کام

کرنا بچے کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے نہیں بلکہ محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔تو اس آیت سے چھوٹوں کو یہ سبق ملا کہ اگر کبھی کسی بات پر بڑا ناں کہہ دے تو وہ اس کی بات تسلیم کر لیں۔

یہاں طلبا بھی بیٹھے ہیں۔وہ بھی ذرا توجہ دیں کہ اگر کبھی ناظم صاحب کوئی بات کر دیں کہ بھئی! یہ کام نہیں کرنا، تو اس سے رک جانا چاہیے۔لیکن ہوتا یہ ہے کہ طلبا بہانے ڈھونڈتے ہیں کہ اس کام کو اب دوسرے طریقے سے کیسے کرنا ہے۔ایسا نہیں کرنا چاہیے۔کیونکہ تربیت میں ہاں بھی ہوتی ہے، ناں بھی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اتنے اچھے اخلاق عطا فرمائے کہ جہاں ہاں کی توقع رہتی ہے، وہاں ہم ناں کو سن کر بھی خوش رہیں اور اسی میں اپنا فائدہ سمجھیں۔

قرآن فہمی کے لیے استاد کی ضرورت:

کچھ لوگ کہتے ہیں: استادوں کی کیا ضرورت ہے، ترجمہ پڑھ کے قرآن مجید کو سمجھ لو۔بھئی! آپ ہی بتائیں کہ کیا آپ ترجمہ پڑھ کے ان آیات سے اتنے مضامین سمجھ سکتے تھے؟ نہیں سمجھ سکتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

جائے استاد خالیست　　　"استاد کی جگہ خالی ہوتی ہے"

الحمدللہ! اس عاجز نے بھی اپنے استاد حضرت مولانا خلیل احمد سے متواتر دو سال تک فجر کے بعد قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر پڑھی ہے۔جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ استاد کی ضرورت نہیں ہے بس ترجمہ پڑھ کے سمجھ لو، وہ صحیح معنوں میں رہنمائی نہیں کر رہے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

[اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں (نبوت کے لیے) منتخب کرے گا اور تمہیں تمام باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائے گا (جس میں خوابوں کی تعبیر کا علم بھی ہے) اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اسی طرح پوری کرے گا جیسے اس نے اس سے پہلے تمہارے ماں باپ پر اور ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی۔ یقیناً تمہارا پروردگار علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔]

حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ بیٹے نے جو خواب دیکھا ہے، وہ سچا خواب ہے اور اس خواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی نعمتیں ضرور اتارے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوشخبری دے دی۔ فرمایا:

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ

''اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں (نبوت کے لیے) چن لے گا''

﴿يَجْتَبِيْكَ﴾

''تمہیں چن لے گا''

یہ مضارع کا صیغہ ہے۔ مضارع کا صیغہ حال کا معنی بھی دیتا ہے اور مستقبل کا بھی۔ یہاں یَجْتَبِیْکَ کا لفظ مستقبل کے لیے آیا ہے۔ کیونکہ جس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بچے تھے اور ابھی نبوت بھی

نہیں ملی تھی، بلکہ آنے والے وقت میں ملنی تھی۔ اس لیے فرمایا کہ تیرا رب تجھے چن لے گا۔ یہ اللہ رب العزت کا چناؤ ہے، وہ جس کو چاہے چن لے۔

فائدہ 9

اللہ رب العزت کا چناؤ

عام طور پر ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اللہ کا چناؤ بہت خاص لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے، جبکہ یہ چناؤ عام بھی ہے اور خاص بھی ہے۔ مثال کے طور پر:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی چنا ہے۔...... کیسے؟...... وہ اس طرح کہ اس نے ہمیں انسان بنایا۔ یہ اس کی پسند ہے۔ ہمارا حق نہیں تھا۔ ہم نے کوئی درخواست نہیں دی تھی۔ یہ اللہ رب العزت کا ہم پر کرم ہوا کہ اس نے ہمیں انسان پیدا فرمایا۔ وہ ہمیں گدھا بنا سکتے تھے، بندر بنا سکتے تھے، خنزیر بنا سکتے تھے، کوئی چوپایہ بنا سکتے تھے۔ مگر اللہ رب العزت نے ہمیں انسان بنایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا چناؤ ہے۔

پھر اور دیکھیے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں ایمان کی نعمت عطا فرمائی۔ کتنے انسان ایسے ہیں جو شکل میں ہم سے اچھے ہیں، عقل میں ہم سے اچھے ہیں، مال میں ہم سے اچھے ہیں، تعلیم میں ہم سے اچھے ہیں، مگر ایمان سے محروم ہیں۔ تو یہ اللہ رب العزت نے جو ایمان کی نعمت عطا فرمائی، یہ اللہ تعالیٰ کا چناؤ ہے۔

مزید دیکھیے! پھر اللہ رب العزت نے ہمیں نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے بنایا۔ اس امت میں پیدا ہونے کے لیے پہلے انبیا علیہم السلام نے دعائیں مانگیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول بھی کرلیا۔ چنانچہ قربِ قیامت میں وہ اس امت میں آئیں گے اور دین اسلام کی پیروی کریں گے۔ تو جس امت

میں پیدا ہونے کے لیے انبیا علیہم نے دعائیں مانگیں، اس امت کو اللہ نے کیا شان دی! اس امت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرما دیا۔ یہ اللہ رب العزت کا چناؤ ہے۔

امت محمدیہ میں انبیائے کرام والے تیس اوصاف

اس امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں کہ ان کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے تیس صفات ایسی بخشی ہیں جو انبیا علیہم کی صفات ہیں۔ یہ تیس صفات گویا تیس انعامات ہیں۔

ان میں سے

......دس انعامات وہ دیے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو ملے

......دس انعامات وہ دیے جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو ملے

......دس انعامات وہ دیے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے

وہ انعامات ذرا مختصراً سن لیجیے، تاکہ اس بات کا احساس ہو کہ اس امت میں سے پیدا ہونا کتنی بڑی نعمت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام والے اوصاف:

وہ اوصاف جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ملے اور اس امت کو بھی ملے، وہ یہ ہیں:

(۱)......حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا﴾ (البقرۃ:۱۳۰)

یہی لفظ اللہ نے اس امت کے لیے بھی استعمال کیا۔ فرمایا:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ (فاطر:۳۲)

﴿۲﴾......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿شَاکِرًا لِّاَنْعُمِہٖ اِجْتَبٰہُ﴾ (النحل:۱۲۱)

یہی اِجْتَبٰی کا لفظ اللہ نے اس امت کے لیے استعمال کیا۔ فرمایا:

﴿ھُوَ اجْتَبٰکُمْ﴾ (الحج:۷۸)

﴿۳﴾......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (البقرۃ:۱۳۰)

اور اس امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۵)

﴿۴﴾......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ ھَدٰہُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (النحل ۱۲۱)

یہی ہدایت کا لفظ اس امت کے لیے بھی استعمال کیا۔ فرمایا:

﴿وَ اِنَّ اللّٰہَ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحج:۵۴)

﴿۵﴾......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ﴾ (الصفت:۱۰۹)

اور اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی﴾ (النمل:۵۹)

﴿۶﴾......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ﴾ (الانبیاء:۶۹)

اور اس امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ كُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا﴾ (آل عمران:۱۰۳)

﴿۷﴾......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ (الصّٰفّٰت:۱۱۱)

اور اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلۡ لِّعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ (ابراہیم:۳۱)

﴿۸﴾......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ تُبۡ عَلَيۡنَا﴾ (الاحزاب:۱۲۸)

اور اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ يَتُوۡبَ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ﴾ (الاحزاب:۷۳)

﴿۹﴾......حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا﴾ (البقرۃ:۱۲۷)

اور اس امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا﴾ (الاحقاف:۱۶)

﴿۱۰﴾......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ﴾ (الصّٰفّٰت:۱۰۱)

اور اس امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ﴾ (یونس:۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام والے اوصاف:

اس امت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام والے دس اوصاف بھی عطا فرمائے:

①......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾ (طٰہٰ:۲۵)

اوراس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (الزمر:۲۲)

②......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ﴾ (طٰہٰ:۲۶)

اوراس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

③......حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ (الصٰفٰت:۱۱۴)

اوراس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۶۴)

④......حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا کلام تھا:

﴿اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ (الشعراء:۶۲)

اوراس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل:۱۲۸)

⑤......حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ (یونس:۸۹)

اوراس امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الشوریٰ:۲۶)

۶......حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ (طٰہٰ:۶۸)

اور اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

(آل عمران:۱۳۹)

۷......حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ (طٰہٰ:۳۹)

اللہ تعالیٰ نے محبت کا تذکرہ کیا۔

اور اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم:۹۶)

ود محبت کو کہتے ہیں۔

۸......حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ﴾ (القصص:۳۱)

اور اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام:۸۲)

۹......حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ (یونس:۸۹)

اور اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

۱۰......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دعا مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا:

﴿اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَلَهٗ﴾ (القصص:١٦)

اور اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا﴾ (الزمر:٥٣)

حبیبِ کبریا حضرت محمد ﷺ والے اوصاف:

دس اوصاف ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائے۔ ہو بہو وہی اوصاف اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بھی عطا فرمائے۔

١ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الاحزاب:٣٨)

اور اس امت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:٧٨)

٢ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح:٢)

اور اس امت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران:٣١)

٣ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا﴾ (الفتح:٢)

اور اس امت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ﴾ (المائدہ:٣)

٤ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ یَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا﴾ (الفتح:۲)

اور اس امت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ اِنَّ اللّٰہَ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحج:۵۴)

۵ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ یَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا﴾ (الفتح:۳)

اپنی مدد کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الروم:۴۷)

۶ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ لَوْ لَا اَنْ ثَبَّتْنٰکَ﴾ (بنی اسرائیل:۷۴)

ثابت قدم رکھنے کے بارے میں ہے۔

اور اس امت کے بارے میں فرمایا:

﴿یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ (ابراہیم:۲۷)

۷ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی﴾ (الضحیٰ:۵)

رضا کے بارے میں، کہ تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اور اس امت کے بارے میں فرمایا:

﴿لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَہٗ﴾ (الحج:۵۹)

۸ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ﴾ (الانشراح:۱)

اور اس امت کے بارے میں فرمایا:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ﴾ (الانعام:۱۲۵)

۹ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴾ (القلم:۳)

اوراس امت کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴾ (التین:۶)

۱۰ گواہی کے بارے میں فرمایا:

﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ﴾ (النساء:۴۱)

اوراس امت کے بارے میں فرمایا:

﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاۤءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

اس کے علاوہ ایک گیارہویں بات بھی سن لیجیے: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۤئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں''

اوراس امت کے بارے میں فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰۤئِكَتُهٗ﴾ (الاحزاب:۴۳)

سبحان اللہ!......اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کیا شان بخشی کہ جو اوصاف اپنے انبیا کو دیے، وہی اوصاف اس امت کے اولیاء کو بھی عطا فرما دیے۔ یہ اللہ رب العزت کا چناؤ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس امت میں پیدا فرما دیا۔ اس پر ہم اللہ رب العزت کا جتنا شکرادا کریں، کم ہے۔ ہم تو فقط مال و دولت کو دیکھتے ہیں۔ کبھی اس نعمت پر بھی غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کتنی بڑی نعمت بغیر استحقاق کے عطا فرمائی

ہوئی ہے۔ اگر ہم ساری زندگی سجدے میں پڑے رہیں تو ہم اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

اللہ رب العزت نے اس امت کو جو اتنے انبیا کے اوصاف عطا فرمائے، اس کو ''اجتبائیت'' کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے ''کسی کو چن لینا''...... ''کسی کو پسند کر لینا'' اللہ رب العزت نے گویا اس امتِ بیضا کو چن لیا، پسند فرما لیا۔

دس انبیا کو دس علوم ملے:

اللہ رب العزت نے دس انبیا علیہم السلام کو دس علوم کے لیے چنا۔

- ......حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاسما عطا فرمایا
- ......حضرت ادریس علیہ السلام کو علمِ قلم عطا فرمایا
- ......حضرت نوح علیہ السلام کو حلال و حرام کا علم عطا فرمایا
- ......حضرت ابرہیم علیہ السلام کو علمِ مناظرہ عطا فرمایا
- ......حضرت داود علیہ السلام کو فصل الخطاب کا علم عطا فرمایا
- ......حضرت سلیمان علیہ السلام کو علمِ منطق الطیر عطا فرمایا
- ......حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علمِ مناجات عطا فرمایا
- ......حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر الرؤیا کا علم عطا فرمایا
- ......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو علمِ حکمت عطا فرمایا
- ......سیدنا رسول اللہ علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم الاولین والآخرین عطا فرمایا:

﴿وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾

ایک عجیب بات:

اب یہاں ایک عجیب بات سنیے !......اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے یَجْتَبِیْکَ کا جو لفظ استعمال ہوا ہے، وہ مستقبل کی طرف اشارہ کر رہا ہے، کہ آنے والے وقت میں تیرا رب تجھے چن لے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَاجْتَبَیْنٰهُمْ﴾ ''ہم ان کو چن چکے ہیں''

كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ

''جیسے اس نے اس سے پہلے تمہارے ماں باپ اور ابراھیم اور اسحاق پر (اپنی نعمت) پوری کی تھی۔''

فائدہ 10

باپ دادا کا معزز ہونا اعزاز کی بات ہے

اگر باپ دادا معزز ہوں تو یہ بھی عزت کی بات ہوتی ہے۔ جیسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ حنین کے موقع پر فرمایا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا کا تذکرہ اس لیے کیا کہ وہ اپنے قبیلے کے سردار تھے اور ایک معزز آدمی تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ دادا تو انبیا تھے۔

......حضرت یعقوب علیہ السلام والد تھے اور نبی بھی تھے

......حضرت اسحاق علیہ السلام دادا تھے اور نبی بھی تھے

......حضرت ابراہیم علیہ السلام پردادا تھے اور نبی بھی تھے

چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نبیوں کی اولاد تھے، اس لیے یہ ان کے لیے بہت اعزاز کی بات تھی۔ یہ سارے کا سارا گھرانہ منور تھا۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

''اس گھر کا ہر فرد سورج کی مانند ہے''

ایک اصول یاد رکھیں!

''بیت الطیّب سے ہی ابن الطیّب نکلتا ہے''

چنانچہ ذرا غور فرمایئے!

......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے بیٹے پیدا ہوئے

......سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جیسے کریمین پیدا ہوئے

......عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے ماں باپ بہت ہی نیک اور تہجد گزار تھے۔

......سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ماں باپ، دونوں بہت زیادہ نیک تھے، علم والے اور عمل والے تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ جب ماں باپ نیک ہوتے ہیں تو عمومی طور پر اللہ تعالیٰ اولاد کو بھی انہی کی صفات عطا فرما دیتے ہیں۔ اس لیے اگر ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد بھی نیک بنے تو اس سے پہلے ہمیں خود نیک بننا پڑے گا۔ فقط تمنا رکھنا کہ میں تو جیسا ہوں، ایسا ہی رہوں اور اولاد نیک ہو جائے، یہ کمزور تمنا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انسان پہلے اپنے آپ کی اصلاح کی فکر کرے اور پھر اپنی اولاد کے نیک بننے کی دعا مانگے، اللہ رب العزت ایسے بندے کی دعا کو رد نہیں فرماتے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ۝۷ اِذْ قَالُوْا
لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝۸ ۚۖ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ
وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹ قَالَ قَآىِٕلٌ
مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ
السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۱۰

[حقیقت یہ ہے کہ جولوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، ان کے لیے یوسف اوران کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔ (یہ اس وقت کا واقعہ ہے) جب یوسف کے ان (سوتیلے) بھائیوں نے (آپس میں) کہا تھا: ''یقینی طور پر ہمارے والد کو ہمارے مقابلے میں یوسف اور اس کے (حقیقی) بھائی (بنیامین) سے زیادہ محبت ہے، حالانکہ ہم (ان کے لیے) ایک مضبوط جتھہ بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے والد کسی کھلی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ (اب اس کا حل یہ ہے کہ) یوسف کو قتل ہی کر ڈالو، یا اسے کسی اور سرزمین میں پھینک آؤ، تاکہ تمہارے والد کی ساری توجہ خالص تمہاری طرف ہو جائے، اور یہ سب کرنے کے بعد پھر (توبہ کرکے) نیک بن جاؤ'' انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''یوسف کو قتل تو نہ کرو، البتہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی اندھے کنویں میں پھینک آؤ، تاکہ کوئی قافلہ اسے اٹھا کر لے جائے]

ایٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ

''نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کے لیے''

یہود اور مشرکین کے لیے عبرت کی باتیں:

پوچھنے والے کون تھے؟......اصل میں تو پوچھنے والے یہود تھے اور ظاہر میں پوچھنے والے مشرکین مکہ تھے......اس واقعہ میں دونوں کے لیے سبق تھا۔

- ......یہود کے لیے اس میں نشانیاں تھیں۔
- ......مشرکین مکہ کے لیے اس میں عبرت کی باتیں تھیں۔

مشرکین مکہ کے لیے عبرت کی باتیں کیا تھیں؟......وہ یہ کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں حضرت یوسف علیہ السلام گھر سے نکلے، ظاہر میں ان کو پریشانی ملی، مگر وہی پریشانی ان کے لیے عزت کا سبب بن گئی۔ اسی طرح آنے والے وقت میں میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر سے نکلیں گے، ہجرت کرنی پڑے گی، ظاہر میں پریشانی ہوگی، مگر یہی پریشانی ان کے لیے عزتوں کا سبب بن جائے گی۔ گویا ان کو بتا دیا:

''اے مشرکینِ مکہ! دیکھو، اخوانِ یوسف نے بھائی کے ساتھ جو کیا تھا، ایک وقت آیا کہ ان کو ان سے معافی مانگنی پڑی، اگر تم بھی میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی کچھ کرو گے تو ایک وقت آئے گا کہ تمہیں بھی ان کے سامنے اسی طرح جھک کر اپنی غلطی کو تسلیم کرنا پڑے گا''۔

اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا

''ہمارے والد کو ہمارے مقابلے میں (یوسف اور بنیامین سے) زیادہ محبت

فائدہ 11

اپنے کام سے کام رکھو

یہاں ایک خاص بات دیکھیں !...... حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر نہیں بتائی کہ چاند کا یہ مطلب، سورج کا یہ مطلب اور ستاروں کا یہ مطلب۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ ''اپنے کام سے کام رکھو''۔ خواہ مخواہ کی تفصیلات میں جا کر اپنے وقت کو ضائع مت کرتے پھرو...... کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ خواب دیکھ لیتے ہیں اور پھر ایک وقت میں آٹھ دس بندوں سے اس کی تعبیر پوچھتے ہیں۔ اس کے بعد وہ Comparison (موازنہ) کرتے پھر رہے ہوتے ہیں۔...... قرآنی تعلیمات ایسی نہیں ہیں۔ آگے قرآن نے بات بتا دی۔ قصہ پوچھا تھا اور قرآن نے آگے قصہ سنا دیا۔ چنانچہ آگے فرمایا:

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

''(یہ اس وقت کا واقعہ ہے) جب یوسف کے ان (سوتیلے) بھائیوں نے (آپس میں) کہا تھا: ''یقینی طور پر ہمارے والد کو ہمارے مقابلے میں یوسف اور اس کے حقیقی بھائی (بنیامین) سے زیادہ محبت ہے، حالانکہ ہم (ان کے لیے) ایک مضبوط جتھہ بنے ہوئے ہیں''

إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

''ہمیں یقین ہے کہ ہمارے والد کسی کھلی غلط فہمی میں مبتلا ہیں''

ضَلَالٌ سے مراد یہاں ''گمراہی'' نہیں، ورنہ تو کفر ہو جاتا۔ چنانچہ یہاں اس

سے مراد یہ ہے کہ ان کو غلط فہمی ہوگئی ہے، ان کو بھول لگ گئی ہے، ان کا رویہ ٹھیک نہیں ہے۔

بھائیوں کی بیزاری کی اصل وجہ:

اصل میں دو بھائی (حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین) الگ ماں سے تھے اور باقی بھائی الگ ماں سے تھے۔ وہ دونوں بھائی چھوٹے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان چھوٹے بیٹوں سے محبت اور شفقت زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ ان کی صفات بھی بہت تھیں۔ بڑے بھائی اس رویے کی وجہ سے دل میں تنگی محسوس کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جو محبت ان کو ملتی ہے اس سے زیادہ ہمیں ملنی چاہیے۔

ان کو اپنے زیادہ ہونے پر بڑا ناز تھا۔ اسی لیے تو وہ کہتے تھے:

﴿نَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ ''ہم ایک مضبوط جتھہ (گروپ) بنے ہوئے ہیں''

فائدہ 12

زیادہ محبت امتحان کا سبب بنتی ہے

کسی سے زیادہ محبت کا ہونا، اللہ تعالیٰ کے ہاں امتحان کا سبب بن جاتا ہے۔ محبت کرنے والا خود بھی امتحان میں پڑے گا اور جس سے محبت ہوگی وہ بھی امتحان میں پڑے گا۔ چنانچہ آپ غور کریں:

......حضرت آدم علیہ السلام کو ہابیل سے محبت تھی، قابیل نے اسے قتل کر دیا۔

......حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے والد کو محبت تھی، بھائیوں نے انہیں کنویں میں ڈال دیا۔

......نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے محبت تھی، پھر دیکھیے ان پر کیا آزمائشیں آئیں۔

آج کے دور میں بھی اگر کوئی زیادہ محبت کا اظہار کرے تو اسے روکو۔ اِلاّ یہ کہ خاوند اور بیوی کا معاملہ ہو۔ وہ الگ بات ہے۔ اس میں تو شریعت کہتی ہے کہ جتنا محبت کا اظہار ہو، اتنا کم ہے۔ اس میں تو شریعت نے خود اجازت دی ہے، بلکہ حکم دیا ہے۔ فرمایا:

((خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ))

اس تعلق کے علاوہ اگر محبت ہو بھی سہی تو اظہار نہ کریں۔ بلکہ اظہار تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا کرنا چاہیے۔ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اَحَبّ ذات اسی کی ہے۔ اسی لیے فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ﴿ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا﴾

(التوبہ:۲۴)

گویا اَحَب تو اللہ کی ذات ہے۔ یعنی سب محبتوں پر غالب محبت اللہ رب العزت کی ہونی چاہیے اور باقی نسبتیں اس کی وجہ سے ہونی چاہئیں۔

اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ

''یوسف کو قتل ہی کر ڈالو''

بھائیوں کا مشورہ:

بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا: ہم کس طرح اپنے والد کے منظورِ نظر بن سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا یہ حل نکالا کہ یوسف کو قتل ہی کر ڈالو، یا کسی اور سرزمین میں پھینک آؤ تاکہ تمہارے والد کی پوری توجہ خالصتاً تمہاری طرف ہو جائے، اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد پھر توبہ کر کے نیک بن جانا۔

دو قابلِ غور باتیں:

اب یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

﴿1﴾...... بھائیوں نے فیصلہ کیا کہ یوسف کو قتل کر دیں...... واقعی! حسد ایسی بیماری ہے کہ انسان پھر دوسرے کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ یہ روئے زمین کے بجائے زیرِ زمین چلا جائے...... حاسد دوسرے کو قتل کرنے کے ہی درپے ہوتا ہے۔ ذرا غور کیجیے:

- ......حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قوم کے سرداروں نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا تھا: ہم تمہیں اتنے پتھر ماریں گے کہ تمہیں مار ہی ڈالیں گے۔
- ......حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم نے کیا کہا تھا؟

﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ﴾ ''انہوں نے کہا تھا: انہیں آگ میں جلا دو۔''

- ......حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے کیا کہا تھا؟

﴿اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ﴾

اسمبلی کے ممبروں نے قتل کی دھمکی دی تھی۔

- ......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہود نے یہی کچھ کیا۔ انہوں نے اپنی طرف سے

پوری کوشش کی کہ ان کو قتل کر ڈالیں، مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾

اور آگے فرمایا: ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾

○...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ﴾

کافروں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ ان کو یا تو حبسِ بے جا میں رکھیں، یا پھر ان کو شہید کر کے ہمیشہ کے لیے جان چھڑائیں، یا دیس نکالا دے دیں۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ حاسد ہمیشہ محسود کو قتل کرنے کے در پے ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ اس کو ایسی نظروں سے دیکھتا ہے کہ جیسے وہ اسے نظروں سے گرا سکتا ہو تو گرا کے دکھا دے۔

﴿۲﴾...... لیکن ایک عجیب نکتے کی بات سنیے کہ اگر محسود جوابی کارروائی نہ کرے اور معاملہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دے اور اللہ ہی کو اپنا مددگار بنا لے تو عزتیں ہمیشہ محسود کو ہی ملتی ہیں۔ یعنی اللہ کی نظر میں اسی کی شان بلند ہوتی ہے جس کے ساتھ حسد کیا جاتا ہے۔ ذرا غور کیجیے:

......حضرت نوح علیہ السلام نجی اللہ بن گئے

......حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ بن گئے

......حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ بن گئے

......حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ بن گئے، اور

......حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محمد رسول اللہ بن گئے

حسد کرنے والے اپنی آگ میں خود جلتے رہے اور اللہ نے ان حضرات کو جن کو صفات سے نوازا تھا ان کو اپنی رحمت سے اتنا بلند مقام عطا فرما دیا۔ چنانچہ اگر کوئی

بندہ کسی سے حسد کرے بھی سہی تو جس سے حسد کیا جائے اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے، معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے اور اسی کو اپنا وکیل بنالے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ حاسد کو اس کی اپنی آگ میں بھی جلائیں گے اور اس بندے کو اللہ تعالیٰ عزتوں سے بھی نواز دیں گے۔

وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صٰلِحِينَ

''اس کے بعد پھر (توبہ کرکے) نیک بن جاؤ''

فائدہ 13

شیطان کا عجیب داؤ

یہ شیطان کا پکا حملہ ہوتا ہے کہ جب وہ بندے کے ذہن میں گناہ کا خیال ڈالتا ہے تو ساتھ یہ بات بھی ڈالتا ہے...... ''بس ایک دفعہ'' ...... ''بس ایک دفعہ'' ...... ''بس آخری دفعہ'' ...... ''پھر تم اچھے بن جانا'' ...... آج بھی شیطان کا یہی داؤ چلتا ہے کہ تم ایک دفعہ گناہ کرلو، بس ایک دفعہ یہ کرلو، پھر توبہ کرلینا۔ یاد رکھیں! جو بندہ اس خیال میں رہا کہ بس میں ایک دفعہ یہ گناہ کرلیتا ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس کی کبھی جان نہیں چھوڑے گا، بلکہ وہ گناہوں میں دھنس جائے گا۔ اس لیے گناہ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ گناہ ایک دفعہ بھی نہیں کرنا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعد میں توبہ کرلیں گے، ان کی یہ توبہ ''توبۂ فاسدہ'' ہوا کرتی ہے۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

شیطان ملمع کاری کرتا ہے اور گناہوں کو مزین کرکے پیش کرتا ہے اور کہتا ہے: بس ایک دفعہ کرلو پھر توبہ کرلینا۔ اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

فائدہ 14

توبہ کی نیت نہ ہونے پر کفر کا اندیشہ

ایک علمی نکتہ سمجھیے ...... کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ گناہ تو کرتے ہیں مگر اس کے بعد ان کی توبہ کرنے کی نیت ہی نہیں ہوتی۔ ایسا گناہ بندے کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ گویا یہ محروم القسمت ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

یا کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو گناہ بھی کرتے ہیں اور پھر اس پر خوش بھی ہوتے ہیں کہ میں نے فلاں کو ایسے بے وقوف بنایا، میں نے فلاں کے ساتھ ایسے مکر کیا، میں نے فلاں سے یوں اپنا تعلق جوڑا، تو ایسا کرنا ایمان کے سلب ہونے کی وجہ بھی بن جاتا ہے۔

حسنِ نیت پر اخوانِ یوسف کو نبوت ملنا:

اور ایک یہ ہے کہ بندے کے اوپر نفس غالب ہو، شیطان غالب ہو، یا ماحول غالب آ جائے اور بندہ نفس سے مجبور ہو کر گناہ کر لے، مگر اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہا ہو، یہ پھر بھی نسبتاً ہلکی بات ہے ...... کیوں؟...... اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہی تو کیا تھا۔ وہ سمجھ تو رہے تھے کہ بات گڑبڑ ہے کہ بھائی کو قتل کرنا ٹھیک نہیں، مگر حسد بھی تھا اور کینہ بھی تھا، اور اسی وجہ سے انہوں نے فیصلہ تو کر لیا تھا کہ ﴿اُقْتُلُوْا﴾ ''اس کو قتل ہی کر ڈالو''۔ مگر ساتھ یہ بھی نیت تھی کہ ﴿وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صَالِحِيْنَ﴾ ''پھر اس کے بعد تم نیک بن جانا''۔ اس توبہ کی نیت کی برکت دیکھ لیجیے کہ بعد میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے اپنے گناہ کا اقرار کیا، معافی مانگی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو معاف کر

دیا۔ نہ صرف یہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائیوں کو بھی نبوت عطا فرما دی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا: ﴿اٰلِ یَعْقُوْبَ﴾ تو انہوں نے خواب کی تعبیر سمجھ لی تھی کہ میرے دوسرے بیٹوں کو انہوں نے ستاروں کی طرح دیکھا ہے اور ستارے منور (نور والے) ہوتے ہیں، ان میں ظلمت نہیں ہوتی اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کو بلند درجہ دے گا تو باقی بھائی بھی ستارے تو بنیں گے ہی سہی۔ اس لیے فرمایا کہ آل یعقوب پر اللہ اپنی نعمت مکمل کرے گا۔ چنانچہ کئی تفاسیر کے اندر یہ بات لکھی ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔

وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ

''اور اسے کسی اندھے کنویں میں پھینک دو''

بھائیوں کا حتمی فیصلہ:

جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا مشورہ کرلیا تو ان میں سے ایک بھائی کہنے لگا: بھئی! اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے تو اسے قتل نہ کرو، البتہ اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو۔ یعنی کسی گمنام کنویں میں۔ وہاں سے کسی قافلے کے مسافر اس کو اٹھا کر لے جائیں گے۔ اس طرح یہ تمہاری نگاہوں سے دور ہو جائے گا، تمہارا تو مطلب اس سے بھی پورا ہو جائے گا کہ پھر والد صاحب کے سامنے وہ نہیں ہوگا۔ بلکہ تم ہی ہوگے اور ساری محبتیں تم ہی انجوائے کروگے۔ چنانچہ بھائیوں نے اسی بات کو حتمی قرار دیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آگئے۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝١١
لَنٰصِحُوْنَ ۝١١ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝١٢
قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ
وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝١٣ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ
عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝١٤ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ
يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ
هٰذَا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١٥

[ان بھائیوں نے (اپنے والد سے) کہا: ''ابا! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ یوسف کے معاملے میں ہم پر اطمینان نہیں کرتے؟ حالانکہ اس میں کوئی شک نہ ہونا چاہیے کہ ہم اس کے پکے خیر خواہ ہیں، کل آپ اسے ہمارے ساتھ (تفریح کے لیے) بھیج دیجیے، تاکہ وہ کھائے پیئے اور کچھ کھیل کود لے۔ اور یقین رکھیے کہ ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے'' یعقوب نے کہا: ''تم اسے لے جاؤ گے تو مجھے (اس کی جدائی کا) غم ہوگا، اور مجھے اندیشہ بھی ہے کہ کسی وقت جب تم اس کی طرف سے غافل ہو تو کوئی بھیڑیا اسے کھا جائے'' وہ بولے ''ہم ایک مضبوط جتھے کی شکل میں ہیں، اگر پھر بھی بھیڑیا اسے کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی گئے گزرے ہوئے۔'' پھر ہوا یہ کہ جب وہ ان کو ساتھ لے گئے اور انہوں نے یہ طے کر ہی رکھا تھا کہ انہیں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیں گے، (چنانچہ ڈال بھی دیا) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ (ایک وقت آئے گا جب) تم ان سب کو جتلاؤ گے کہ

انہوں نے یہ کیا کام کیا تھا، اور اس وقت انہیں پتہ بھی نہ ہوگا (کہ تم کون ہو؟)]

وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ

''اور بے شک ہم اس کے پکے خیر خواہ ہیں''

فائدہ 15

ہر گمراہ کرنے والا، خیر خواہ کے روپ میں آتا ہے

یہ بات ذہن میں رکھیے گا کہ ہر گمراہ کرنے والا ہمیشہ خیر خواہ بن کے آتا ہے۔ کوئی عقیدے کا فساد پھیلائے یا عمل کا فساد پھیلائے، وہ بن کر ناصح ہی آئے گا۔

دیکھیں! شیطان حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا کے پاس ناصح ہی تو بن کے آیا تھا۔ اس نے دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں اور کہا:

﴿اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ﴾

''بے شک میں تم دونوں کا بڑا خیر خواہ ہوں''

اس نے خیر خواہی کے رنگ میں آ کے بدخواہی کی۔

آج کے دور میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ ایک نیک نوجوان کو جو دوست برے راستے پر لے جاتے ہیں، وہ اصل میں اس کے خیر خواہ بنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے اصل دوست تو ہم ہیں، تب دوسرا اس پر اعتماد کرتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو نیک بچیوں کو برائی کی طرف لے جاتے ہیں، وہ بھی شروع میں خیر خواہ بن کے آتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم تو نکاح کرنا چاہتے ہیں، ہم تمہیں اپنانا چاہتے ہیں

اور بچی کے لیے یہ ایسا ٹریپ ہوتا ہے کہ وہ اعتماد کر جاتی ہے اور پھر اس کے بعد وہ راستے سے بھٹک جاتی ہے۔

خیر خواہ اور بد خواہ کی پہچان:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیکی کی بات کرنے والا بھی خیر خواہ بن کے آتا ہے اور برائی کی بات کرنے والا بھی خیر خواہ کی شکل میں آتا ہے، اب پتہ کیسے چلے کہ ان میں سے حقیقی خیر خواہ کون ہے اور بد خواہی کرنے والا کون ہے؟

قرآن پاک نے فیصلہ دے دیا کہ تمہارے اصل خیر خواہ انبیا علیہم السلام تھے، جنہوں نے آ کر اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾

''میں خیر خواہ ہوں اور امین بھی ہوں''

اس سے پتہ چلا کہ جو خیر خواہ تو بنے، مگر ہو بد دیانت بھی ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گمراہ کرنے والا بندہ ہے۔

قرآن مجید کے ان دو الفاظ ﴿نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾'' سے بات نکھر کے سامنے آ گئی کہ جو خیر خواہی کا دعویٰ کرے تو یہ دیکھو کہ وہ کرنے کو کیا کہہ رہا ہے۔ اگر وہ راستے سے بھٹکا رہا ہے، نشہ آور چیزوں پہ لگا رہا ہے، تعلیم سے ہٹا کر برے کاموں میں لگا رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ خائن ہے، امین نہیں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بھی کہا:

﴿وَاِنَّا لَهٗ لَنَاصِحُوْنَ﴾

حالانکہ ان کے دلوں میں خیانت تھی اور زبان پر بظاہر نصیحت تھی۔

یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ

''تا کہ وہ کھائے اور کچھ کھیل کود لے''

فائدہ 16

کھیل کود کی شرعی حیثیت

کھیلنے کے بارے میں شریعت نے حدود متعین کی ہیں ...... چونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ذہنوں میں کلیئر نہیں ہوتا، اس لیے اس کی وضاحت کرنا ضروری ہے ......بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین اسلام میں کھیل کود کرنا ہے ہی نہیں، اور بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر چیز ہی جائز ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔شریعت نے جائز چیز کو جائز اور ناجائز کو ناجائز کہا ہے۔

کھیل کود جائز ہونے کی شرائط

کھیل کود کے جائز ہونے کی پانچ شرائط ہیں۔

1 ......ستر کھلا ہوا نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہر وہ کھیل کود جس کے اندر انسان کا ستر ننگا ہوتا ہو، وہ حرام ہے۔ مثلاً فٹ بال کھیل رہے ہیں اور کچھا پہنا ہوا ہے اور آدھی رانیں ننگی ہیں، تو یہ حرام ہے۔ اسی طرح سومنگ (تیراکی) کر رہے ہیں اور ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں کہ ستر ہی ننگا ہو رہا ہے، تو یہ بھی حرام ہے۔

2 ......وہ مخلوط کھیل نہیں ہونا چاہیے۔ اب یہ نہیں ہے کہ اگر سومنگ ہو رہی ہے تو اس میں مرد بھی حصہ لے رہے ہوں اور عورتیں بھی۔ اگر مخلوط کھیل ہوگا تو وہ ناجائز ہوگا۔

3 ......کھیل میں موسیقی کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ اگر موسیقی کا استعمال ہوگا تو وہ

کھیل بھی حرام ہوگا۔

❹ ...... ناچنا کودنا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کھیل میں ناچنا کودنا شامل ہوگا تو بھی وہ حرام ہوگا۔

❺ ...... اگر کھیل میں فقط کفار کی نقالی ہوگی تو ((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم)) کے مصداق وہ بھی حرام ہوگا۔

یہ ایسے پانچ اصول ہیں کہ جن کی بنیاد پر پرکھ کر یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ فلاں کھیل جائز ہے یا فلاں کھیل ناجائز ہے۔

کھیل کود کے زرّیں اصول:

اب چند اصول سمجھ لیجیے۔

{۱} ...... اگر تو کسی کھیل میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا، تو شریعت نے اس کو لھو کہہ کر منع فرما دیا، کہ یہ جائز نہیں ہے۔

{۲} ...... اگر دین اور دنیا کا فائدہ تو ہو مگر اس کی وجہ سے اعمال میں غفلت ہو جاتی ہو ، تو یہ بھی ناجائز ہو جائے گا۔ مثلاً: کرکٹ کا میچ دیکھنے کے لیے بیٹھے ہیں اور اس کی وجہ سے نماز قضا ہوگئی۔ اگر چہ کھیل تو جائز دیکھ رہے تھے مگر اعمال میں غفلت ہو جانے کی وجہ سے ایسا کھیل دیکھنا ناجائز ہو جائے گا۔

{۳} ...... اگر دین اور دنیا کا فائدہ تو ہو مگر شریعت کے احکام کے خلاف ہو تو پھر بھی ناجائز ہے۔

ہم ہر کھیل کو ان اصولوں کے مطابق جانچیں گے اور دیکھیں گے کہ کون سا کھیل جائز ہے اور کون سا کھیل ناجائز ہے۔ قیامت تک نئے کھیل آتے رہیں گے۔ دین اسلام کا حسن دیکھیے کہ ہم دین اسلام کے اصولوں کے مطابق ان کھیلوں کو ناپ تول

کریں گے، اگر ان اصولوں پر پورا اتریں گے تو جائز اور اگر پورے نہیں اتریں گے تو ناجائز ہوں گے۔مثال کے طور پر: اگر پورے کپڑوں کے ساتھ فٹ بال کھیلتے ہیں تو یہ جائز ہے، مگر

......نماز قضا نہ ہو۔

......مخلوط مجمع نہ ہو۔

......موسیقی نہ ہو ۔

......ناچ نہ ہو۔

یہ سب چیزیں نہ ہوں، فقط فٹ بال کا میچ کھیل رہے ہوں تو وہ جائز ہے۔اسی طرح

......ہاکی کھیلنا جائز ہے۔

......والی بال کھیلنا جائز ہے۔

......ٹینس کھیلنا جائز ہے۔

......بیڈمنٹن کھیلنا جائز ہے۔

......باسکٹ بال کھیلنا جائز ہے۔

......کشتی کھیلنا جائز ہے۔

......کبڈی کھیلنا جائز ہے۔

......تیراکی (سومنگ) جائز ہے۔

......دوڑ کا مقابلہ کرنا جائز ہے۔

......تیراندازی کرنا جائز ہے۔

......گھڑسواری کا مقابلہ کرنا جائز ہے۔

......نیزہ بازی کا مقابلہ کرنا جائز ہے۔

یہ سب امور جائز ہیں مگر اصول اپنی جگہ رہیں گے کہ ان کھیلوں کے دوران نہ تو احکامِ شریعت ٹوٹنے چاہئیں اور نہ ہی احکامِ شریعت چھوٹنے چاہئیں۔

شطرنج ایک کھیل تھا، اس میں لوگ اتنا مصروف ہو جاتے تھے کہ ان کو نمازوں کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ چنانچہ حنفیہ نے تو اس کو مکروہ کہا، مگر مالکیہ نے اسے اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا کہ نماز قضا نہ ہو۔

اس شطرنج پر آج کی کمپیوٹر گیمز کو قیاس کریں گے۔ کمپیوٹر گیمز میں ورزش تو ہے نہیں، جس سے جسم کا فائدہ ہوتا۔ ہاں ایہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ذہنی گیم ہے اور اس سے ذہنی ورزش ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی شطرنج کی طرح ہی کی ایک گیم ہے۔ یہ بھی اس وقت تک جائز ہے جب تک احکامِ شریعت چھوٹتے بھی نہیں اور حکام شریعت ٹوٹتے بھی نہیں۔ اگر احکام شریعت چھوٹ جائیں گے یا ٹوٹ جائیں گے تو یہ کمپیوٹر گیمز بھی ناجائز ہو جائیں گی۔

اسی طرح ایسی گیمز جن میں عورتوں کے ننگے جسم ہوں تو بھی وہ ناجائز ہو جائیں گی۔ یعنی ہر وہ چیز جس کو شریعت نے گناہ کہا ہو، وہ گیمز میں نہیں ہونی چاہیے۔

صحتِ افزا تفریح کی حوصلہ افزائی:

دینِ اسلام نے ورزش والے اور جسم کو نفع پہنچانے والے تمام کھیل کھیلنے کی اجازت دی ہے۔ اور ایسے کھیل ہی فائدہ دیتے ہیں۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ مدارس کے اندر طلبا سارا دن پڑھتے ہیں اور عصر کے بعد اساتذہ کی نگرانی میں اور ان کی ہمراہی میں وہ اپنے کھیل بھی کھیلتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔ اس سے جسم کی ورزش ہو جاتی ہے۔ بھئی! ہم نے اپنی قوم کو لنگڑا لولا تو نہیں بنانا، عضوِ معطل تو نہیں بنانا کہ ان

کو یہ کہیں کہ تم نے ایک قدم بھی نہیں بھاگنا۔ یہ کام کرنے چاہئیں تاکہ اچھی صحت حاصل ہوسکے۔ مگر ان کاموں کے کرنے میں شریعت کے احکام مقدم ہوں گے۔ یاد رکھیں! اچھی صحت کی وجہ سے دماغ بھی اچھا کام کرتا ہے۔ انگریزی کا مقولہ ہے:

A sound mind is in a sound body.

''ایک صحت مند دماغ، صحت مند جسم میں ہوتا ہے''

اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ

''تم اسے لے جاؤ گے تو مجھے غم ہوگا''

غم پہنچنے سے قبل اندیشۂ غم:

جب بھائیوں نے کہا: ہمارے ساتھ یوسف کو بھیجیں، ہم کھیلیں گے، کھائیں پئیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام ان کی نیت کو پہچان گئے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فراست مومنانہ عطا کی ہوئی تھی۔ چنانچہ فرمایا: اگر تم اسے لے جاؤ گے تو مجھے اس کی جدائی کا غم ہوگا اور مجھے یہ اندیشہ بھی ہے کہ کسی وقت جب تم اس کی طرف سے غافل ہو تو کوئی بھیڑیا اسے کھا جائے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بڑوں کے ساتھ چھوٹے جاتے ہیں تو بڑے تھوڑی دیر کے لیے تو ان کا خیال رکھتے ہیں اور پھر اپنے کھانے پینے، بھاگنے دوڑنے کی وجہ سے چھوٹوں کی طرف دھیان نہیں رہتا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اس بات کو پہلے ہی سمجھ گئے کہ یہ اپنے بھائی سے غافل ہوسکتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہوسکتا ہے کہ کوئی بھیڑیا اس کو کھا جائے۔ اس لیے فرمایا:

﴿ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ ﴾ ''مجھے غم ہوگا''

اگر محبوب کو غم پہنچے تو بھی غم ہوتا ہے، اور گر غم پہنچنے کی توقع ہو تو بھی دل مغموم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ ماں پریشان ہو کر کہتی ہے: جی! میرا بچہ کھا پی نہیں رہا، کہیں یہ بیمار نہ ہو جائے۔ ابھی بیماری شروع نہیں ہوئی ہوتی اور وہ پہلے ہی پریشان ہو جاتی ہے۔ یہ حزن کہلاتا ہے۔

فائدہ 17

ایک غلط استدلال کی وضاحت

یہاں پر ایک نکتے کی بات سن لیجیے۔...... جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غارِ ثور میں گئے تو اس وقت ان کے دل میں ایک غم تھا کہ کہیں کفار پکڑ نہ لیں اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ ان کے اس غم کی کیفیت کو دیکھ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا:

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ "تو ڈر نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے"

اہلِ تشیع حضرات اس آیت کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ معاذ اللہ بزدل تھے، چھوٹے دل والے تھے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت بہادر تھے۔ وہ اس حزن کے لفظ سے "بزدلی والا" مطلب نکالتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات کا غلط مطلب نکالنے والی بات ہے۔ کیونکہ محبوب کی جدائی ہو، یا محبوب سے بُعد ہو، یا محبوب کو تکلیف پہنچے، تو غم کا ملنا، یہ فطری چیز ہے۔

ہم اس سلسلے میں چند احادیث مبارکہ پیش کرتے ہیں۔

⊙...... خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جو اُن کے نزدیک شاید نبوت سے بھی بلند درجہ رکھنے والی خاتون ہیں، ان کو بھی حزن ہوا...... وہ کیسے؟...... وہ اس طرح کہ جب

اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پر اس صدمے کا شدید اثر ہوا۔ حدیث پاک میں ہے:

كَانَتْ اَشَدَّ النَّاسِ تَوَجُّعًا لِوَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، حَيْثُ حَزِنَتْ لِفِرَاقِ وَالِدِهَا صلى الله عليه وسلم حُزْنًا شَدِيْدًا وَ اَخَذَتْ تَذْبُلُ رِضْوَانَ اللّٰهِ عَلَيْهَا مِنْ جَرَاءِ ذَالِكَ يَوْمًا بَعْدَ يَوْمٍ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ بَعْدَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ دردمند اور پرغم تھیں، اس لیے کہ والد گرامی کی وفات پر ان کو حزن ہوا، اور یہ حزن بھی بڑا شدید تھا۔ اور وہ (اس غم میں) پگھلنے لگ گئیں۔ وہ ہر دن اس غم کے اندر پگھل رہی تھیں۔ حتیٰ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے چھ مہینے بعد وہ اس دنیا سے پردہ فرما گئیں''

اب یہاں بھی تو ''حزن'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تو کیا حزن کا ترجمہ یہاں بھی بزدلی کریں گے؟

⊙ ......ایک روایت اور بھی سنیے! حدیث پاک میں ہے:

لَمَّا تُوُفِّیَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم حَزِنَتْ عَلَيْهِ وَ بَكَتْهُ وَ قَالَتْ يَا اَبَتَاهُ! اِلٰى جِبْرَئِيْلَ نَنْعَاهُ! يَا اَبَتَاهُ! اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ! يَا اَبَتَاه! جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ! وَ قَالَتْ بَعْدَ دَفْنِهٖ: يَا اَنَسُ! كَيْفَ طَابَتْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوا التُّرَابَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

''جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہوئی تو سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بہت غم زدہ ہوئیں، اور روئیں اور کہنے لگیں: يَا اَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ نَنْعَاهُ يَا اَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا

دَعَاهُ يَا اَبَتَاهُ! جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ اور جب نبی علیہ السلام کو دفن کر دیا گیا تو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے انس! تمہارے دلوں نے یہ کیسے گورا کرلیا کہ تم اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر مٹی ڈالو!''

یہ محبوب سے جدائی کا ایک فطری غم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ محبوب پر کسی پریشانی کے آنے کا بھی غم ہوتا ہے۔

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حزن کا لفظ:

یہی لفظ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بھی استعمال ہوا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرماتے ہیں: اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر چہ ان کافروں نے آپ کے ساتھ مکر کیا، اس پر صبر کیجیے، آپ غم زدہ نہ ہو جانا۔

⊙...... جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دفن فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی رو رہے ہیں؟ فرمایا:

((اَلْقَلْبُ يَحْزَنُ وَ الْعَيْنُ تَدْمَعُ وَ اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ))

''دل مغموم ہے اور آنکھ رو رہی ہے، اے ابراہیم! تیرے فراق میں ہم بڑے غم زدہ ہیں''

یہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا غمزدہ ہونا، کس بات کی علامت تھی؟ اس سے کوئی معاذ اللہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کے اندر جوانمردی نہیں تھی، یا بہادری نہیں تھی، یا جرأت نہیں تھی؟ یہ غم کا آجانا ایک فطری چیز ہوتی ہے۔

⊙......ایک صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اونچا ذکر کرتے تھے۔ جب وہ قرآن پڑھتے تھے تو دوسرے صحابہ حیران ہوتے تھے۔ ان کی وفات ہوگئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں خود اپنے مبارک ہاتھوں سے دفن کیا اور دعا مانگی:

((اَوْسَعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))

یہ دعا سن کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَقَدْ حَزِنْتَ عَلَيْهِ ؟

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ ان کی وفات پر بہت زیادہ غم زدہ ہوئے؟''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَجَلْ اِنَّهٗ كَانَ يُحِبُّ اللّٰهُ وَ رَسُوْلَهٗ))

''ہاں یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا تھا (اس کو دفن کرتے ہوئے مجھے بہت صدمہ ہوا ہے)''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ﴿لَيَحْزُنُنِيْ﴾ کا لفظ استعمال فرمایا...... یہ بہادر لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے...... یہی لفظ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بھی استعمال ہوا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ یہ تسلی دینے کے لیے تھا۔

فراق کا غم:

یہ فراق بڑی عجیب چیز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی عاشق کو فراق میں مبتلا نہ کرے۔ ویسے دل تو چاہتا ہے کہ کبھی یہ فراق مل جائے تو ہم اسے فراق کا مزہ چکھا دیں ......موت کی گھڑی کا غم تو تھوڑی دیر کا ہوتا ہے اور فراق کا غم تو عاشق کے لیے ہمیشہ کا ہوا کرتا ہے۔

وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ

''مجھے اندیشہ ہے کہ اس کو کہیں بھیڑیا نہ کھالے''

حضرت یعقوب علیہ السلام کی فراست:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ اپنی فراست کی وجہ سے پہچان لیا تھا۔
یہ فراست مومن کو تقویٰ کی وجہ سے عطا ہوتی ہے۔اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))

''مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''

صاحبِ فراست ہستیاں

کتابوں میں لکھا ہے کہ تین لوگوں کی فراست بڑی عجیب تھی۔

① ......عزیز مصر کی فراست، کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ یہ بڑی صفات والا بچہ ہے۔اس لیے اس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اسے اچھے انداز سے رکھنا، ہمیں اس سے فائدہ ہوگا۔

② ......فرعون کی بیوی کی فراست، کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر پہچان لیا تھا۔اس نے کہا تھا:

﴿عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾

③ ......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فراست، کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا تھا کہ اگر میں اپنے بعد ان کو خلیفہ بناؤں گا تو یہ اسلام کے مضبوط ہونے میں مدد دیں گے۔

واقعی ان تینوں کی فراست بڑی عجیب تھی۔مگر اس کے ساتھ دو اور ہستیوں کی فراست بھی عجیب ہے۔اس طرح تین اور دو پانچ ہستیاں بن جائیں گی۔

① ......حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کی فراست، کہ جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو والد کو جا کر رپورٹ دی:

﴿اِنَّهٗ قَوِیٌّ اَمِیْنٌ﴾

''بے شک وہ (نوجوان) بڑا قوی اور بڑا امانت دار ہے''

اس نے پہچان لیا تھا کہ اس نوجوان کے اندر کتنی پاکدامنی ہے، کتنا یہ قوی ہے، اور کتنا یہ اپنے فرائض کا احساس کرنے والا ہے، اور کتنا یہ دوسرے کی تکلیف کو بانٹنے والا ہے۔اس نے جا کر اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کو بتایا اور اللہ تعالیٰ نے اسی بچی کے ساتھ ان کا نکاح کروا دیا۔

② ......ایک اور ہستی بھی تھی...... کتابوں میں لکھا ہے یا نہیں،......اس کی فراست پہ بھی قربان جائیں......وہ کون تھیں؟......وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔ان کی فراست نے محمد بن عبداللہ کو پہچان لیا تھا کہ یہ آنے والے وقت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن جائیں گے۔اس لیے انہوں نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست کا واقعہ سن لیجیے۔ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی: امیر المؤمنین! میرا خاوند ساری رات تہجد پڑھتا ہے اور سارا دن روزہ رکھتا ہے۔یہ کہنے کے بعد وہ چلی گئی۔اب لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ آئی ہے اور اپنے خاوند کی تعریف کر کے چلی گئی ہے۔امیر المؤمنین نے پہچان لیا اور فرمایا: نہیں! یہ شکوہ

کر کے گئی ہے۔ کسی نے پوچھا: وہ کیسے؟ فرمایا: اس لیے کہ اگر وہ ساری رات تہجد پڑھے گا اور سارا دن روزہ رکھے گا تو گھر والوں کے لیے وقت کب نکالے گا۔

چنانچہ انہوں نے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت کے قاضی تھے، فرمایا کہ اس کا فیصلہ کرو۔ انہوں نے اس کے خاوند کو بلایا اور فرمایا: بھئی! آپ تو بڑے عبادت گزار ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں، کوشش کرتا ہوں۔ اس پر قاضی صاحب نے فرمایا: تین دن تک رات کو تہجد پڑھیں اور دن میں روزہ رکھیں، مگر چوتھے دن ان کاموں سے چھٹی کریں اور گھر والوں کے ساتھ ٹائم گزاریں۔

جب انہوں نے فیصلہ کر لیا تو لوگ ان کے فیصلے پر بھی حیران ہوئے اور پوچھا: جی! آپ نے یہ کہاں سے نکتہ نکالا؟ انہوں نے کہا: دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ اگر کسی آدمی کی چار شادیاں ہوں تو ہر بیوی کی باری ہر چوتھے دن آئے گی۔ اس لیے میں نے کہا کہ تم تین دن تو اپنی مرضی سے گزار سکتے ہو، لیکن چوتھا دن تمہیں اپنے اہلِ خانہ کو دینا پڑے گا۔

اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ یہ فراستِ مومنانہ انسان کو تقویٰ کی بنیاد پر عطا فرماتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فراست:

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مقدمہ آیا۔ وہ مقدمہ بڑا عجیب تھا۔ ایک نوجوان لڑکا اور ایک عورت ان کے سامنے پیش ہوئے۔ لڑکا اس عورت کے بارے میں کہتا تھا ''یہ میری ماں ہے'' اور عورت کہتی تھی: ''یہ میرا بیٹا نہیں ہے''

اب سب پریشان تھے کہ عورت کہتی ہے کہ میرا بیٹا نہیں ہے اور لڑکا کہتا ہے کہ یہ میری ماں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عورت سے بار بار پوچھا، مگر وہ نہ مانی اور بیٹا

ہونے سے مسلسل انکار کرتی رہی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عورت سے پوچھا: تیرا خاوند ہے؟اس نے کہا: نہیں، میرا خاوند اس وقت نہیں ہے۔انہوں نے فرمایا: اچھا میں اس لڑکے سے تیرا نکاح کرتا ہوں۔ جب انہوں نے کہا کہ میں تیرا اس لڑکے سے نکاح کرتا ہوں تو وہ کہنے لگی: ''نہیں نہیں'' یہ میرا بیٹا ہے۔

دراصل وہ پہچان گئے تھے۔لہٰذا پھر ایسی بات کی کہ اس وقت حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تو انکار کیوں کرتی تھی؟اس نے جواب دیا: جی! میرے بھائی نے میرا نکاح ایک حبشی سے کر دیا تھا اور میں سفر میں اس حبشی کے ساتھ کچھ عرصہ رہی اور پھر وہ فوت ہو گیا۔اس کے بعد میرا بیٹا ہوا۔پھر میں اپنے گھر واپس لوٹ آئی اور میں نے وہ بیٹا کسی عورت کو دے دیا تھا۔اب جب یہ بڑا ہوا تو یہ تلاش کرتے کرتے میرے تک پہنچا ہے، مجھے اس بات سے عار محسوس ہوتی تھی کہ ایک کالا حبشی بچہ اپنی نسبت میرے ساتھ کرے، جبکہ میرے زیادہ رشتے داروں کو اس کا پتہ ہی نہیں۔اس لیے میں نے اسے بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔

قاضی ایاس رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

قاضی ایاس رحمۃ اللہ علیہ مشہور قاضی گزرے ہیں۔ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فراست دی تھی۔ان کے پاس ایک مقدمہ آیا۔ایک بندے نے دوسرے کو پیسے دینے تھے۔ دینے والے نے دے بھی دیے اور لینے والے نے لے بھی لیے، اور ساتھ مقدمہ بھی کر دیا کہ اس نے ابھی میرے پیسے دینے ہیں۔چنانچہ اس نے مقدمہ کیا کہ اس نے میرے پیسے دینے تھے اور ابھی تک دیے نہیں۔اور دینے والا کہتا ہے کہ میں اس کو دے چکا ہوں۔قاضی صاحب نے پوچھا: تمہارا کوئی گواہ بھی ہے؟ اس نے کہا: جی!

گواہ تو کوئی نہیں ہے، اس نے اکیلے میں مانگے تھے اور میں نے اس کو دے دیے۔ ......ایسی صورت میں قاضی کے لیے کتنا مشکل ہوتا ہے کہ جب کوئی گواہ بھی نہ ہو۔ وہ حقیقت کو کیسے پہچانے؟ یہاں فراست کام آتی ہے...... قاضی ایاس رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: تم نے اس کو کہاں پیسے دیے تھے؟ دینے والے نے کہا: جی! فلاں درخت کے نیچے دیے تھے۔ قاضی صاحب نے اس کو سمجھایا کہ ہوسکتا ہے کہ تم دینے کا ارادہ رکھتے ہو، لیکن تمہارے وہ پیسے زمین پر پڑے رہ گئے ہوں، یا کہیں گر گئے ہوں، ذرا جا کر اس درخت کے نیچے دیکھو کہ کہیں پڑے ہی نہ ہوں۔ چنانچہ انہوں نے پیسے دینے والے کو اس درخت کی طرف بھیج دیا اور خود جان بوجھ کر کسی اور کام میں مشغول ہو گئے۔

اس مشغولی کے دوران تھوڑی دیر کے بعد اچانک وہ لینے والے شخص سے پوچھتے ہیں کیا وہ اس درخت کے نیچے پہنچ گیا ہوگا؟ اس نے کہا نہیں۔ اس پر قاضی صاحب کہنے لگے: اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے پیسے لے لیے ہیں۔ کیونکہ تجھے اس درخت کا پتہ ہے کہ وہ درخت کون سا تھا۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی فراستِ مومنانہ عطا کی تھی۔ ایک مرتبہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور اس نے ایک سیب بھیجا جو ہلکے سرخ رنگ کا تھا۔ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ مجلس میں تھے اور وہاں سے اٹھ نہیں سکتے تھے، اس لیے انہوں نے سیب کو کاٹا اور اس عورت کو واپس بھیج دیا۔

ان کے شاگرد سارا دن سوچتے رہے کہ عورت نے سیب کیوں بھجوایا اور امام صاحب نے کاٹ کر واپس کیوں بھجوایا۔ بالآخر انہوں نے امام صاحب سے پوچھا: حضرت! اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: وہ عورت مجھ سے حیض کا مسئلہ پوچھنے

آئی تھی، اس وقت مجلس لگی ہوئی تھی اس لیے وہ شرم کی وجہ سے پوچھ نہ سکی، چنانچہ اس نے مجھے سیب بھجوایا۔ اس سیب کا رنگ ہلکا سرخ تھا، جیسے ہلکا سا دھبہ ہوتا ہے۔ وہ مجھ سے پوچھنا چاہتی تھی: کیا عورت اس وقت پاک ہوسکتی ہے جب صرف دھبے تک کی نوبت آجائے۔ تو میں نے اس کے جواب میں سیب کو کاٹ کے بھیجا کہ نہیں، جب تک سیب کے اندر کی سفیدی کی طرح سفیدی نہیں ہوجاتی، اس وقت تک پاک نہیں ہوسکتی۔ فراست دیکھیے کہ اس کو ایسا جواب دیا کہ کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چل سکا۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

ہمارے مشائخ کے اندر بھی یہی فراست مومنانہ تھی۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک نوجوان آیا۔ عمامہ باندھا ہوا ہے، جبہ پہنا ہوا ہے، لمبی داڑھی ہے، اور آکے کہتا ہے: حضرت! میں آپ سے ایک حدیث مبارکہ پوچھنے آیا ہوں۔ حضرت نے پوچھا: کون سی حدیث مبارکہ؟ اس نے کہا: حضرت! آپ اس حدیث مبارکہ کا مطلب سمجھا دیجیے:

((اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))

''مؤمن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی اور فرمایا:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ اے نصرانی کے بیٹے! کلمہ پڑھو اور مسلمان ہوجاؤ''

یہ سن کر وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا: حضرت! آپ نے سچ کہا۔ میں عیسائی ہوں اور عیسائیوں نے مجھے مسلمانوں والے کپڑے پہنا کر بھیجا تھا کہ میں آپ سے اس حدیث کا مطلب پوچھوں اور جب آپ کہیں گے کہ یہ مطلب ہے تو میں کہوں گا کہ آپ کے اندر تو فراست کی رتی ہی نہیں، آپ تو مجھے پہچان ہی نہیں سکے کہ میں مسلمان

ہوں یا کافر۔

اللہ رب العزت نے ان کو ایسی فراست دی کہ جس کی وجہ سے انہوں نے پہچان لیا کہ اس کے دل میں ایمان کا نور نظر نہیں آ رہا۔

خواجہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

حضرت خواجہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ عالیہ کے بزرگ ہیں۔ وہ ایک مرتبہ بخارا آئے۔ وہاں پر ایک جگہ تھی، اس کا نام ''قصر ہندوواں'' تھا۔ وہاں ان کے ایک مرید رہتے تھے۔ جب حضرت اس کے گھر پہنچے تو وہ مرید اپنے چھوٹے سے بچے کو لے کر حضرت کے پاس آئے اور آ کر حضرت بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں ڈال دیا اور عرض کیا: حضرت! اس کے لیے دعا فرما دیں۔ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے دعا بھی کی اور ساتھ ہی بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ حضرت امیر کلاں رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے ان کو فرمایا:

> ''دیکھو! مجھے اس بچے کے ماتھے پر سعادت کا نور نظر آتا ہے، اگر میں زندہ رہا تو اس کی تربیت میں کروں گا اور اگر میری وفات ہو گئی تو پھر اس کی تربیت تم کرنا، مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس بچے کی وجہ سے اس جگہ کا نام ''قصرِ ہندوواں'' کے بجائے ''قصرِ عارفاں'' بن جائے گا''۔

ایسا ہی ہوا کہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی اور سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نے اس بچے کی تربیت کی۔ وہ بچہ کون تھا؟ وہ بچہ بڑا ہو کر حضرت بہاؤالدین نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ بنا۔ وہ جس جگہ مدفون ہیں، اس جگہ کا نام آج بھی ''قصرِ عارفاں'' ہے۔

وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ

''تم اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ''

فائدہ 18

غفلت جھگڑے کا سبب بنتی ہے

یہاں ایک نکتہ سمجھیں کہ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ کہیں تم ظالم نہ بن جاؤ، بلکہ غفلت کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس لیے کہ غفلت سے جو گناہ کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے انسان غافل ہی کہلاتا ہے، ظالم نہیں کہلاتا۔ لیکن یاد رکھیں! غفلت ہمیشہ جھگڑے ندامت اور عذاب کا سبب بنتی ہے۔

اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ﴾

گھریلو زندگی میں غفلت کا نقصان:

ایک اور نکتہ سمجھیں کہ جہاں محبّ اور محبوب کا تعلق ہو، وہاں غفلت قابل قبول نہیں ہوتی۔ آپ دیکھیں کہ میاں بیوی کے جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ بیوی کہتی ہے: ان کے پاس ہمارے لیے فرصت ہی نہیں، ہم تو ان کو یاد ہی نہیں ہوتے۔ اور کبھی خاوند، بیوی کا شکوہ کرتا ہے: کاموں میں لگی رہتی ہے، ہمارے لیے وقت ہی نہیں ہوتا۔ یہ آپس کے شکوے کیوں ہوتے ہیں؟ یہ غفلت کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں۔

دراصل بے پروائی کو عربی زبان میں غفلت کہتے ہیں اور یہی ایک دوسرے کے ساتھ شکوے کا سبب بنتی ہے۔ اور اکثر سننے میں آتا ہے کہ جی! وہ تو ہماری پرواہی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ بھی یہی چاہتے ہیں: میرے بندے! تم مجھ سے بے پروانہ بن جانا۔ اور ''بے پروانہ بن جانا'' کا عربی میں یہی ترجمہ ہے:

﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ﴾

والدین کو اولاد سے کیا شکوہ ہوتا ہے؟ یہی کہ جب سے شادی کی ہے، ہمیں تو شکل ہی نہیں دکھاتا۔

اگر بیوی کوئی کام کہے کہ گھر کے لیے یہ چاہیے اور بچے کے لیے یہ چاہیے، اور پھر جب دوبارہ پوچھے تو وہ آگے سے جواب دے: میں تو بھول گیا، تو اس وقت جھگڑا ہو جائے گا۔ اسی بھول کا نام ہی تو غفلت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غفلت، نہ تو مخلوق پسند کرتی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم کسی حال میں بھی اللہ سے غافل نہ ہوں۔

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

''تم ان سب کو جتلاؤ گے''

اشارۂ خداوندی:

جب بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا: آپ یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیج دیں، اگر ہماری موجودگی میں بھیڑیا ہمارے بھائی کو کھا لے گا تو پھر ہم تو واقعی گئے گزرے ہو جائیں گے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ چنانچہ جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے گئے تو وہ اپنے پروگرام کے مطابق ان کو کسی گمنام کنویں میں ڈالنے پر متفق ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اشارہ کیا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب تو اپنے بھائیوں کی یہ حرکت ان کو جتائے گا اور اس وقت وہ تمہیں پہچانیں گے بھی نہیں۔

فائدہ 19

غم ملنے سے پہلے تسلی بھرے الفاظ

یہاں ایک نکتے کی بات ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈالنا تھا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو صدمہ پہنچنا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ اشارہ فرما دیا...... جو اللہ کے پیارے ہوتے ہیں، اللہ سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو غم ملنے سے پہلے ہی ان کے دل کو ڈھارس بندھا دیتے ہیں، تاکہ وہ اس غم کے ملنے پر تسلی سے رہیں۔...... مثال کے طور پر:

⊙ ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے بیٹے کو دریا میں ڈالنا تھا، مگر ڈالنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلا دیا:

﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى﴾

''اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا''

کیا الہام فرمایا؟...... کہ اس کو دودھ پلایئے۔ اور اگر تمہیں کوئی خوف ہو تو اس کو پانی میں ڈال دیجیے، اس کے بعد اس کو وہ پکڑے گا جو اس کا بھی دشمن ہوگا اور میرا بھی دشمن ہوگا۔ لیکن یاد رکھنا!

﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾

''ہم اسے لوٹائیں گے تیرے پاس اور ہم نے تو اسے رسولوں میں سے بنانا ہے''

دیکھیں! ایک طرف تو غم کی بات کہی، لیکن دوسری طرف غم ملنے سے پہلے اللہ

تعالیٰ نے ان کے دل کو تسلی دے دی۔ ایمان والوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔

⊙ ...... اصحابِ کہف کے ساتھ کیا ہوا؟...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں کہا:

﴿فَأْوُوْا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْلَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا﴾

''پس تم ٹھکانہ پکڑو غار میں، اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت برسائے گا، اور عطا کرے گا تمہیں تمہارے کام میں نرمی''

دیکھیں! غار میں جانے سے پہلے ان کو تسلی دے دی۔ ایمان والوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔

⊙ ...... بدر میں ایمان والوں کے لیے بہت مشکل وقت آنا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے چلنے سے پہلے کیا فرمادیا؟ ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ﴾

''اور جب اللہ نے وعدہ کیا تم سے دو جماعتوں میں سے ایک کا، بے شک وہ تمہارے لیے ہے''

یہ دو جماعتیں کون سی ہیں؟...... یعنی یا تو تمہیں قافلہ ملے گا یا فتح کے ساتھ مال غنیمت ملے گا...... گویا دو میں سے ایک تمہارے لیے ہے۔ دیکھیں! چلنے سے پہلے ہی بتادیا۔ اور پھر وہاں کتنا سخت معاملہ تھا؟

فرمایا:

﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾

صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: ہمیں لگتا تھا کہ ہمیں موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

⊙......آج بھی دین کا کام کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ ہوتا ہے۔ ظاہراً ان کے حالات مخالفت کے ہوتے ہیں، مشکل کے ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو تسلی دے دیتا ہے۔ان کو **Light at end of the tunnel** نظر آ رہی ہوتی ہے۔

⊙......امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کوڑے لگنے تھے۔اس سے پہلے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احمد بن حنبل پہ امتحان آئے گا اور یہ اس میں کامیاب ہو جائیں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بندے ''بشیر'' کو بھیجا کہ جا کر ان کو خوشخبری سنا آؤ۔ اس پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے اس خوشخبری لانے والے شخص کو اپنے کپڑے ہدیے میں دے دیے۔

دیکھیں! ابھی مصیبت آئی نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے خواب کے ذریعے ان کے دل کو تسلی عطا فرما دی۔ یہ اللہ رب العزت کا اپنے پیاروں کے ساتھ خصوصی معاملہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی تسلی دے دی: تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں کہ مجھے کنویں میں ڈالا تو جا رہا ہے لیکن ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس میں سے نکالیں گے اور اس ذلت سے نکال کر اللہ تعالیٰ مجھے عزتیں عطا فرما دیں گے۔

وَ جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿16﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿17﴾ وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿18﴾

[اور رات کو وہ سب اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچ گئے۔ کہنے لگے: ''ابا جی! یقین جانیے، ہم دوڑنے کا مقابلہ کرنے چلے گئے تھے، اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا، اتنے میں ایک بھیڑیا اسے کھا گیا۔ اور آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے، چاہے ہم کتنے ہی سچے ہوں'' اور وہ یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا کر لے آئے۔ ان کے والد نے کہا: ''(حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنا لی ہے۔ اب تو میرے لیے صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو باتیں تم بنا رہے ہو، ان پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے]

يَبْكُوْنَ

''روتے ہوئے''

جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا تو پھر وہ رات کو روتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔

فائدہ 20

جس کا مقدمہ کمزور ہو اسی کی آواز بلند ہوتی ہے

وہ جو رو رہے تھے، وہ اس سے اپنے مقدمے کو مضبوط کر رہے تھے۔ ان کے دل میں تو چوری تھی کہ ہم نے گڑبڑ کی ہوئی ہے۔

ایک دستور یاد رکھیں! جس کا مقدمہ کمزور ہوگا اسی کی آواز بلند ہوگی۔ یہ مقدمہ کمزور ہونے کی پہچان ہے۔ اور جس کے پاس کوئی ٹھوس دلیل ہوگی اور وہ سچ پر ہوگا، وہ تحمل کے ساتھ بات کرے گا۔

وہ رونے کو بہانہ بنا کے آئے۔ ان کا یہ رونا، سچ کا رونا نہیں تھا۔ ایسے آنسوؤں کو Crocodile tears (مگرمچھ کے آنسو) کہتے ہیں۔ مرد بھی اس میں بہت تجربہ کار ہوتے ہیں، مگر عورتیں اس میں سبقت لے جاتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی ہر بات منوانے کے لیے آنسو کا ہتھیار استعمال کرتی ہیں۔

یاد رکھیں! پوری دنیا میں آنسو کے قطرے سے بڑا ہتھیار کوئی نہیں ہے۔ یہ بڑے بڑوں کے دلوں کو پگھلا کے رکھ دیتا ہے

سچ کے آنسوؤں کی قدر:

اور اگر صحیح سچ کا آنسو ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس کی بڑی قدر ہے۔ یہ مخلوق کو متوجہ کرتا ہی ہے، یہ آنسو اللہ کی ذات کو بھی متوجہ کر لیتا ہے۔ اسی لیے جو سچی توبہ کرے اور اللہ کے سامنے روئے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا:

”اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم انسان کے تمام عملوں کا وزن کرتے ہیں،

سوائے اس کے آنسوؤں کے، اس لیے کہ آنسوؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آگ کے سمندر کو بجھا دیا کرتے ہیں''

ایک ایک آنسو جہنم کی آگ کے سمندر کو بجھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اپنے گناہوں پہ رونا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لیے جب ذکر کرنے والا دل اللہ سے مانگیں تو رونے والی آنکھیں بھی اللہ سے مانگیں۔

ایک ہے عشاق کا رونا۔محبوب کی اداسی میں رونا ،جدائی میں رونا۔آپ غور کریں کہ جب بیٹا دور ہو جائے تو ماں روتی ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت میں رونا بھی بہت بڑا عمل ہے۔ چنانچہ جو بندہ اللہ کی محبت میں روئے اس کے چہرے کو جہنم کی آگ نہیں جلا سکتی۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حالات زندگی میں لکھا ہے کہ جب ان کے آنسو بہتے تھے تو وہ اپنے آنسوؤں کو پورے چہرے پر مل لیا کرتے تھے۔ کسی نے عرض کیا: حضرت! آپ کا آنسو پونچھنے کا طریقہ بڑا انوکھا ہے، باقی لوگ تو صرف آنسو پونچھتے ہیں اور آپ آنسو کو پورے چہرے پر پھیلا دیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے حدیث میں پڑھا ہے کہ جو بندہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے روئے، یا اللہ کی محبت میں روئے، اس رونے کی وجہ سے جو آنسو نکلتا ہے، وہ آنسو جس چہرے پر لگ جائے گا اللہ تعالیٰ اس چہرے کو جہنم کی آگ میں نہیں جلائیں گے۔

کسی نے رونے کے بارے میں عجیب شعر کہے:

جیہڑا لطف ہے رودن اندر اوہ وچ بیان نہ آوے
رونا دل دی میل اتارے نالے رٹھڑے یار مناوے
تے یا د خدا وچ رودن والا کدیں دوزخ وچ نہ جاوے

اللہ کی یاد میں رونے والا کبھی دوزخ میں نہیں جا سکتا......اللہ اکبر کبیرا
محبت میں تو رونا ہی ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

عاشق دا کم رونا دھونا تے بن رون نہیں منظوری
دل رووے چاہے اکھیاں روون تے وچ عشق دے رون ضروری
کوئی تے روون دیدی خاطر تے کوئی روندے وچ حضوری
اعظم عشق وچ رونا پیندا بھانویں وصل ہووے بھانویں دوری

وصل میں بھی رونا آتا ہے اور دوری میں بھی رونا آتا ہے۔ اس لیے اللہ والوں کی راتیں روتے ہی گزر جاتی ہیں۔ ان کے تہجد کے وقت نکلنے والے آنسو اللہ کے ہاں بڑے ہی قیمتی ہوتے ہیں۔ اس لیے اپنی دعا میں کبھی کبھی یہ بھی کہا کریں:

''اے اللہ! آپ کو اپنے پیارے، چاہنے والے، محبت کرنے والے عشاق کے ان گرم آنسوؤں کا واسطہ جو وہ آپ کی محبت میں تہجد کے وقت آنکھوں سے بہاتے ہیں......میرے اس کام کو میرے لیے آسان کر دیجیے''

اللہ تعالیٰ کو کبھی اس طرح واسطہ دے کر دیکھیں، پھر دیکھنا کیسے دعا قبول ہوتی ہے۔

نَسْتَبِقُ

''دوڑ کا مقابلہ کرنا''

فائدہ 21

دین میں صحت افزا مقابلوں کی اجازت ہے

دینِ اسلام نے ایسے مقابلوں کی اجازت دی ہے جو انسان کے لیے فائدہ مند

ہوں۔ ایسے تمام کھیل جن میں دوڑنا ہو، یا کوئی ایسا عمل ہو جو صحت کے لیے فائدہ مند ہو، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی ایسے کام کیے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خشیت والے، سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے، سب سے زیادہ تقویٰ والے، سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے والے تھے۔ مگر امت کو سکھانے کے لیے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے کام کیے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گھڑ دوڑ کا مقابلہ:

عَنْ انس رضی اللہ عنہ اَنَّهُ قِيلَ لَهُ اَكُنتُمْ تُرَاهِنُونَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَوْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم يُرَاهِنُ؟ قال: نَعَمْ، وَ اللّٰهِ لَقَدْ رَاهَنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى فَرَسٍ لَهُ يُقَالُ لَه: سُبْحَةً فَجَاءَ تْ سَابِقَةً فَبِهِشَ لِذٰلِكَ وَ اَعْجَبَهُ

"(نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا تم کبھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں آپس میں مقابلہ کرتے تھے، یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی مقابلہ فرمایا کرتے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! اللہ کی قسم! نبی علیہ السلام نے بھی مقابلہ فرمایا، وہ مقابلہ ایک گھوڑے پر فرمایا، جس کا نام سُبْحَہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا سب گھوڑوں سے آگے نکل گیا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اِس پر خوش ہوئے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے تعجب میں آگئے (کہ میرا گھوڑا سب سے آگے نکل گیا)۔"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوڑ کا مقابلہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوڑ کا بھی مقابلہ کیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر میں تھی۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے میرے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا۔ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آگے نکل گئی...... اصل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو آگے نکلنے دیا۔ کیوں؟ دل خوش کرنے کے لیے۔ طریقہ سکھایا کہ بیویوں کے دل کس طرح خوش رکھے جاتے ہیں...... فرماتی ہیں کہ جب میں آگے نکل گئی تو اللہ کے نبی ﷺ خاموش ہوگئے۔ پھر جب کچھ عرصہ گزرا تو فرماتی ہیں:

فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي

''جب میں ذرا جسمانی اعتبار سے بھاری ہوگئی، تو ہم نے پھر دوڑ لگائی اور اب نبی ﷺ آگے نکل گئے''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةَ))

''جو تم پہلے جیت گئی تھی، یہ اس کا بدلہ تمہیں مل گیا''

لَا فَلَا......جی!......تِلْكَ بِتِلْكَ ......

کہ تم پہلے جیت گئی تھی، اب میں جیت گیا، لو! حساب برابر ہوگیا۔

اصل میں اللہ کے حبیب ﷺ اپنی اہلیہ صاحبہ کے ساتھ ایک ایسا عمل کرنا چاہتے تھے جو اس کے دل کو خوش کر دے۔ اس لیے اپنی اہلیہ کے دل کو خوش کرنے کے لیے کھیل کو ایک سبب بنا لیا۔

سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی دوڑ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح بہت زیادہ مقابلے کرتے تھے۔ ایک صحابی سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ بہت تیز دوڑنے والے تھے۔ ان کا ایک واقعہ ہے کہ انہوں نے کئی کافروں کو بھگایا تھا۔ انہوں نے ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں دوڑ کا

مقابلہ کیا۔ چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتے ہیں:

اَرْدَفَنِی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَرَاءَهٗ عَلَی الْعَضْبَاءِ رَاجِعِیْنَ اِلَی الْمَدِیْنَةِ قَالَ فَبَیْنَمَا نَحْنُ نَسِیْرُ قَالَ: وَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ لَایُسْبَقُ شَدًّا قَالَ فَجَعَلَ یَقُوْلُ اَلَا مُسَابِقٌ اِلَی الْمَدِیْنَةِ هَلْ مِنْ مُسَابِقٍ ؟ فَجَعَلَ یُعِیْدُ ذٰلِكَ قَالَ: فَلَمَّا سَمِعْتُ كَلَامَهٗ قُلْتُ اَمَا تُكْرِمُ كَرِیْمًا وَلَا تَهَابُ شَرِیْفًا؟ قَالَ: لَا ، اِلَّا اَنْ یَكُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِیْ وَ اُمِّیْ ذَرْنِیْ فَلِاُسَابِقَ الرَّجُلَ قَالَ اِنْ شِئْتَ ، قَالَ قُلْتُ: اِذْهَبْ اِلَیْهِ وَثَنَّیْتُ رِجْلِیْ فَطَفَرْتُ فَعَدَوْتُ قَالَ فَرَبَطْتُ عَلَیْهِ شَرَفًا اَوْ شَرَفَیْنِ اَسْتَبْقِیْ نَفْسِیْ ثُمَّ عَدَوْتُ فِیْ اَثَرِهٖ فَرَبَطْتُ عَلَیْهِ شَرَفًا اَوْ شَرَفَیْنَ ثُمَّ اِنِّیْ رَفَعْتُ حَتّٰی اَلْحَقَهٗ قَالَ فَاَصُكُّهٗ بَیْنَ كَتِفَیْهِ قَالَ قُلْتُ: قَدْ سَبَقْتَ وَ اللّٰهِ قَالَ: اَنَا اَظُنُّ قَالَ: فَسَبَقْتُهٗ اِلَی الْمَدِیْنَةِ

''ایک دفعہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ ﷺ کی عضباء نامی اونٹنی پر پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ہم چل رہے تھے۔ انصار میں سے ایک تیز دوڑنے والا بندہ تھا۔ اس کے آگے کوئی بڑھ نہیں سکتا تھا۔ اس نے چیلنج کیا: ہے کوئی جو مدینے تک میرے ساتھ دوڑ لگائے، اور ہے کوئی مدینے تک میرے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرنے والا؟ وہ بار بار یہی اعلان کر رہا تھا (آگے چند کلومیٹر مدینہ رہ گیا تھا) جب میں نے اس کی یہ بات سنی تو میں نے کہا: کیا تو کسی کریم کا اکرام نہیں کرتا اور کسی شریف سے تجھے خوف نہیں آتا؟ (بھئی! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے

کہا: سوائے رسول اللہ ﷺ کے، نہ تو میں کسی سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی خوف کھاتا ہوں۔ سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ اگر اجازت دیں تو میں ان کے ساتھ ذرا دوڑ کا مقابلہ کر لوں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تیری مرضی۔ فرماتے ہیں: میں اس کی طرف گیا، میں نے اپنی سواری سے نیچے چھلانگ لگائی اور میں نے بھاگنا شروع کیا۔ میں شروع میں آہستہ بھاگا تاکہ اس کو آگے بڑھنے کا موقع مل جائے۔ کہتے ہیں: وہ ایک وادی، دو وادی مجھ سے آگے رہا۔ پھر میں نے بھی سپیڈ بڑھائی، حتی کہ میں اس کے ساتھ آ کر مل گیا۔ جب میں پیچھے سے دوڑتا ہوا آیا تو میں نے اس کے مونڈھوں کے درمیان ایک تھپڑ لگایا اور کہا: اللہ کی قسم! کیا میں تجھ سے آگے نہیں بڑھ گیا؟ اس نے کہا: ہاں! مجھے لگتا ہے کہ تو آگے بڑھ گیا ہے۔ کہتے ہیں: پھر اس کے بعد مدینہ تک میں اس کے آگے ہی بھاگتا گیا، وہ میرے قدموں کو ہی نہیں پہنچ سکا''

سبحان اللہ! نبی اکرم ﷺ کی مبارک مجلس میں دو صحابہ کا دوڑ میں مقابلہ ہو رہا ہے۔

کافر پہلوان سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی:

ایک کافر تھا۔ وہ ایک طاقتور پہلوان تھا۔ کئی لوگ مل کر بھی اس کو نہیں پچھاڑ سکتے تھے۔ اس کا نام ''رکانہ'' تھا۔ اس کے ذہن میں ایک عجیب بات آئی۔ اس نے سوچا: اگر مجھے کبھی مسلمانوں کے پیغمبر (علیہ السلام) مل گئے تو میں کہوں گا کہ میرے ساتھ کشتی کا مقابلہ کر لو...... اس کا اپنا معیار تھا۔ بھئی! صرف جسم ہی موٹا نہیں ہوتا، عقل بھی تو موٹی ہوتی ہے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس کے پاس تین سو بکریاں تھیں اور وہ ان تین سو بکریوں کو چرا رہا تھا۔ اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے قریب سے گزرے۔ اس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا:

يَامُحَمَّدُ هَلْ لَكَ اَنْ تُصَارِعَنِیْ ؟قَالَ:وَمَا تَجْعَلُ اِنْ صَرَعْتُكَ قَالَ مِائَةٌ مِنَ الْغَنَمِ فَصَارَعَهٗ فَصَرَعَهٗ ثُمَّ قَالَ هَلْ لَكَ فِی الْعُوْدِ فَقَالَ مَاتَجْعَلُ لِیْ قَالَ مِائَةٌ اُخْرٰی فَصَارَعَهٗ فَصَرَعَهٗ وَذَكَرَ الثَّالِثَةَ

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ میرے ساتھ کشتی کرنا چاہیں گے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اچھا! اگر میں نے تمہیں پچھاڑ دیا تو دو گے کیا؟ (اصل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو ذہنی پر تیار کررہے تھے کہ یہ کہیں اپنی بات سے پھر نہ جائے) اس نے کہا: میں سو بکریاں دے دوں گا۔ (اس کو اتنا یقین تھا کہ میں پچھاڑ وں گا) جب کشتی کرنے لگے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو پچھاڑ دیا۔ (چاماریا)۔ پھر اس نے پوچھا: کیا دوبارہ کشتی کرنی ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: اب پچھاڑنے کا کیا انعام دو گے؟ اس نے کہا: سو بکریاں اور دوں گا۔ پھر کشتی ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پچھاڑ دیا۔ تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔'' اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس کو پچھاڑا۔

اس نے کہا:

يَا مُحَمَّدُ مَا وَضَعَ جَنْبِیْ فِی الْاَرْضِ اَحَدٌ قَبْلَكَ وَمَا كَانَ اَحَدٌ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْكَ وَ اَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تجھ سے پہلے کبھی کسی نے میری پیٹھ کو زمین کے اوپر نہیں لگایا اور آج سے پہلے مجھے آپ سے زیادہ کسی اور سے بغض بھی نہیں تھا، مگر اب میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور آپ اللہ کے رسول

ہیں۔“

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوگئے،

وَرَدَّ عَنْهُ غَنَمَهُ

”اور اس کی (تین سو) بکریاں اس کو واپس لوٹا دیں“

یہ بھی تبلیغ تھی۔ قربان جائیں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جس کو اللہ نے اپنا اتنا خوف دیا، خشیت دی، جو آخرت کے حالات کو اتنا دیکھنے اور جاننے والے تھے، وہ ایک بندے کو اسلام پہ لانے کے لیے اس کے ساتھ کشتی کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی کشتی:

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ غزوہ میں جانا چاہتے ہیں مگر اجازت نہیں ملتی۔ ان کے ایک ساتھی کو اجازت مل گئی۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میری اس سے کشتی کروا دیجیے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کی کشتی کروائی اور اِنہوں نے اُس کو پچھاڑ دیا۔ اس طرح اِن کو بھی جانے کی اجازت مل گئی۔

تیر اندازی کا مقابلہ:

◉ ...... ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کی دو جماعتیں بنا دیں اور ان سے فرمایا: آپ لوگ آپس میں تیر اندازی کا مقابلہ کریں اور میں ان کی طرف سے تیر پھینکوں گا۔ جب یہ فرمایا کہ میں ان کی طرف سے تیر پھینکوں گا، تو دوسری جماعت میں سے کوئی بھی تیر نہیں پھینک رہا تھا۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((مَالَكُمْ لَا تَرْمُوْنَ ؟))

”تمہیں کیا ہوا، تم تیر کیوں نہیں پھینک رہے؟“

انہوں نے جواب دیا:

كَيْفَ نَرْمِيْ وَ اَنْتَ مَعَهُمْ

''ہم کیسے تیر پھینکیں، جب کہ آپ تو اس گروپ کے اندر ہیں''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اِرْمُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ))

''تم تیر پھینکو، میں تم سب کے ساتھ ہوں''

یعنی میں ایک مرتبہ ان کی طرف سے تیر پھینکوں گا اور دوسری مرتبہ تمہارے طرف سے پھینکوں گا۔ چنانچہ وہ کہنے لگے: ہاں! اب ہم مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تیر اندازی کا یہ مقابلہ کروایا۔

فائدہ 22

نشانے پر پھینکنے والی ٹیکنالوجی کو حاصل کرنے کا حکم

اب ایک نکتے کی بات سنیے گا!...... چودہ سو سال پہلے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ایک میسج دے رہے ہیں...... فرمایا:

((اِرْمُوْا وَ ارْكَبُوْا وَاَنْ تَرْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا))

''تیر اندازی بھی کرو اور گھڑ سواری بھی کرو، اور تمہارا تیر اندازی کرنا، تمہارے گھوڑے کے اوپر سوار ہونے سے زیادہ افضل ہے''

آج دیکھو! دنیا پھینکنے والے ہتھیار سے ہی زیادہ ڈر رہی ہے۔ جبکہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے بتایا کہ تم تیر کو نشانے پر پھینکنے والی ٹیکنالوجی حاصل کرو۔ آج جو چیز تیر کی طرح جاتی ہے اسی سے دنیا ڈرتی ہے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سال پہلے جو فرمایا، وہ آج بھی سو فیصد سچ ثابت ہو رہا ہے۔

ایک اور حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((كُلُّ شَيْءٍ يَلْهُوْ بِهِ ابْنُ آدَمَ فَهُوَ بَاطِلٌ إِلَّا ثَلَاثًا رَمْيُهُ عَنْ قَوْسِهِ وَ تَأْدِيْبُهُ فَرَسَهُ وَ مَلَا عَبَتُهُ اَهْلَهُ فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ))

''ہر وہ چیز جو لھو ہے، بے فائدہ ہے، وہ باطل ہے سوائے تین چیزوں کے۔ کمان کے ذریعے تیر پھینکنا، گھوڑے کو دوڑ سکھانا (یا گھڑ سواری کرنا) اور اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ دل لگی کرنا۔ یہ ٹھیک کام ہیں۔''

تیراکی اور تیراندازی کا حکم:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے۔ حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو ''امین الامت'' کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں، وہ اپنے فوجیوں کو لے کر گئے ہوئے ہیں اور اسلام کو فتوحات مل رہی ہیں۔ درمیان میں کچھ وقت ایسا آتا تھا کہ جب پیش قدمی نہیں کرتے تھے بلکہ ایک جگہ رک کر وہاں اللہ کے حکم کو لاگو کیا کرتے تھے۔ ایسے موقع پر وہ فوجی ایک ہی جگہ پر رہتے تھے۔

اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا، آرڈر جاری کیا:

عَلِّمُوْا غِلْمَانَكُمُ الْعَوْمَ وَ مَقَاتِلَتِكُمُ الرَّمْیَ

''اپنے نوجوانوں کو تیراکی سکھاؤ اور ان کو تیراندازی بھی سکھاؤ۔''

اس سے معلوم ہوا کہ تیراکی سیکھنا بھی عبادت ہے۔

تیراندازی کے مقابلوں میں فرشتوں کی حاضری:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَحْضُرُ مِنْ لَهْوِكُمْ اِلَّا الرِّهَانِ وَ النِّضَالِ))

''بے شک فرشتے تمہارے لَھْــو کے کاموں میں شامل نہیں ہوتے، سوائے اس کے کہ جب تم آپس میں کسی اچھے کھیل کا مقابلہ کر رہے ہوتے ہو یا تیر اندازی سیکھ رہے ہوتے ہو''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی اچھے کھیل کا مقابلہ کریں یا تیر اندازی سیکھیں تو فرشتے اس کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ ایسے تمام کھیل جو جسم کو فائدہ دیں اور ان میں شریعت کا حکم چھوٹے بھی نہیں اور شریعت کا حکم ٹوٹے بھی نہیں، وہ سب کھیل جائز ہیں، وہ سیکھنے چاہئیں اور اپنی صحت کو اچھا رکھنا چاہیے۔

تیراکی کی مشق:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیراکی بھی فرمائی ...... سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے تو وہاں بنی نجار کے گھرانوں میں سے ایک گھرانے میں چھوٹا سا حوض تھا جس میں پانی بھرا ہوتا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو بتایا ''میں بھی اس گھر میں جاتا تھا اور اس حوض کے اندر میں نہاتا اور تیرنے کی کوشش کرتا تھا''

یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی تیرنے کی مشق ثابت ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تیراکی کرنا:

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ آئے۔ لوگوں نے ان کو بتایا: جی! یہاں جدہ قریب ہے۔ تو آپ نے جدہ کو اس نیت سے دیکھا کہ کیا بحری سفر کے لیے یہ اچھی سی پورٹ (Sea Port) بن سکتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ آپ آئے اور آپ نے جدہ کے سمندر میں پانی کے اندر تیراکی حاصل کی۔

آج ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ رمل طواف کے صرف تین چکروں میں ہوتا ہے۔ مومن کی تو پوری زندگی میں رمل ہے۔......رمل کے معانی تو آپ علما اور طلبا جانتے ہیں، مجھے تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔......اللہ تعالیٰ ہمیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس سنت پر پوری زندگی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ

''اب تو میرے لیے صبر ہی بہتر ہے''

صبرِ جمیل کسے کہتے ہیں؟

جب مصیبت کو برداشت کرنے میں انسان جزع فزع نہ کرے، اس میں رونا اور زبان سے شکوہ کرنا بھی نہ ہو اور اس مصیبت کو اچھے انداز سے برداشت کرے، اسے صَبْرٌ جَمِيْلٌ کہتے ہیں۔

صبر کے واقعات

یاد رکھیں! صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ چنانچہ جو بندہ صبر کرے گا اس کے لیے بشارت بھی دی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

''صبر کرنے والوں کو اللہ بغیر حساب کے اجر عطا فرمائیں گے''

ایک دکھیاری ماں کا صبر:

ایک عورت طواف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی:

کسی نے اس سے پوچھا: کیا ہوا؟ وہ کہنے لگی: میرے تین بیٹے تھے۔ میں گھر کے تنور میں روٹیاں لگا رہی تھی۔ اچانک میں نے کمرے سے اپنے دو بیٹوں کے شور کی آواز سنی۔ میں بھاگی ہوئی گئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے بڑے بیٹے نے چھوٹے کو ذبح کر دیا ہے۔ ہوا یہ تھا کہ چند دن پہلے میرے خاوند نے بکری کو ذبح کیا تھا۔ وہی چھری کہیں پڑی ہوئی تھی۔ وہ دونوں بچے چھوٹے تھے۔ ان میں سے بڑے نے چھوٹے سے کہا: دیکھو! ابو نے اس چھری سے بکری کو ذبح کیا تھا۔ اور پھر یہ کہا: میں تمھیں بتاؤں کہ کیسے ذبح کیا تھا؟ چھوٹے نے کہا: ہاں۔ تو اس نے چھوٹے کو زمین پر لٹا لیا اور بڑے کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ہونا کیا ہے؟ اس نے جو تیز چھری کو چھوٹے کے گلے پہ چلایا تو وہ گلا ہی کٹ گیا۔ اب وہ خون دیکھ کر گھبرا گیا اور اس نے شور مچا دیا۔

جب میں کمرے میں پہنچی تو دیکھا کہ اس کی جان نکل چکی تھی، لاش ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ میں نے اس کو اٹھا کر چارپائی پر ڈال دیا۔

اس اثنا میں، میں سوچنے لگی کہ بڑا بیٹا کہاں گیا؟ وہ اصل میں ڈر کے مارے چھپ گیا تھا۔ میرے گھر میں تنور میں جلانے کے لیے لکڑیاں پڑی تھیں، میں نے دیکھا کہ وہ اس کے پیچھے جا کر چھپا تھا اور وہاں پر ایک سانپ تھا، جس نے اسے ڈس لیا تھا اور وہ بھی مر گیا تھا۔ میں نے اس کی لاش اٹھائی اور اس کو بھی پہلے بیٹے کے ساتھ چارپائی پر ڈال دیا۔

اس کے بعد میں نے سوچا کہ میرا تیسرا بیٹا جو میرے قریب کرالنگ کر رہا تھا، رینگ رہا تھا، وہ کدھر گیا؟ چنانچہ میں نے آ کر دیکھا کہ وہ تنور کے اندر گر گیا تھا۔ میں نے کوئلے کی طرح اس کی جلی لاش کو نکالا، اور اس کو بھی چارپائی پر ڈال دیا۔

پھر میں نے تینوں بچوں کو نہلایا، کفن پہنائے اور ان کو جنازے کے لیے بھیجا۔

میں ان بچوں کو دفن کر کے عمرے کے لیے آئی ہوں اور میں طواف کے اندر یہ دعا کر رہی ہوں:

''اے اللہ! میں اس حال میں بھی آپ سے راضی ہوں''

اللہ اکبر!......صبر کی انتہا دیکھیے!...... ہمارا کیا حال ہے؟ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی بے صبری کر لیتے ہیں اور شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا صبر:

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: میں سفر پر نکلا۔ مجھے ایک جگہ ویرانے کے اندر ایک بندہ نظر آیا جس کے ہاتھ اور پاؤں دونوں فالج زدہ تھے۔ آنکھیں بھی نہیں تھیں۔ صرف زبان سلامت تھی۔ میں نے اسے دیکھا کہ وہ بھی اپنی زبان سے اللہ کی حمد بیان کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

اَللّٰهُمَّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَحْمَدُكَ حَمْدًا

یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس بندے کے ہاتھ بھی کام نہیں کرتے، پاؤں بھی کام نہیں کرتے، آنکھیں بھی کام نہیں کرتیں، اور اس ویرانے میں کھانے پینے کو کیا ملتا ہوگا، اور یہ اس وقت بھی اللہ سے اس کی حمد کرنے کی توفیق مانگ رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: بھئی! آپ کے پاس ہے کیا؟ اس نے آگے سے جواب دیا:

مَاتَرٰی مَا صَنَعَ رَبِّیْ ؟وَ اللّٰهِ لَوْ اَرْسَلَ السَّمَاءُ عَلَیَّ نَارًا فَاَحْرَقَتْنِیْ، وَ اَمَرَ الْجِبَالَ فَدَمَّرَتْنِیْ وَ اَمَرَ الْبِحَارَ فَاَغْرَقَتْنِیْ ،وَ اَمَرَ الْاَرْضَ فَبَلَعَتْنِیْ، مَا اِزْدَدْتُ لِرَبِّیْ اِلَّا شُكْرًا ،لِمَا اَنْعَمَ عَلَیَّ مِنْ لِسَانِیْ هٰذَا

''کیا تم نہیں جانتے کہ میرے پروردگار کا مجھ پر کتنا فضل ہے؟ اللہ کی قسم! اگر

وہ آسمان کو حکم دیتا تو آگ مجھے جلا کر رکھ دیتی، وہ پہاڑوں کو حکم دیتا اور وہ مجھے کچل کر کے رکھ دیتے، وہ سمندروں کو حکم دیتا اور وہ مجھے ڈبو کے رکھ دیتے، وہ زمین کو حکم دیتا اور زمین مجھے نگل جاتی، جب اللہ نے ایسا کچھ بھی حکم نہیں فرمایا تو کیوں نہ میں اللہ کا اور زیادہ شکرادا کروں۔ اللہ نے میری زبان کو سلامت رکھا ہوا ہے اور یہ مجھ پر اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے''

پھر اس نے کہا: اچھا! میری ایک حاجت ہے، اگر آپ پوری کرسکیں۔ میں نے پوچھا: کون سی؟ وہ کہنے لگا: میرا ایک بیٹا تھا، وہ میری خدمت کرتا تھا، وہ مجھے وضو کرواتا تھا، نماز پڑھاتا تھا، میں تو محتاج ہوں، وہ میری مدد کرتا تھا۔ تین دن سے وہ کہیں چلا گیا ہے۔ کیا آپ کہیں سے اس کا پتہ کر کے آسکتے ہیں؟ میں نے کہا: بہت اچھا! میں پتہ کرتا ہوں۔

میں باہر نکلا اور اس کے بیٹے کو ڈھونڈنے لگا۔ کافی تلاش بسیار کے بعد میں نے وٹیلوں کے درمیان انسانی ہڈیاں پڑی دیکھیں۔ ان کو دیکھ کر میں پہچان گیا کہ کوئی درندہ آیا اور اس نے اس نوجوان کو کھا لیا۔ لیکن مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں اس بوڑھے بندے کو اس حال میں کیسے بتاؤں کہ تیری امید کی آخری کرن اور تیری خدمت کرنے والا آخری بندہ بھی تجھ سے جدا ہو گیا۔ میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔ بالآخر میرے دل میں ایک خیال آیا اور میں نے آکر اس سے ایک سوال پوچھا:

أَنْتَ أَكْرَمُ عَلَى اللهِ أَمْ أَيُّوبُ النَّبِيُّ

''آپ اللہ کے ہاں زیادہ مکرم ہیں یا ایوب علیہ السلام؟''

اس نے کہا:

بَلْ أَيُّوبُ النَّبِيُّ ''ایوب علیہ السلام زیادہ مکرم ہیں''

میں نے پوچھا:

هَلْ عَلِمْتَ مَا صَنَعَ بِهٖ رَبُّهٗ ؟اَلَيْسَ قَدْ اِبْتَلَاهُ بِمَا لِهٖ وَ آلِهٖ وَ وَلَدِهٖ ؟

''کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اللہ نے ان کو مال، آل اور اولاد کے معاملے میں ایک امتحان میں نہیں ڈالا تھا؟''

فَكَيْفَ وَجَدَهٗ؟ ''اس کو پھر اللہ تعالیٰ نے کیسا پایا؟''

اس نے کہا:

وَجَدَهٗ صَابِرًا شَاكِرًا حَامِدًا

''اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو صابر، شاکر پایا اور اپنی حمد کرنے والا پایا''

پھر میں نے پوچھا: آپ یہ بتائیں کہ اگر آپ اپنے اقربا کے بارے میں امتحان میں پڑ جائیں تو آپ کیا کریں گے؟ اس نے کہا: میں بھی اللہ کی حمد بیان کروں گا۔

جب اس نے یہ کہا تو پھر میں نے اس کو بتایا کہ میں نے آپ کے بیٹے کی ہڈیوں کو دیکھا ہے جس کو ایک درندے نے کھا لیا تھا۔ اس نے یہ بات سن کر کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَخْلُقْ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ خَلْقًا يَعْصِيْهِ فَيُعَذِّبُهٗ بِالنَّارِ

''میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس نے میری اولاد میں ایسا کوئی بندہ پیدا نہیں کیا جو نافرمانی کرتا اور اللہ اس کو آگ کا عذاب دیتا''

یعنی شکر ہے کہ میرا بچہ نیک تھا اور کسی درندے نے اس کو کھا لیا۔ اس کے بعد اس نے پڑھا:

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾

اور پھر کیا ہوا؟

وَ شَهِقَ شَهْقَةً فَمَاتَ

''اور اس کے منہ سے غم کی آواز نکلی اور پھر اس بڑے میاں کی وفات ہوگئی''

چونکہ ان کے لیے یہ بڑے صدمے کی بات تھی اس لیے یہ سنتے ہی اس کی وفات ہوگئی۔ اس کی وفات پر میں نے بھی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا۔

اس کی وفات کے بعد تو میں اور بھی مشکل میں پڑ گیا۔ چھوڑ کے جاؤں تو کیسے؟ اور یہیں رہوں تو کیسے؟ خیر! میں اس کی چارپائی کے سرہانے بیٹھ گیا اور بڑا غمزدہ تھا۔

میں ابھی بیٹھا ہی تھا کہ چار بندے میرے پاس آگئے۔ وہ مجھے کہنے لگے:

یَا عَبۡدَ اللّٰہِ! مَا حَالُکَ؟

''اے اللہ کے بندے! تیرا کیا حال ہے؟''

میں نے ان کو پورا قصہ سنا دیا کہ یہ ہوا ہے۔ وہ مجھے کہنے لگے:

اُکۡشُفۡ لَنَا عَنۡ وَجۡہِہٖ فَعَسٰی اَنۡ نَعۡرِفَہٗ

''ذرا ان کے چہرے سے پردہ تو ہٹاؤ کہ ہم بھی بڑے میاں کو دیکھیں، شاید ہم اسے پہچانتے ہوں''

میں نے ان کے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو وہ لوگ اس کے اوپر جھک گئے۔ وہ اس کے ماتھے کو بوسہ دے رہے تھے اور اس کے ہاتھوں کو بھی بوسہ دے رہے تھے۔ ساتھ وہ یہ کہہ رہے تھے:

بِاَبِیۡ عَیۡنٌ طَالَمَا غُضَّتۡ عَنۡ مَحَارِمِ اللّٰہِ، وَ بِاَبِیۡ طَالَمَا کَانَ سَاجِدًا وَ النَّاسُ نِیَامٌ

''میرا باپ قربان اس آنکھ پر جو ساری زندگی غیر محرم سے بند رہی، اور میرا باپ قربان اس جسم پر جو اس وقت سجدے میں ہوتا تھا جب سب لوگ سو رہے

ہوتے تھے‘‘

میں نے ان آدمیوں سے پوچھا:

مَنْ هٰذَا يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ

’’اللہ تم پر رحم کرے، بتاؤ تو سہی کہ یہ کون ہے؟‘‘

وہ کہنے لگے:

هٰذَا اَبُوْ قِلَابَةَ الْجَرْمِیْ صَاحِبُ اِبْنِ عَبَّاسٍ ،لَقَدْ كَانَ شَدِيْدُ الْحُبِّ لِلّٰهِ وَلِلنَّبِيِّ ﷺ

’’یہ ابن عباس کے شاگرد ابو قلابہ ہیں، جن کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ بڑی محبت تھی‘‘

جن کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہوتی ہے ان کی یہی کیفیت ہوتی ہے......اتنی بیماری اور معذوری کے بعد بھی اتنا اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں اور جب بیٹے کی وفات کی خبر ملتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

آج کا دور......شکووں کا دور:

اور آج کل کے علما کو دیکھیں، طلبا کو دیکھیں طالبات کو دیکھیں، عوام کو دیکھیں، ہم سب کی عادتیں ایسی بن گئی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رب کے شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کئی لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ایمان کی خیر نہیں مناتے، وہ اللہ سے روٹھے پھر رہے ہوتے ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے: ’’او جی! پہلے تے پنجی منٹی سندا سی، ہن پتہ نئیں کتھے ٹر گیا اے، سندا ای نئیں، اسیں وی نمازاں پڑھنیاں چھڈ دتیاں نیں‘‘ یہ پکا کفریہ کلمہ ہے۔ خَرَجَ مِنَ الْاِيْمَانِ ’’وہ ایمان سے نکل گیا۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ

''اور اللہ ہی کی مدد درکار ہے''

فائدہ 23

مددگار اللہ ہی ہے

یہاں ایک بڑا نکتہ ہے۔ جب بندے کو کوئی پریشانی اور مصیبت آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس مصیبت میں مخلوق کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اپنے اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اس وقت وہ یہ سوچے کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾

''کیا اللہ بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی سکھایا:

اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ

''جب تم مدد مانگو تو اللہ سے مدد مانگو''

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى
هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝١٩ وَ
شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝٢٠
وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى
اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ
وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٢١ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا
وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝٢٢

[اور (دوسری طرف جس جگہ انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالا تھا، وہاں) ایک قافلہ آیا۔ قافلے کے لوگوں نے ایک آدمی کو پانی لانے کے لیے بھیجا، اور اس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا تو (وہاں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر) پکار اٹھا: ''لو خوشخبری سنو! یہ تو ایک لڑکا ہے'' اور قافلے والوں نے انہیں ایک تجارت کا مال سمجھ کر چھپا لیا، اور جو کچھ وہ کر رہے تھے اللہ کو اس کا پورا علم تھا۔ اور پھر انہوں نے یوسف کو بہت کم قیمت میں بیچ دیا جو گنتی کے چند درہموں کی شکل میں تھی اور ان کو یوسف سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اور مصر کے جس آدمی نے انہیں خریدا، اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کو عزت سے رکھنا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا، یا پھر ہم اسے بیٹا بنا لیں گے۔ اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کے قدم جمائے، تاکہ انہیں باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائیں، اور اللہ کو اپنے کام پر پورا قابو حاصل ہے، لیکن بہت

سے لوگ نہیں جانتے۔ اور جب یوسف اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا اور جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، ان کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں‘‘]

کنویں کے اندر شبِ غم کی داستان:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کو کنویں میں چھوڑ کر چلے گئے تو وہ رات کا اندھیرا پڑنے پر بہت غمزدہ ہوئے ......اس کی وجہ کیا تھی؟......اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کی جوانیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے کہ جس طرح میرے سر پر باپ کا سایہ ہے اسی طرح میرے بڑے بھائی بھی میرے سر کا سایہ ہیں، جبکہ آج ان کے اپنے بھائیوں نے ہی ان کے ساتھ بے وفائی کی۔

اپنوں سے جب تکلیف پہنچے تو پھر درد زیادہ ہوتا ہے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

جب اپنوں سے صدمہ پہنچتا ہے تو زیادہ دکھ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ منصور کو لوگوں نے پتھر مارے تھے اور شبلی جو واقف تھے، جاننے والے تھے، انہوں نے ان کو پھول مارا تھا۔ جب منصور کو شبلی کا پھول لگا تو وہ رو پڑا۔

شبلی نے پھول مارا منصور رو پکارا

منصور لوگوں کے پتھر کھا کر نہیں رویا تھا، لیکن شبلی کے پھول مارنے سے رو پڑا کہ تُو تو واقفِ راز تھا، تُو تو پھول نہ مارتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں سے صدمہ پہنچا اور ان پر اس کا اثر بھی بہت ہوا۔ آپ ذرا سوچیں تو سہی کہ

......چھوٹی سی عمر ہے

......کنویں میں ہیں

......اندھیرا ہے

......تنہائی ہے

......ان کو کتنی مایوسی ہوئی ہوگی

......ان کو بھوک پیاس کتنا ستا رہی ہوگی

......وحشت کتنی ہوگی

......دل کے اندر کتنا خوف ہوگا

اگر ایسی صورت میں وہ کسی کو مدد کے لیے پکارتے تو قریب میں تو کوئی انسان بھی موجود نہیں تھا۔ ذرا اس بچے کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگایئے اور سوچیے کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔

دعائے یوسفی علیہ السلام:

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے...... یاد رکھیں! جہاں انسان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، وہاں پروردگار اپنے بندے کی مدد کرتا ہے۔ اس لیے بندے کو اللہ رب العزت کی طرف ہی متوجہ ہونا چاہیے۔...... حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں دعائیں کیں۔ ان کی دعائیں بڑی قیمتی ہیں۔ احادیث میں بھی وہ دعائیں وارد ہیں اور اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کی تصدیق بھی فرمائی کہ یہ اللہ کے نیک بندے کی مانگی ہوئی دعائیں ہیں، یہ قبولیت والی دعائیں ہیں، لہٰذا یہ دعائیں مانگا کرو۔

آج بھی کچھ لوگ مصیبتوں کے اندھے کنویں میں گر جاتے ہیں۔

......کاروبار ہی اندھا کنواں بن جاتا ہے، نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملتا۔
......گھر کے حالات اندھے کنویں کی طرح بن جاتے ہیں، نکلنے کی کوئی امید ہی نہیں ہوتی۔

اب اس اندھے کنویں سے کیسے نکلیں؟ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعائیں ان کے بھی کام آسکتی ہیں۔ان دعاؤں کو حدیث مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے: مثال کے طور پر:

⊙......ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((لَمَّا اُلْقِیَ یُوْسُفُ فِی الْجُبِّ اَتَاہُ جِبْرَئِیْلُ علیه السلام فَقَالَ: یَا غُلَامُ مَنْ اَلْقَاكَ فِی هٰذَا الْجُبِّ ؟قَالَ اِخْوَتِیْ قَالَ وَلِمَ؟ قَالَ لِمَوَدَّةِ اَبِیْ اِیَّایَ حَسَدُوْنِیْ، قَالَ تُرِیْدُ الْخُرُوْجَ مِنْ هٰهُنَا قَالَ: ذَالِكَ اِلٰی اِلٰهِ یَعْقُوْبَ))

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں کے اندر ڈال دیا گیا تو ان کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے۔انہوں نے پوچھا: اے لڑکے! تجھے اس کنویں میں کس نے ڈالا؟ فرمایا: میرے بھائیوں نے۔جبرئیل علیہ السلام نے پھر پوچھا: کیوں ڈالا؟ فرمایا: میرے والد گرامی کو مجھ سے محبت تھی اور ان کو حسد ہوا۔ جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا: کیا تم اس کنویں میں سے نکلنا چاہتے ہو؟ فرمایا: یہ تو یعقوب علیہ السلام کے معبود کی مرضی ہے۔''

اللہ اکبر! کیا رجوع الی اللہ تھا!......کیا انابت الی اللہ تھی!......جبرئیل امین علیہ السلام آکر پوچھ رہے ہیں کہ اس کنویں سے نکلنا چاہتے ہو، تو وہ آگے سے فرماتے ہیں: یہ تو یعقوب کے معبود کی مرضی ہے۔

جبرئیل علیہ السلام انبیا علیہم السلام کی مدد کرنے پر مامور ہیں اور یہ ان کی ڈیوٹی ہے۔ چنانچہ

انہوں نے اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ یہ دعا مانگیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاِسْمِكَ الْمَكْنُوْنَ الْمُخْزُوْنَ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ اَنْ تَغْفِرَلِیْ وَ تَرْحَمْنِیْ وَ اَنْ تَجْعَلَ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَ اَنْ تَرْزُقَنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَ مِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ

کیا خوبصورت دعا مانگی!

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا مانگی...... پھر اس کا فائدہ کیا ہوا؟......

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((فَجَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ مِنْ اَمْرِهٖ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَ رَزَقَهٗ مُلْكَ مِصْرَ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ))

''اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے معاملے کو کھول بھی دیا اور مخرج بھی بنا دیا، اور اللہ نے (اس دعا کے بدلے) مصر کے ملک کی بادشاہی دے دی، جو اُن کے گمان میں بھی نہیں تھی''

چونکہ دعا مانگی تھی کہ جو میں گمان کرتا ہوں وہ بھی دے اور جو گمان نہیں کرتا وہ بھی دے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو مصر کے ملک کی بادشاہی دے دی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلِظُّوْا بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَاِنَّهُنَّ دَعَاءُ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ))

''تم بھی اس دعا کو مانگنے کی عادت بناؤ، یہ اللہ کے مقبول بندوں کی مانگی ہوئی دعا ہے۔''

اب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو بتایا کہ یہ اللہ کے مقبول بندے کی مانگی ہوئی دعا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھے کنویں سے نکال دیا، اگر ہم بھی آج اس دعا کو پڑھیں گے تو کیا اللہ تعالیٰ ہمیں حالات کے اندھے کنویں سے نہیں نکالیں گے؟ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل رکھیں اور نامساعد حالات میں ہم بھی اس دعا کو پڑھیں اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے اترتی ہے۔

⊙ ......حدیث پاک میں ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک دعا اور بھی سکھائی۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ يَا كَاشِفَ كُلِّ كَرْبَةٍ وَّ يَا مُجِيبَ كُلِّ دَعْوَةٍ وَّ يَا جَابِرَ كُلِّ كَسِيْرٍ وَّ يَا مُيَسِّرَ كُلِّ عَسِيْرٍ وَّ يَا صَاحِبَ كُلِّ غَرِيْبٍ وَّيَا مُؤْنِسَ كُلِّ وَحِيْدٍ يَا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اَسْاَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ لِيْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَّ اَنْ تَقْذِفَ حُبَّكَ فِيْ قَلْبِيْ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ لِيْ هَمٌّ وَّلَا ذِكْرٌ غَيْرَكَ اَنْ تَحْفِظَنِيْ وَ تَرْحَمْنِيْ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

دیکھیں! حضرت یوسف علیہ السلام ایک تو کنویں سے نجات حاصل کرنے کی دعا مانگ رہے ہیں اور ساتھ ہی کیا کہہ رہے ہیں؟ اے اللہ! میرے دل میں اپنی اتنی محبت بھر دے کہ میرے لیے کوئی غم، غم ہی نہ رہے۔......اللہ اکبر کبیرا

⊙ ......ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ انہوں نے یہ دعا بھی مانگی:

يَا اِلٰهَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اِرْحَمْ ضُعْفِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَ صِغْرَ سِنِّيْ

''اے ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے پروردگار! میری کمزوری پر رحم فرما، اور میرے اسباب کی قلت پر رحم فرما، اور میری چھوٹی عمر

پر رحم فرما''

کیا عجیب دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

.....ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا بھی سکھائی:

يَا صَرِيْخَ الْمُسْتَصْرِخِيْنَ وَ يَا غَوْثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ وَ يَا مُفَرِّجَ كَرَبَ الْمَكْرُوبِيْنَ قَدْ تَرٰى وَ تَعْلَمُ حَالِيْ و لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ اَمْرِيْ

''اے ہر پکارنے والے کی پکار سننے والے! اور اے ہر مدد چاہنے والے کی مدد کرنے والے! اور اے غمزدوں کو غم سے نجات دینے والے! تو میری جگہ کو دیکھ رہا ہے اور میرے حال کو بھی جانتا ہے اور میری کوئی بات بھی تجھ سے چھپی ہوئی نہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کر لیا۔

فائدہ 24

ہر کرب والے کو تہجد کے وقت سکون مل جاتا ہے

کہتے ہیں کہ یہ جو دعا تھی: ''اے ہر کرب (غم) کو دور کرنے والے! میرے کرب کو دور کر دیجیے! اور ہر بے چین بندے کی تکلیف کو دور کر دیجیے'' اس میں ایک نکتے کی بات ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ایک ایسی دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ نے سحری کے وقت میں ان کے غم کو بھی آسان کر دیا اور ان کی دعا کو ایسا قبول کیا کہ کوئی بھی غمزدہ انسان سارا دن مغموم رہتا ہے اور سحری کے وقت میں اللہ تعالیٰ اس کے غم کو ہمیشہ دور فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کوئی بھی بندہ سارا دن روتا رہے تو

سحری کے وقت اس کے دل کو بھی تسلی ہو جاتی ہے۔ انسان کی بیماری سارا دن زور کرتی ہے۔ ......ہسپتال میں جا کر پوچھو ڈاکٹر بتائیں گے...... کہ سحری یا فجر کے وقت میں مریض کی حالت نسبتاً ہمیشہ بہتر ہو جایا کرتی ہے۔ شوگر کے مریضوں کی شوگر کب کم ہوتی ہے؟ صبح کے وقت میں۔ اللہ تعالیٰ ہر کرب والے کی کرب کو تہجد کے وقت میں آسان کر دیتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مانگی ہوئی دعا قیامت تک کے لیے ہر کرب میں پڑنے والے کے کام آتی رہے گی۔

یٰبُشْرٰی ھٰذَا غُلٰمٌ ط

''لو! خوشخبری سنو، یہ تو ایک لڑکا ہے''

کنویں سے باہر نکلنا:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں تھے اس وقت ایک قافلہ قریب سے گزرا۔ قافلے کے لوگوں کو پانی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک بندے کو بھیجا کہ جا کر پانی لے آؤ۔ وہ بندہ اسی کنویں پر آیا اور اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا۔ جب اس نے ڈول لٹکایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کو پکڑ لیا۔ جب اس نے ڈول کھینچا تو ڈول کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام بھی باہر نکلے اور وہ بڑا خوش ہوا کہ یہ اتنا خوبصورت بچہ ہے۔ اس نے سوچا کہ ہم تجارت کا مال تو لے جا ہی رہے ہیں، اس کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں، وہاں اس کو بھی غلام بنا کر بیچیں گے اور ہمیں زیادہ نفع حاصل ہوگا۔ چنانچہ اس نے قافلے والوں سے آ کر کہا!

﴿یَا بُشْرٰی ھٰذَا غُلَامٌ﴾

''لو! خوشخبری سنو، یہ تو ایک لڑکا ہے''

بشارت کے لفظ کا استعمال:

بشارت کا لفظ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) خوشخبری دینے کے لیے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ بَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ﴾

(۲) بری خبر دینے کے لیے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾

فائدہ 25

خوشخبری لانے والے کو ہدیہ دینا جائز ہے

بَشِيْر (خوشخبری دینے والے) کو ہدیہ دینا جائز ہے۔ کوئی بھی خوشی کی خبر لائے تو اس کو ہدیہ دیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر:

○......کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے کچھ دنوں کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بولنا چھوڑ دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی۔ اس کے بعد جب ان کی توبہ قبول ہو گئی تو انہوں نے توبہ کی قبولیت کی خوشخبری لانے والے کو اپنا لباس ہدیے کے طور پر دے دیا تھا۔

○......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جس بندے کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خوشخبری دینے کے لیے بھیجا تھا اس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا کرتہ دے دیا تھا۔

اولادِ نرینہ کا مجرب نسخہ:

ایک اور نکتہ سنیے!......کچھ لوگ بے اولاد ہوتے ہیں، یا کچھ لوگوں کے ہاں صرف بیٹیاں ہوتی ہیں، بیٹے نہیں ہوتے۔......علما نے لکھا ہے کہ اگر ہر نماز کے بعد اول آخر درود شریف کے ساتھ اکیس مرتبہ ﴿يَا بُشْرٰى هٰذَا غُلَامٌ﴾ پڑھیں تو اللہ

تعالیٰ اولادِ نرینہ والی نعمت عطا فرما دیتے ہیں۔

وَشَرَوْهُ

''اور انہوں نے بیچ دیا۔''

آزاد بندے کو بیچنا حرام ہے:

یہاں شَرَوْا، بَاعُوْا کے معنی میں ہے کیونکہ

اِنَّ الشِّرَاءَ يُطْلَقُ عَلَى الْبَيْعِ وَ الشِّرَاءِ

''شرآ کا لفظ خرید وفرخت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے''

آزاد بندے کو بیچنا حرام ہے، مگر وہ لوگ تجارت کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم اس بچے کو بیچ دیں گے۔

بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ

''چند کھوٹے سکے''

فائدہ 26

حسنِ ظاہر کی اللہ کے ہاں کوئی ویلیو نہیں

قافلے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو چند کھوٹے سکوں کے بدلے بیچ دیا۔ اندازہ کیجیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کتنے خوبصورت تھے اور اس وقت ان کی عمر بھی ایسی تھی کہ اس عمر میں خوبصورتی اور زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ان کی قیمت کیا لگی؟ چند کھوٹے سکے۔

مفسرین نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ سمجھانا چاہتے ہیں کہ حسنِ ظاہر کی قیمت ہمارے نزدیک چند کھوٹے سکوں کے سوا کچھ نہیں۔ حسنِ ظاہر کے پیچھے ایمان برباد کرنے والو! تم چند کھوٹے سکوں کی متاع کے پیچھے اپنے رب کو ناراض کرتے پھر رہے ہو۔ اس لیے کہ اس ظاہر کی خوبصورتی کی اللہ کے ہاں کوئی ویلیو نہیں ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھیں۔ رنگ کالا، ہونٹ موٹے، شکل انوکھی، مگر اللہ کے ہاں اتنے مقبول ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج پر جاتے ہیں تو بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آواز جنت میں سن رہے ہیں۔

اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ

''اس کو عزت سے رکھنا''

محل میں پرورش:

عزیز مصر، جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کی اچھی خبر گیری کرو، اس کی اچھی پروش کرو، اس کا خوب خیال رکھو۔ دراصل اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہاں اچھا خیال رکھا جائے اور یہ محل کے اندر پلیں، تاکہ ان کے اندر جذبۂ وفا اور شکر گزاری آئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو احسان کرتا ہے، دوسرے بندے کا دل بھی اس کے ساتھ وفا کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس وفا کو پیدا کرنے کے لیے رب کریم نے اپنے پیارے یوسف علیہ السلام کو محل میں رکھا اور عزیزِ مصر نے ان کے بارے میں کہا کہ ان کا خوب خیال رکھنا۔ کل اسی احسان کے جذبے نے ہی تو وفا پہ ابھارنا تھا۔

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا

''یا پھر اسے بیٹا بنالیں گے''

فائدہ 27

نظر کے دیکھنے میں فرق ہوتا ہے

یہاں پر ایک نکتہ اور سمجھیں...... بی بی آسیہ نے بھی بچہ پالا، یعنی موسیٰ علیہ السلام کو، اور وہ تو ایمان لے آئیں۔ اور یہاں پر عزیزِ مصر بھی بچے کو گھر لایا اور اس کو پالا، پھر اس کی بیوی فتنے میں گرفتار ہوگئی، ان دونوں میں فرق کیا تھا؟

مفسرین نے اس میں فرق یہ لکھا ہے کہ وہاں بی بی آسیہ نے خود یہ لفظ کہے:

﴿لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾

وہاں عورت کا یہ جذبہ ہے کہ میں اسے بیٹا بناؤں گی۔ اور یہاں عزیزِ مصر کا جذبہ ہے کہ اسے بیٹا بنائیں گے۔ یہ عزیزِ مصر کے ہی الفاظ ہیں:

﴿اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾

یہاں بیوی کا جذبہ وہ نہیں ہے، بلکہ عزیزِ مصر کے الفاظ ہیں کہ ہم بیٹا بنائیں گے۔ چونکہ یہاں پر نظر کچھ اور تھی، اس لیے زلیخا یہاں فتنے میں پھنس گئی اور وہاں بی بی آسیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی نعمت عطا فرمادی۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں نظر کے زاویے کا فرق ہوتا ہے۔ بی بی آسیہ کی نظر بیٹے کے طور پر دیکھ رہی تھی اس لیے وہ پاکیزہ نظر تھی۔ ادھر زلیخا کی نظر پاکیزہ نہیں تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تو خاوند بیٹا بنانا چاہتا تھا۔ جبکہ زلیخا نے ان کو ایک عام انسان کی نظر سے دیکھا تھا۔

یہی نظر کا دیکھنا ہی تو ہے جو انسان کو یا تو حیا سکھا دیتا ہے یا پھر اسے بے حیائی سکھا دیتا ہے۔ ذرا غور کیجیے!...... باہر عورتیں ہوتی ہیں، مگر غیر محرم ہوتی ہیں۔ ان کو انسان ہوس کی نظر سے دیکھتا ہے تو اسے گناہ کا خیال آتا ہے۔ گھر میں بھی تو عورتیں ہوتی ہیں۔ بیٹی بھی ہوتی ہے، ماں بھی ہوتی ہے، بہن بھی ہوتی ہے، مگر گناہ کا خیال ہی نہیں آتا...... اس میں فرق تو نظر کا ہی ہوا۔

یہی تو شریعت نے حکم دیا کہ تم نگاہ کو پاکیزہ رکھو۔ جب نگاہ پاکیزہ ہو جائے گی تو پھر تم اس فتنے سے بچ جاؤ گے۔

جوابِ لاجواب:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہندو سے مقابلہ ہوا۔ ہندو کہنے لگا: تم لوگ گائے کو حلال کر کے کھاتے ہو تو پھر سؤر کا گوشت کیوں نہیں کھاتے؟ اس نے پھر ہندی زبان میں کہا:

ماس ماس سب ایک ہے کیا سؤر کیا گائے

ماس کہتے ہیں، گوشت کو۔ یعنی ''گوشت تو ایک جیسا ہوتا ہے، چاہے سؤر کا گوشت ہو چاہے گائے کا گوشت ہو''

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے سے جواب دیا:

نار نار سب ایک ہے کیا جورو کیا مائے

''پھر عورتیں، سب عورتیں ہیں، تمہاری بیوی بھی عورت ہے اور تمہاری ماں بھی عورت ہے''

کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح تم بیوی کے ساتھ رہتے ہو اس طرح ماں کے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟ جب اس نے یہ بات سنی تو اسے سمجھ آئی کہ ہاں! فرق ہوتا

ہے۔اسی طرح نظر کا فرق ہوتا ہے۔

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ

''ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو زمین میں ٹھکانہ دیا''

یہاں فِي الْأَرْضِ سے مراد فِي الْبَيْتِ ہے۔یعنی عزیزِ مصر کے گھر میں ٹھکانہ دیا۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ

''اور اللہ کو اپنے کام میں پورا قابو حاصل ہے''

غالب ذات اللہ ہی کی ہے:

جب میرے مولا کسی کام کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو وہ اپنے کام میں ہمیشہ غالب ہوتے ہیں۔آپ دیکھیے کہ

- ......حضرت یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ بھائیوں کو خواب کا پتہ نہ چلے، جبکہ ان کو اس کا اندازہ ہو گیا۔حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب بتایا نہیں۔مفسرین نے لکھا کہ جب والد نے منع کر دیا تو حضرت یوسف علیہ السلام تو تعمیل کرنے والے تھے، انہوں نے نہیں بتایا۔مگر بھائیوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ چونکہ والد کی زیادہ توجہ ان کی طرف ہے، اس لیے درمیان میں کوئی نہ کوئی راز کی بات ہے۔
- ......حضرت یعقوب علیہ السلام چاہتے تھے کہ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کریں، مگر انہوں نے محبت کے بجائے دشمنی کی۔
- ...... بھائیوں نے چاہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کریں، مگر اللہ نے بچانا چاہا تو

بچ گئے۔

⊙...... بھائی چاہتے تھے کہ والد کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت نہ بڑھے، مگر وہ اور بڑھ گئی۔

⊙...... بھائیوں نے تو کنویں میں ڈالا تھا، مگر اللہ نے محل میں پہنچادیا۔

⊙...... بھائیوں نے غلام بنایا تھا، مگر اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ بنادیا۔

اس سے پتہ چلا کہ واقعی! اللہ تعالیٰ کو اپنے کام میں پورا پورا قابو حاصل ہے۔

قافلے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا اور عزیز مصر نے آپ کو خرید لیا۔

فائدہ 28

نفسِ انسانی کی خریداری میں نکات

ہماری زندگی میں بھی ایک ایسا لمحہ آیا جس میں ہم نے کچھ بیچا اور کسی نے خرید ......وہ کیسے؟......ہم نے اپنے آپ کو بیچا اور اللہ نے ہمیں خریدا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

''اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے''

یہاں ایک علمی نکتہ ہے۔......غور کیجیے!......انسان کسی چیز کو دو وجوہات سے بیچتا ہے، یا تو پیسے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے وہ چیز بیچ کر پیسہ لیتا ہے، یا مال بڑھانے کی تمنا ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ میری پانچ روپے کی چیز پچاس روپے میں بک رہی ہے، اس لیے میں بیچ دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے مؤمن کی جان اور مال کے بدلے جنت کو بیچ دیا۔کیونکہ جنت کو بیچنے میں نہ تو اللہ کو اس کی ضرورت ہے اور نہ ہی اللہ کے خزانے بڑھ سکتے ہیں۔یہاں اللہ تعالیٰ نے بات کرنے کا یہ انداز اختیار نہیں فرمایا کہ میں نے مومن کی جان اور مال کے بدلے جنت کو بیچ دیا، بلکہ کیا فرمایا؟ فرمایا: میں نے مومن کے مال اور اس کی جان کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔اس لیے مومن تو بکا ہوا ہے۔مگر بکے ہوئے کس کے ہاتھ پر ہیں؟ اللہ کے ہاتھ پر۔یہ بڑی عجیب بات ہے۔

ایک اور علمی نکتہ سنیے!......انسان کا نفس اس کے جسم میں سب سے ادنیٰ چیز ہے۔اس لیے کہ خرابی کا منبع ہی وہی ہوتا ہے......نفس امارہ تو بہت خراب ہوتا ہے ، جب تک اصلاح نہ ہو......تو جو چیز سب سے ادنیٰ تھی، جب اللہ نے اس کی قیمت جنت رکھی تو پھر انسان کا دل، جو جسم کا سب سے اعلیٰ جز ہے اس کو انسان اللہ کے حوالے کردے گا تو پھر اس کا بدلہ کیا ملے؟ اس کی قیمت تو اونچی لگنی چاہیے۔

چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو بندہ اپنا دل اللہ تعالیٰ کو دے دے گا، اس کو اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کے دیدار کی شکل میں ملے گی۔کوئی اور چیز اس کی قیمت ہو ہی نہیں سکتی۔

اور بھی ذرا غور کیجیے:

◉......عزیزِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا اور ان کی حفاظت پر لوگوں کو لگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کی جانوں کو خریدا اور اس کی حفاظت پر اپنے فرشتوں کو لگا دیا۔

◉......لوگ غلام خریدتے ہیں تو وہ اپنے ناموں پر اس کا نام رکھتے ہیں۔جیسے نام تھا شیبہ، لوگوں میں عبدالمطلب مشہور ہوگیا۔گویا مُطلب کے نام پر پڑ گیا۔یعنی ''مطلب کا غلام''۔اللہ نے بندے کو خریدا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نام پر بندے کا نام مومن

رکھا۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے بھی ایک نام مومن ہے۔

⊙.....عزیزِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا اور ان کو بزرگی دی، اور اللہ تعالیٰ نے بندے کو خریدا تو بندے کو بزرگی دیتے ہوئے فرمایا:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ "اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو بزرگی دی"

⊙.....اگر کسی کا غلام بھاگنا چاہے تو وہ غلام کو بھاگنے نہیں دیتا، واپس لاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے بھی بندے کو خریدا تو اب بندے کو بھاگنے نہیں دیتے، بلکہ فرماتے ہیں:

﴿فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ﴾ "کدھر جاتے ہو؟

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴾

"اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا"

⊙.....لوگ غلام خریدتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں کہ غلام ہماری حفاظت کرے۔مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ دیکھو کہ اللہ نے غلام خریدا تو اللہ نے اس بندے کی حفاظت کی خود ذمہ داری لے لی، اور فرمایا:

﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا﴾

⊙.....لوگ اپنے غلاموں سے کام لیتے ہیں تو وہ ان کو اس کا بدلہ اور تنخواہ نہیں دیتے، کیونکہ وہ یہی کہتے ہیں کہ یہ ہمارا غلام ہے، مگر اللہ پر قربان جائیں، وہ کیا عظیم مالک ہے کہ اس نے بندے کو خریدا اور بندے کو فرمایا: میرے بندے! تم جو عمل کرو گے، میں تمہاری ہر عبادت پر تمہیں اجر دوں گا:

﴿جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

⊙.....غلام اگر کوئی غلطی کر لے تو مالک برداشت نہیں کرتا، اس کو لوگوں کے سامنے

رسوا کرتا ہے۔ مگر اللہ کی عظمت پہ قربان جائیں کہ اللہ نے بھی غلام خریدا، مگر اللہ اپنے بندے کے کبیرہ گناہوں کو خود بھی چھپا لیتے ہیں اور باقی بندوں کو بھی اس کی ستر پوشی کا حکم فرماتے ہیں۔

((مَنْ سَتَرَ مُؤْمِناً سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ))

''جو کسی مومن کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ قیامت کے دن اس کے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔''

سوچیے! یہ ہمارے لیے کتنی خوش نصیبی کی بات ہے کہ ہمیں اللہ نے خریدا ہے۔

ایک غلام کے کلام سے بندگی کا درس:

ایک بزرگ تھے۔ وہ کہتے تھے: مجھے تو ایک غلام نے بندگی سکھا دی۔ کسی نے پوچھا: وہ کیسے؟...... کہنے لگے: قحط کا وقت تھا۔ لوگ بہت کمزور اور پریشان ہو چکے تھے۔ میں نے ایک غلام کو دیکھا جو بڑا تر و تازہ تھا، اس کی صحت بھی اچھی تھی اور اس کے چہرے پر خوشی کے آثار بھی تھے۔ میں نے اس سے پوچھا: بھئی! سب لوگ قحط سے پریشان ہیں اور تو بڑا خوش باش اور صحت مند ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا: تمہیں پتہ نہیں کہ میں کس مالک کا غلام ہوں؟ فلاں امیر آدمی میرا مالک ہے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں: ہمیں اپنے اللہ کے خزانوں پر کتنا بھروسہ ہونا چاہیے۔

بڑھاپے میں غلام کی آزادی:

لوگ غلام خریدتے ہیں اور جب وہ غلام خدمت کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ مالک ان کو بڑھاپے کی وجہ سے آزاد کر دیتے ہیں۔ اس پر شاعر نے یہ شعر کہے:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا شَابَتْ عَبِیْدُهُمْ

فِیْ رِقِّهِمْ اَعْتَقُوْهُمْ عِتْقَ اَحْرَارِ

''جب بادشاہ کا غلام خدمت کرتے کرتے بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ بڑھاپے کی وجہ سے اور ساری زندگی خدمت کرنے کی وجہ سے اپنے غلام کو آزاد کر دیتے ہیں''

وَ اَنْتَ یَا سَیِّدِیْ بِهٰذَا کَرَمًا

فَاِنِّیْ قَدْ شِبْتُ فَاَعْتِقْنِیْ مِنَ النَّارِ

''اور اے میرے سردار! تو اس بات کا زیادہ مستحق ہے، اللہ! میں بھی تو (کلمہ پڑھتے پڑھتے اور تیرے در پہ سجدہ کرتے کرتے) بوڑھا ہو گیا ہوں، اللہ! آپ بھی مجھے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیجیے''

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ
وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ
اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

[اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو ورغلانے کی کوشش کی، اور سارے دروازے بند کر دیے، اور کہنے لگی ''آ بھی جاؤ'' یوسف نے کہا: ''اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی''۔ اس عورت نے تو واضح طور پر یوسف (کے ساتھ برائی) کا ارادہ کر لیا تھا، اور یوسف کے دل میں بھی اس عورت کا خیال آچلا تھا، اگر وہ اپنے رب کی دلیل کو نہ دیکھ لیتے۔ ہم نے ایسا اس لیے کیا تا کہ ان سے برائی اور بے حیائی کا رخ پھیر دیں۔ بے شک وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے تھے]

ان آیات میں ایک ایسا مضمون ہے جو پوری سورت کا لب لباب ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ

''ان کو ورغلانے کی کوشش کی''

زنا کے دو طریقے:

مرد اور عورت کے تعلقات میں زنا کے دو طریقے ہوتے ہیں۔

(۱)......ڈرانا دھمکانا (۲)...... بہلانا پھسلانا

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ ڈرانا دھمکانا زیادہ کارآمد نہیں ہوتا۔اس لیے کہ دوسرا بندہ عام طور پر ڈراوے میں نہیں آتا۔لیکن بہلانا پھسلانا ایک ایسا عمل ہے کہ جس کا فتنہ بہت زیادہ ہے۔

رَاوَدَتْهُ کا لفظ رُوَيْدَ سے ہے،جس کا معنی ہے نرمی۔تو یہ لفظ ہی بتارہا ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈرایا دھمکایا نہیں، بلکہ اس نے بہلایا پھسلایا ہے، نرمی سے مائل کرنے کی کوشش کی ہے۔

ملک کی فرسٹ لیڈی کا مکر:

اب سوچیے کہ ایک جوان العمر انسان کسی گھر کے اندر رہتا ہے اور اسی گھر میں وہ عورت بھی رہتی ہے جس کی نیت کے اندر فتور ہے،ایسی صورت میں کتنی آزمائش ہوتی ہے،وہ

......کیسے بن بن کے سنور کے سامنے آتی ہوگی

......کیسے ہنس کے بات کرتی ہوگی

......کیسے اٹکھیلیاں کرتی ہوگی

......کیسے ناز انداز دکھاتی ہوگی

اور وہ کوئی گری پڑی عورت بھی نہیں تھی، بلکہ وہ اپنے ملک کی فرسٹ لیڈی تھی! بادشاہ کی بیوی تھی۔صاف ظاہر ہے کہ بادشاہ کسی عام عورت کو تو بیوی نہیں بناتے۔وہ اپنی شکل میں، عقل میں، تعلیم میں بہت تیز طرار بھی ہوگی اور دیکھنے میں دلربا بھی ہو

گی۔ اب اگر ایسی عورت کسی مرد کے بارے میں ارادہ کرے اور مرد بھی کہیں دور نہ ہو، بلکہ ہر وقت گھر میں رہنے والا ہو تو سوچیں اس عورت کے فتنے سے بچنا کتنا مشکل ہے۔ اس لیے عورت کو یہ بھی ڈر نہیں تھا کہ میرا خاوند آئے گا اور اس مرد کو میرے ساتھ دیکھ لے گا تو کیا ہوگا۔ نہیں، بلکہ وہ تو گھر کا بندہ تھا۔ وہ تو اُسی گھر میں پلا بڑھا تھا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اس عورت نے دن رات میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کیسے مواقع ڈھونڈے ہوں گے۔ کیسی تمہیدیں باندھی ہوں گی۔ گویا کوئی کسر نہیں چھوڑی ہوگی۔ اور قرآن مجید نے مہر لگادی:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ﴾

''مزین کردی گئی ہیں شہوات انسانوں کے لیے، بالخصوص عورت کی شہوت''

گویا دنیا میں جتنے بھی فتنے ہیں ان میں سے سب سے بڑا فتنہ یہی ہوتا ہے۔

الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا

''جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے''

فائدہ 29

غیبت سے بچنے کا درس

یہاں سمجھنے والا نکتہ یہ ہے کہ یوں بھی تو کہہ سکتے تھے

رَاوَدَتْهُ رَاعِيْلُ: ''راعیل نے ان کو ورغلانے کی کوشش کی''

زلیخا کا اصل نام ''راعیل'' تھا۔ اگر یہ نام لے کر بات کی جاتی تو تھوڑے لفظوں میں بات سمٹ جاتی۔ قرآن مجید میں کلام کو لمبا تو کرلیا گیا مگر اس کے نام کو چھپائے رکھا اور فرمایا: ﴿رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا﴾ ''جس عورت کے گھر میں وہ رہتے

تھے، اس نے ان کو ورغلانے کی کوشش کی'' حالانکہ قرآن مجید کا اسلوب بیان یہ ہے کہ کم لفظوں میں پورا مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں بات لمبی کر دی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

مفسرین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ وہ پروردگار جو ہمیں دوسروں کی غیبت کرنے سے منع فرما رہے ہیں ان کے اپنے کلام میں کیسے کوئی ایسا لفظ آسکتا تھا جس سے غیبت کا شائبہ ہوتا۔

اس میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے کہ ہم بھی اگر کبھی کسی کے بارے میں بات کریں تو نام لے کر نہ کریں، مخصوص کر کے نہ کریں۔ ہاں! مجہول انداز میں ایسے بات کرنا کہ بات بھی پہنچ جائے اور اگلا اس بات کو سمجھ بھی جائے، تو یہ چیز غیبت نہیں کہلاتی۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مرد ہوں یا عورتیں، نام لے کر بات کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہی غیبت ہے۔ جبکہ شریعت نے کہا:

((اَلْغِيبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا))

''غیبت کرنا، زنا کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے''

وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ

''اور سارے دروازے بند کر دیے''

زلیخا کا دروازے بند کرنا:

عورت دروازوں کو بند کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے عصمت کے دروازے کھول رہے ہیں۔ یوں ایک دروازہ بند ہو رہا ہے اور دوسرا دروازہ کھل رہا ہے۔ دروازے بند کرنے کے بعد اس عورت نے یقیناً پیش قدمی کی ہوگی، ہاتھ بڑھایا ہوگا۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ

''یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ''

نفس وشیطان کے مکر سے بچنے کا ہتھیار:

یہاں پر نکتے کی بات یہ ہے کہ عورت کی طرف سے دعوت گناہ دی گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے جواب میں فوراً کہا: مَعَاذَ اللّٰہِ ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''

یہ مؤمن بندے کے پاس نفس اور شیطان کے مکر سے بچنے کے لیے ایک ہتھیار ہے۔اسی لیے قرآن مجید نے کہا:

﴿قُلْ رَّبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ ٥ وَ اَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ﴾

چنانچہ جب بھی شیطان کی پلاٹون حملہ کرے تو بندے کو چاہیے کہ وہ اللہ کی پناہ مانگے۔

فائدہ 30

ذاتی دشمن سے بچنے کے لیے اسمِ ذات کا استعمال

اب اس میں بھی ایک علمی نکتہ ہے۔تسمیہ یعنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم میں اللہ تعالیٰ کا ایک ذاتی نام بھی ہے اور دو صفاتی نام بھی ہیں۔ اللہ ذاتی نام ہے اور رحمٰن اور رحیم صفاتی نام ہیں۔لیکن تَعَوُّذ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم میں اللہ تعالیٰ کا صرف ایک نام ہے اور وہ بھی ذاتی نام ہے۔اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا: میرے بندو! مجھے شیطان کے ساتھ ذاتی عداوت ہے، یہ

تمہارا بھی دشمن ہے اور میرا بھی دشمن ہے۔ چونکہ مجھے اس سے ذاتی عداوت ہے۔ لہٰذا جب تم میرا ذاتی نام لے کر اس شیطان مردود سے میری پناہ مانگو گے تو پھر تمہیں اس مردود سے بچانا میری ذمہ داری ہوگی۔

اگر تعوذ میں صفاتی نام ہوتے تو لوگ کہتے کہ پتہ نہیں کس کو پکارا۔ چنانچہ فرمایا کہ میں تَعَوُّذ میں یہ نام شامل ہی نہیں کرتا، تاکہ کسی اور طرف دھیان جائے ہی نہیں۔ بس میرا ذاتی نام لے کر مجھے پکارو، پھر دیکھنا کہ میں تمہیں اس دشمن سے کیسے بچاتا ہوں۔

انسان گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو بندے کو گناہوں سے بچا سکتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں یہ کہا گیا ہے کہ جب بھی گناہ کا کوئی موقع آئے تو ہم فوراً اللہ رب العزت کی طرف رجوع کریں۔ کوئی فتنہ، کوئی مصیبت، کوئی پریشانی آئے تو فوراً رجوع الی اللہ کریں، فوراً اللہ کی پناہ ڈھونڈیں۔ اسی لیے حضرت یوسف D نے اس کے جواب میں فوراً فرمایا: مَعَاذَاللّٰہِ ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''

فائدہ 31

اللہ کی پناہ اور فتنوں سے حفاظت

جب بھی کسی نے اللہ کی پناہ چاہی، اللہ نے اسے فتنوں سے بچایا۔ چنانچہ قرآن مجید سے اس کی مثالیں سنیے:

⊙ ......عمران کی زوجہ کے ہاں بیٹی ہوئی۔ وہ دعا مانگتی ہیں:

﴿وَاِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾

''(اے پروردگار!) میں اس بچی اور اس کی اولاد کے معاملے میں شیطان

مردود سے تیری پناہ چاہتی ہوں‘‘

آپ دیکھیں کہ اللہ رب العزت نے بی بی مریم کو کیسی پاکدامنی کی زندگی عطا فرمائی۔ان کی پاکدامنی پر تو قرآن نے گواہی دی۔ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس عورت کو میں نے پوری دنیا کی عورتوں میں سے چن لیا۔اس عورت کے بارے میں اس کی والدہ نے کیا دعا مانگی تھی؟ کہ اللہ! اس کو شیطان مردود سے محفوظ فرمانا۔جب حفاظت کی دعائیں ماں نے کی ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ اولاد کی ایسے حفاظت فرما دیتے ہیں۔

ایک وقت ایسا بھی آیا جب بی بی مریم علیہا السلام نہانے کے لیے گھر کی مشرقی سمت میں گئیں۔اس وقت جبرئیل علیہ السلام ایک بھرپور مرد کی شکل میں ان کے سامنے آ گئے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

﴿فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾

’’ہم نے جبرئیل علیہ السلام کو اس کی طرف ایک بھرپور نوجوان کی شکل میں بھیجا‘‘

بی بی مریم علیہا السلام آج کے دور کی کوئی بگڑی ہوئی بیگم تو نہیں تھیں جو غیر محرم کو دیکھ کر مسکرا پڑتیں، بلکہ وہ تو ایک پاکدامن عورت تھیں۔جیسے ہی انہوں نے مرد کو اپنے سامنے پایا تو فوراً کہنے لگیں:

﴿إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا﴾

فوراً اللہ کی پناہ مانگی۔جو پاکیزہ لوگ ہوتے ہیں وہ ایسے معاملے میں ہمیشہ اسی طرح اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

⊙......حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا واسطہ ایک ایسے ظالم کے ساتھ پڑ گیا جس نے ان کا جینا حرام کر دیا تھا۔قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتی تھی:

﴿أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِن بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾

''(اے موسیٰ علیہ السلام!) ہم آپ کے آنے سے پہلے بھی اس مصیبت میں مبتلا تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی اسی میں ہیں''

اس ظلم سے ان کو نجات کیسے ملی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس متکبر سے اللہ کی پناہ مانگی، اور اللہ تعالیٰ نے اس متکبر کو دریا میں غرق فرما دیا اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرما دی۔

⊙ ......حضرت نوح علیہ السلام اللہ رب العزت سے عرض کرتے ہیں: اے اللہ! میرا بیٹا تو پانی میں ڈوب گیا، حالانکہ وہ تو میرے اہل میں سے ہے، اور آپ کا وعدہ تھا کہ میں تمہارے اہل کو بچاؤں گا۔ اس کے جواب میں رب کریم نے فرمایا:

﴿اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ﴾

''وہ تیرے اہل میں سے نہیں تھا، اس کے عمل اچھے نہیں تھے اور آپ ایسی بات مجھ سے نہ پوچھیں جس کا آپ کو علم نہیں''

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضگی کا اظہار ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے فوراً جواب میں کہا:

﴿رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ﴾

فوراً اللہ رب العزت کی پناہ مانگی، اور اللہ رب العزت نے اس بات کو معاف فرما دیا۔

صدیقین کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ وہ جب بھی کسی فتنے میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ اللہ رب العزت کی پناہ مانگتے ہیں اور پھر اللہ رب العزت اپنے بندوں کو اس سے

محفوظ فرما دیتے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں اس امت کو ایک دعا سکھائی گئی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس دعا کو پڑھا کریں۔

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ))

یہ تعوذ ہے اور اس کو دن رات میں پڑھنے کی برکتیں بھی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اولادوں کو یہ یاد کرائیں۔ جب ان کے ذہن میں گناہ کا کوئی وسوسہ آئے یا ان کے سامنے کوئی گناہ کی بات کرے تو وہ فوراً اس کو پڑھیں۔ اس کی برکت سے اللہ رب العزت انہیں اس فتنے سے محفوظ فرمائیں گے۔

معوّذتین کی فضیلت:

اس امت کو دو نعمتیں اور بھی ملیں۔ ان کو ''معوذتین'' کہتے ہیں...... قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ...... اکثر لوگ ان سورتوں کو کم پڑھتے ہیں۔ بہت تھوڑے لوگ ان کو پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر ان سورتوں کو باقاعدہ پڑھیں تو بندے کے اوپر نہ تو کوئی تعویذ اثر کرسکتا ہے، نہ کوئی جن اثر کرتا ہے، نہ کوئی سفلی عمل اثر کرتا ہے اور نہ کوئی کالا عمل اثر کرسکتا ہے۔ کوئی چیز اثر کر ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ ریمیڈی یعنی علاج فائنل کردیا ہے۔ ہاں! یہ چیزیں اس وقت اثر کرتی تھیں جب قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا۔ جب قرآن مجید نازل ہوگیا تو علاج مل گیا۔ ان سورتوں کو پڑھ لو، اللہ رب العزت کی رحمت ہوجائے گی۔

آیت الکرسی کی فضیلت:

آیت الکرسی کی بھی بہت فضیلت ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی گندم

کم ہو جاتی تھی۔انہوں نے پہرہ دیا اور آیت الکرسی بھی پڑھی۔دراصل ایک جن تھا جو گندم چوری کرتا تھا، انہوں نے آیت الکرسی پڑھ کر اس جن کو پکڑ لیا۔پتہ چلا کہ آیت الکرسی ایک ایسی آیت ہے کہ جس کو پڑھیں تو جن بھی چوزہ بن جاتا ہے۔مگر ہمارے پاس کہاں فرصت کہ ہم اسے سونے سے پہلے پڑھ لیں، بلکہ اس کو پڑھنا یاد ہی نہیں آتا۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھے اس کے اور جنت کے درمیان صرف اس کی موت کا فاصلہ ہوگا، اس کے مرتے ہی اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرما دیں گے۔چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم جب فرضوں کا سلام پھیریں تو فوراً آیت الکرسی پڑھیں۔اپنے بچوں پر آیت الکرسی پڑھ کر حصار کریں۔ اس سے انسان شیطان سے بھی بچتا ہے اور جو انسانوں کے شکل میں شیطان ہوتے ہیں ان سے بھی بچ جاتا ہے۔

اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ط

''اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے''

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے کہا: دیکھو! میرا مربی کتنا اچھا ہے اور اس نے کتنے اچھے طریقے سے مجھے اپنے گھر میں پالا ہے۔

فائدہ 32

احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے

اب اس میں سمجھنے کا نکتہ یہ ہے کہ انہوں نے زلیخا کو کوئی شرعی دلیل نہیں دی۔مثلاً یہ نہیں فرمایا کہ شریعت میں زنا حرام ہے اس لیے میں نہیں کر سکتا۔کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ

اس عورت کے اوپر اس وقت جذبات سوار ہیں، اس لیے اگر اس وقت اس کو شریعت کی کوئی بات کر بھی دی تو اس کو سمجھ میں نہیں آئے گی، چنانچہ اس کو اس وقت عقلی بات سمجھانی چاہیے کہ تُو عقل کی رتی لے اور اس عمل کی قباحت کو سمجھ۔ اس لیے انہوں نے اس کو جو عقلی دلیل دی، وہ یہ تھی کہ دیکھو! جس بندے نے مجھے اپنے گھر میں اتنی چاہتوں اور محبتوں سے پالا، میں اسی کے ساتھ نمک حرامی کیسے کر سکتا ہوں؟ میں احسان فراموش کیسے بن سکتا ہوں؟ یہ جذبۂ وفا ہے۔

شریعت نے ایک اصول بتا دیا:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾

''احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے''

یعنی جو تمہارے ساتھ بھلا کرے، تم اس کے ساتھ بھلا کرو۔ جو تمہارے ساتھ نیکی کرے، تم اس کے ساتھ نیکی کا معاملہ کرو۔

دینِ اسلام کی خوبصورتی دیکھیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ))

''جو انسانوں کا شکرادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکرادا نہیں کرتا''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَنْ اُوْلِيَ مَعْرُوْفًا فَلْيُكَافِي بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَلْيَذْكُرْهُ فَمَنْ ذَكَرَهٗ فَقَدْ شَكَرَهٗ

''جس بندے کے ساتھ بھلائی کا معاملہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ بھی اس کا بدلہ بھلائی کے ساتھ دے۔ اگر اس کی اتنی حیثیت نہیں کہ وہ بھلائی کا معاملہ کر سکے تو پھر اس کی بھلائی کا تذکرہ کرے، یہی اس کا شکرادا کرنا ہے''

یعنی اگر تم اس کا تذکرہ کرو گے تو گویا تم اس کا شکرادا کر دو گے۔

آج تو حالت یہ ہے کہ اگر بڑا بھائی، باپ بن کر ساری عمر پالتا ہے تو چھوٹے کی زبان سے ایک مرتبہ بھی شکریہ کا لفظ نہیں نکلتا۔ ہم اتنے احسان فراموش بنتے جا رہے ہیں۔

بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام:

اس معاملے میں تو جانور ہم سے زیادہ اچھے ہیں۔ مثال کے طور پر: کتے کو کتنی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو گالی دینی ہو تو لوگ کتے کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اس جانور کے اندر وفا بہت زیادہ ہے۔ جس آدمی کے گھر سے یہ ایک مرتبہ ٹکڑا کھا لیتا ہے، یہ اس بندے کا در چھوڑ کر نہیں جاتا۔ اسی کے گھر کا پہرہ دیتا ہے اور اسی کے در پہ بیٹھا رہتا ہے۔ اپنی زندگی بھی وہیں گزار دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب کلام فرمایا؛

راتیں جاگیں تے شیخ سڈاویں راتیں جاگن کتے ،تیتھوں اتے
رکھا سکھا ٹکڑا کھا کے دنیں جا رکھاں وچ ستے ،تیتھوں اتے

وہ روکھا سوکھا ٹکڑا کھاتے ہیں اور ساری رات جاگنے کے بعد صبح ان کے لیے بستر نہیں ہوتا، کہ وہ بستر میں، رضائی میں، یا ائیر کنڈیشنڈ کمرے میں سوئیں۔ نہیں، بلکہ وہ کسی درخت کے ساتھ یا کسی دیوار کے ساتھ زمین پر ہی لیٹ جاتے ہیں اور ان کے لیے تکیہ بھی نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جب ہم کبھی رات کو ڈیوٹی کر کے آئیں تو ہمارا کیا حال ہوتا ہے؟ گھر میں کرفیو لگا ہوتا ہے کہ کوئی بچہ آواز مت نکالے، بیوی بیچاری بچوں کی منتیں کرتی پھر رہی ہوتی ہیں، شور مت مچاؤ، اگر تمہارے ابو کی آنکھ کھل گئی تو مجھ پر مصیبت آ جائے گی۔ بھئی! ہم ڈیوٹی کر کے آئیں تو نرم بستروں کے اندر، لحاف کے اندر مزے کی نیند سوئیں اور پھر کھانا بھی کھائیں تو کیا لطف اور مزے کا!

......دوسری طرف جانور کو دیکھیں کہ اس نے ساری رات جاگ کر گزاری اور صبح کو اس کے لیے بستر اور پلنگ نہیں ہوتے، بلکہ اس کے لیے زمین ہوتی ہے جس کے اوپر وہ بیٹھ جاتا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی نیند پوری کر لیتا ہے۔......آگے فرماتے ہیں:

در مالک دا مول نہ چھوڑن بھانویں مارے سو سو جتے، تیتھوں اتے
اٹھ بلھیا! تو یار منا لئیں تے بازی لے گئے کتے، تیتھوں اتے

اللہ اکبر کبیرًا!......وہ ایک ٹکڑا کھاتا ہے اور پھر ساری رات جاگتا ہے، ہم نعمتیں کھا کھا کے رات کے آخری پہر دو نفل پڑھنے کا وقت جاگ نہیں پاتے۔

کتے کی وفاداری کا تجربہ:

کتے کی وفاداری کا تجربہ اس عاجز کو بھی چھوٹی عمر میں ہوا۔ اس وقت میری عمر اندازاً چار سال کے قریب تھی۔ کتے کا ایک چھوٹا سا بچہ کہیں سے ہماری گلی میں آ گیا۔ میں بھاگ کر اپنی امی کے پاس گیا اور کہا: امی! روٹی کا ایک ٹکڑا دیں، باہر کتے کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے، اس کو کھلانا ہے۔ انہوں نے مجھے روٹی کا ٹکڑا دے دیا۔ میں نے باہر جا کر ڈالا تو اس نے کھا لیا۔ اس کے بعد اس نے وہیں رہنا شروع کر دیا...... والد صاحب نے مجھے شروع سے ہی سمجھا دیا کہ کتے کو گھر میں نہیں آنے دینا، اس لیے کہ اس کی موجودگی میں رحمت کا فرشتہ گھر میں نہیں آتا۔ اس لیے ہم اس کو گھر میں نہیں آنے دیتے تھے......وہ ہمارا دروازہ چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا تھا۔ وہ میرے باہر نکلنے کا انتظار کرتا تھا۔ جب اسکول جانے کا وقت ہوتا یا آنے کا وقت ہوتا تو وہ مجھے دیکھ کر قریب آتا۔ پھر میں اپنی امی کے پاس جا کر کہتا: امی! تھوڑی سی روٹی دیں میں اس کو ڈال دوں۔ مجھے روٹی ڈالنے میں مزہ آتا اور اس کو کھانے میں مزہ آتا۔

وہ پلتے پلتے بڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی ہمارے دروازے پر گزار

دی۔ وہ ساری ساری رات جاگتا تھا۔ رات کو عشا کے بعد ہماری گلی سے کسی عام بندے کا گزرنا مشکل ہوتا تھا۔ وہ کسی کو ہمارے گھر کے قریب نہیں آنے دیتا تھا۔ میری بڑی بھابھی اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ جب وہ صبح اسکول جاتی تھیں تو وہ کتا بھی ساتھ جاتا تھا اور جب چھٹی کا وقت ہوتا تھا تو سکول سے ان کو لے کر آتا تھا۔ میں روزانہ یہ دیکھتا تھا۔

ایک دن میری حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ میں اسکول سے پیدل آرہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہماری بھینس کھلی ہوئی تھی اور وہ دوسری گلی میں جارہی تھی۔ اب وہی کتا اس کے آگے کھڑا ہے اور اس کو آگے جانے نہیں دے رہا۔ تو میں بھاگا ہوا آیا اور اپنی امی کو بتایا کہ ہماری بھینس کھل گئی ہے...... کتے کی وفا دیکھو۔ جس سے اس نے ایک ٹکڑا کھایا اس کے ساتھ اس کی اتنی وفا ہے تو پھر انسان کی اپنے محسن کے ساتھ وفا کتنی ہونی چاہیے۔ اور پھر وہ مالک الملک جس نے اتنی نعمتوں سے نوازا، ہم اس کے حکموں پر عمل کر کے کیسے وفا دکھا سکتے ہیں۔

کافر کے احسان کا بدلہ

شریعت نے جو یہ کہا ہے:

''اگر محسن کافر بھی ہو تو بھی تم اس کے احسان کا بدلہ دو''

اس کی روشن مثالیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی میں ملتی ہیں۔

⊙......قریش کا ایک سردار تھا۔ اس کا نام تھا، مطعم بن عدی۔ اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دو احسانات تھے۔

ایک احسان یہ تھا کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شعب ابی طالب کے اندر دو سال

کے لیے بند کر دیا گیا تھا تو اس نے دوسرے قریش مکہ سے بات کر کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باہر نکلنے میں مدد کی تھی۔

اور دوسرا احسان یہ تھا کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام طائف تشریف لے گئے تو طائف سے واپسی پر اہلِ مکہ نے کہا تھا کہ آپ شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس وقت یہ مطعم ہی تھا جس نے اپنی ذمہ داری اور امان پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوبارہ مکہ مکرمہ میں داخل کیا تھا۔

جب بدر کی لڑائی ہوئی تو اس وقت قریش کے بڑے بڑے سردار بھی گرفتار ہوئے اور دوسرے لوگ بھی پکڑے گئے۔ اس طرح کفار کے کل ستر بندے گرفتار ہوئے تھے۔ اب مکہ کے لوگوں نے سوچا کہ یہ قیدی کیسے چھڑائیں؟ اس وقت مطعم وفات پا چکے تھے۔ ان کے بیٹے کا نام جبیر بن مطعم تھا۔ قریشِ مکہ نے ان کو نامزد کیا کہ آپ جائیں اور مسلمانوں کے پیغمبر سے بات کریں کہ ہمارے قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ جب ان کے بیٹے نے آکر بات کی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا:

((لَوْ كَانَ مُطْعَمٌ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ))

''اگر آج (تمہارے والد) مطعم زندہ ہوتے اور وہ مجھ سے ان مرداروں کے بارے مین بات کرتے تو میں ان کی وجہ سے ان سب کو آزاد کر دیتا''

دیکھو! ایک کافر کے احسان کا بدلہ کیسے دیا۔

◉...... بدر کے ان قیدیوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے...... اس وقت ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ کفار کی طرف سے آئے تھے اور گرفتار ہو گئے تھے...... ان کے بدن کے اوپر کپڑا بھی پورا نہیں تھا...... اب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چاہا کہ ان کو کوئی قمیص پیش کی جائے، اس لیے کہ رشتہ دار تھے...... کتنا قریبی رشتہ تھا، آخر خون تھا...... تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قمیص پہنانا چاہتے تھے، مگر ان کا ڈیل ڈول اور قد وقامت ذرا زیادہ بڑا تھا۔ اس لیے کوئی عام کرتہ ان کو پورا ہی نہیں آرہا تھا۔

رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی وہیں تھا۔ اس کا قد وقامت اسی طرح کا تھا۔ اس لیے اس کا کرتہ پورا آ گیا۔ چنانچہ منافقوں کے سردار نے اپنا کرتہ دے دیا اور وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنا دیا گیا۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی یادداشت میں یہ بات رہی کہ اس نے میرے چچا کو اپنا کرتہ پیش کیا ہے، لہٰذا جس وقت وہ منافقین کا سردار مرا تو اس کے باوجود کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ یہ منافقوں کا سردار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کفن کے لیے خود اپنی قمیص عطا فرما دی۔ اس کو کہتے ہیں:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾

سبحان اللہ! دیکھیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کافروں کے احسان کا بدلہ بھی احسان میں دیتے تھے اور ہم اپنے گھر میں، رشتہ داروں میں اور اپنے دوستوں میں احسان کے بدلے میں کیا سلوک کرتے ہیں۔

قریش مکہ کی دلجوئی

جب مکہ فتح ہوا تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو اہلِ مکہ کو معاف کر دیا اور ان سے بدلہ نہیں لیا۔ چاہتے تو بدلہ لے سکتے تھے، کیونکہ انہوں نے دس سال تک مسلمانوں کو تکالیف پہنچائی تھیں۔ اگر بدلہ لیتے تو جائز تھا۔ لیکن اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا اور فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾

دوسرا یہ کہ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد غزوۂ حنین ہوا۔ اس غزوہ میں مشرکین کے وہ سردار بھی شامل تھے جو فتح مکہ کے وقت اسلام لائے تھے۔ اللہ کی شان کہ مالِ

غنیمت مین ہزاروں بکریاں، جانور اور قیدی ہاتھ آئے۔ جب ان کو تقسیم کرنے کا وقت آیا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے اس مالِ غنیمت کا بڑا حصہ قریش میں تقسیم فرما دیا۔

انصار صحابہ سے نبیء رحمت ﷺ کا دلربا خطاب:

جب مالِ غنیمت کا بڑا حصہ قریش میں تقسیم فرما دیا تو مدینے کے کچھ نوجوانوں کو یہ بات عجیب لگی۔ اس لیے کہ پہلے تو اللہ کے حبیب ﷺ سب میں برابر تقسیم فرماتے تھے اور اس مرتبہ مدینہ کے بندوں کو گویا نظر انداز کر دیا اور سارا کا سارا مال ہی مکہ والوں کو دے دیا، حالانکہ ہماری تلواریں اب تک ان کے خون سے ٹپکتی ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ مشکلات اور شدائد میں تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور مالِ غنیمت دوسروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

جب اللہ کے حبیب ﷺ کو ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے انصار کو جمع کر کے ان سے خطاب فرمایا۔ وہ کیا ہی تاریخی باتیں ہیں!...... ذرا سنیے!

اللہ کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے انصار! یہ کیا بات ہے جو میں سن رہا ہوں؟''

انصار نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے سربرآوردہ، سمجھدار اور اہلِ رائے لوگوں میں سے کسی نے یہ بات نہیں کی۔ ہاں! چند کم عمر نوجوان ہیں جنہوں نے ایسا کہا ہے''

اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اے گروہ انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے، اللہ نے تمہیں میرے واسطے سے ہدایت دی۔ تم آپس میں دشمن تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمہارے دل ملا دیے۔ تم فقیر اور کنگال تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تم کو مالا مال کیا۔''

انصار نے کہا: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ جو فرماتے ہیں وہ بالکل بجا اور درست ہے۔ بے شک اللہ کے رسول ﷺ کا ہم پر بڑا احسان ہے''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میری بات کا یہ جواب دے سکتے ہو کہ اے محمد ﷺ! جب لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ جب آپ بے یار ومددگار تھے تو اس وقت ہم نے آپ کی مدد کی۔ جب آپ (ہجرت سے پہلے) بے سہارا اور بے ٹھکانہ تھے۔ تو ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔ جب آپ مفلس تھے تو ہم نے آپ کی یاری اور غمگساری کی۔ اے گروہِ انصار! کیا تمہارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ میں نے اس دنیا میں سے جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں، کچھ متاعِ قلیل اور دراہم معدودہ ان چند لوگوں کو ان کی تالیف قلب کے لیے دے دیے اور تمہارے اسلام اور ایمان پر بھروسہ کر کے تم کو چھوڑ دیا''

پھر اللہ کے حبیب ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''میں ان لوگون کے نقصان کی کچھ تلافی کرنا چاہتا تھا اور ان کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ غزوات میں ان کے بھائی بند قتل ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں ان کو پہنچیں۔ جن سے اللہ نے تم کو محفوظ رکھا۔ پس تالیفِ قلب کے لیے ایسے لوگوں کو مال دینا مناسب ہے۔ اور تم اہلِ ایمان ہو، ایمان اور ایقان کی بے مثال دولت سے مالا مال ہو۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول ﷺ کو لے کر مدینہ جاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر ہجرت کا تقدیری امر نہ ہوتا تو میں بھی انصار

میں سے ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھاٹی کو چلیں اور انصار دوسری گھاٹی کو، تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا۔ اے اللہ! تو انصار پر اور ان کی اولاد، اور اولاد والا ولاد پر رحم اور مہربانی فرما''

یہ فرمانا تھا کہ انصار جانثار چیخ اٹھے اور روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے:

''ہم اس تقسیم پر دل وجان سے راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ہمارے حصے میں آیا ہے''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ مکرمہ سے کتنی محبت تھی، مگر مکہ فتح ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رہائش نہیں رکھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مدینے والوں سے وفا کی کہ جب میں بے سہارا تھا اس وقت تم نے میرا ساتھ دیا تھا، اب فتح کے بعد میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وفا کا جذبہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی یہی تعلیم دی کہ تم بھی اپنے اندر وفا پیدا کرو۔

یہ جذبۂ وفا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ اس نعمت کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

''وہ میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔ سچی بات یہ کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نمک حراموں اور احسان فراموشوں کو کبھی فلاح نہیں دیتے۔

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ

''اس عورت نے تو واضح طور پر یوسف (کے ساتھ برائی) کا ارادہ کرلیا تھا،

اور یوسف کے دل میں بھی اس عورت کا خیال آچلا تھا، اگر وہ اپنے رب کی دلیل کو نہ دیکھ لیتے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا دلیل دیکھی؟

یہ دلیل کیا تھی؟ اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

⊙......بعض مفسرین نے لکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے کو دیکھا۔ چنانچہ ان کو چہرہ دیکھنے سے یہ بات یاد آگئی کہ یوسف! تم کس باپ کے بیٹے ہو اور انہوں نے تجھے بعد میں کس خوش خبری کی بشارت دی ہے، اور اب تم کس مصیبت میں گرفتار ہو رہے ہو؟ تو اس برہان (دلیل) کو دیکھ کر آپ اپنی بات پر مضبوطی سے ڈٹے رہے۔

⊙......بعض مفسرین نے لکھا کہ یہاں برہان (دلیل) سے مراد وہ علم تھا، وہ حکمت تھی جو اللہ نے آپ کو عطا کی تھی، جس کی وجہ سے ان کو حکمِ خداپر حق الیقین نصیب ہو گیا تھا......ایک ہوتا ہے علم الیقین، ایک ہوتا ہے عین الیقین اور ایک ہوتا ہے حق الیقین......انبیائے کرام کو اللہ کے وعدوں پر ایسا یقین ہوتا ہے، جیسے کسی چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر یقین ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جو یہ حق الیقین نصیب ہوا تھا، یہی برہان تھا اور اس کی وجہ سے انہوں نے اس عمل سے اس وقت انکار کر یا۔ واقعی! اگر انسان کو یہ احساس ہو کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ اس وقت گناہ سے ایک طرف ہٹ جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں تو یہ احساس پختہ ہو چکا تھا کہ پروردگار مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے انہوں نے جواب میں فوراً کہہ دیا:

(مَعَاذَ اللّٰهِ) ''اللہ کی پناہ''

قصد کس نے کیا؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصد کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے عورت کا قصد کیا، کیونکہ ھَمَّ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اس میں نکتے کی بات یہ سمجھیں کہ اگر کوئی بندہ کسی کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو جواب میں وہ بھی ہاتھ اٹھاتا ہے۔ مگر مارنے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے۔ دیکھیں! اس میں عمل تو ایک جیسا ہو رہا ہے نا۔ ہاتھ اس نے بھی اٹھائے اور ہاتھ اُس نے بھی اٹھائے۔ مگر اِس نے ہاتھ اٹھائے مارنے کی نیت سے اور اُس نے ہاتھ اٹھائے اپنے آپ کو بچانے کی نیت سے۔ اس لیے اس آیت میں دونوں ھَمَّ کے درمیان فرق یہی ہے کہ عورت نے ہاتھ بڑھایا تھا گناہ کو پورا کرنے کے لیے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ہاتھ اٹھایا تھا اسے اپنے سے دور کرنے کے لیے ۔لیکن ھَمَّ کا لفظ یہاں بھی استعمال ہوا اور وہاں بھی۔

ان دونوں میں فرق ہے...... طلبا متوجہ ہوں!...... عورت کے لیے جو ھَمَّ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے پہلے تاکید کی دو باتیں استعمال ہوئیں۔ آیت تو یہ ہے نا:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾

اس میں لام بھی تاکید کا اور قد بھی تاکید کا۔ گویا اس عورت کے ھَمَّ کے بارے میں دو تاکیدیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ اس کا ارادہ تو ڈبل پکا تھا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَهَمَّ بِهَا﴾

اس کے شروع میں تاکید کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے اسلوبِ بیان اور طرزِ تکلم میں بھی دونوں ھموم کے درمیان فرق نظر آتا

ہے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ

''ہم نے ایسا اس لیے کیا تا کہ ان سے برائی اور بے حیائی کا رخ پھیر دیں۔''

کھلی ڈھلی بات:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی طرف نسبت فرما رہے ہیں کہ ہم نے ان سے برائی اور بے حیائی کو دور کر دیا۔ یہاں سے بات بالکل کلیئر ہو گئی کہ اس عمل میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا۔

بھئی! ہم اور آپ تو نیکی بھی کرتے ہیں اور گناہ بھی ہو جاتا ہے، لیکن جو اولیاء اللہ ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچا لیتے ہیں، گناہوں سے ان کی حفاظت فرما دیتے ہیں، لیکن جو انبیائے کرام ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ گناہوں کو ان تک پہنچنے ہی نہیں دیتے۔ یہ نبوت کی شان ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایسا اس لیے کیا تا کہ ان سے برائی اور بے حیائی کا رخ پھیر دیں، یعنی ان گناہوں کو ان تک پہنچنے ہی نہیں دیا۔ بھئی! جب اللہ ہی گناہ کو دور کر دیتا ہے تو پھر ان حضرات کی عصمت بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوتی ہے۔

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ

''بے شک وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے تھے''

اس آیت سے پتہ چلا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اخلاص والے تھے۔ ان کا گناہ کرنے کا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے بچنے کے لیے کوشش کی تھی۔

فائدہ 33

نیک نیت بندے کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے

سچی بات تو یہ ہے کہ جو بندہ نیک نیت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے کی ضرور حفاظت فرماتے ہیں۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِذَا اَخْلَصَ الْعَبْدُ لِلّٰهِ حَمَاهُ اللّٰهُ مِنَ الْفِتَنِ وَ وَقَاهُ الْمِحَنَ وَ جَنَّبَهُ الشُّرُوْرَ

''جب بندہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے مخلص ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس سے فتنے بھی ہٹا دیتا ہے، اسے اللہ امتحانوں سے بھی محفوظ فرما لیتا ہے اور اللہ شر سے بھی اس کو دور کر دیتا ہے''

بس ایک اصولی بات ذہن میں رکھیں کہ اگر نیت ٹھیک ہو تو اللہ تعالیٰ کی مدد آ ہی جاتی ہے اور یہ بھی پکی بات ہے کہ جو نیک نیت بندہ ہو، اس کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

ایک دلچسپ حکایت:

دو دوست تھے۔ ایک بہت نیک تھا اور دوسرا بہت بگڑا ہوا تھا۔ جو نیک تھا اس کا نام ''نیکوکارہ'' سمجھ لو، اور جو بگڑا ہوا تھا اس کا نام ''بدکارہ'' سمجھ لو۔ نیکوکارہ ہر موقع پر نیکی کرتا اور بدکارہ ہر موقع پر اس کے ساتھ بدتمیزی کرتا۔ چونکہ نیکوکارہ نیک نیت تھا، اس لیے وہ اس کا دوست بنا رہا۔ نیکوکارہ کو اس کی وجہ سے بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں...... عجیب بات یہ ہے کہ جس کسی کے ساتھ بھلائی زیادہ کرو تو وہ الٹا تنگ ہو

جاتا ہے...... بدکارہ کا بھی یہی حال تھا کہ نیکوکارہ اس کے ساتھ جتنی بھلائی کرتا، وہ اتنا ہی تنگ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ بدکارہ کسی بات پر اتنا ناراض ہوا کہ وہ کہنے لگا: کیا مصیبت ہے کہ تم میری جان ہی نہیں چھوڑتے۔ نیکوکارہ نے جواب دیا: بس! یہ آپ ہی کی برکت ہے۔ اب وہ جب بھی غصے میں آتا تو اس کو یہی جواب ملتا: بس! یہ آپ ہی کی برکت ہے۔ وہ یہ بات بار بار سن کر تنگ آ گیا۔

ایک دن نیکوکارہ کنویں پر بیٹھ کر پانی پینے لگا۔ بدکارہ کو غصہ آیا اور اس نے دھکا دے کر نیکوکارہ کو کنویں کے اندر پھینک دیا۔ اس کو تیرنا تو آتا نہیں تھا، اس لیے بدکارہ نے خیال کیا کہ اب یہ اس میں ڈوب کر مر جائے گا اور میری جان چھوٹ جائے گی۔ اس کے بعد بدکارہ واپس آ گیا۔

نیکوکارہ جب نیچے گرا تو اس نے جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے ...... بھئی! جو بندہ پانی میں گرتا ہے وہ جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہی ہے۔ سِومنگ (تیراکی) کے ماہرین تو بتاتے ہیں کہ اگر چار مہینے کے بچے کو پانی میں پھینک دیں تو وہ بھی ہاتھ پاؤں مار کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ اور نو مہینے کا بچہ سِومنگ (تیراکی) سیکھ سکتا ہے۔ جی ہاں! وہ باقاعدہ سوئمنگ سیکھ سکتا ہے...... نیکوکارہ نے جب ہاتھ پاؤں مارے تو اس کا ہاتھ ڈول کے رسے پر پڑ گیا۔ اس نے اس کو پکڑ لیا۔ وہ کافی دیر تک وہاں رہا۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میرے دوست نے میرے ساتھ کیا کیا؟ مجھے کنویں میں دھکا دے دیا، مجھے جان سے مارنا چاہتا تھا۔ خیر اس نے دل میں سوچا کہ اگر میں زندہ سلامت کنویں سے نکل گیا تو پھر میں اس بستی میں نہیں رہوں گا، میں اسے چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔ چنانچہ وہ کوشش کر کے رسے کے سہارے باہر نکل آیا۔

جب وہ باہر نکل آیا تو وہ بہت غمگین تھا۔ اس وقت اس کو دو پرندے آپس میں

باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیے۔......اللہ تعالیٰ نے اس کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم تھوڑی دیر کے لیے دے دیا ہوگا۔......ایک پرندہ دوسرے سے کہہ رہا تھا: سناؤ! کیا حال ہے؟ اس نے کہا: بادشاہ کی بیٹی بیمار ہے، اور یہ جو سامنے جڑی بوٹی ہے، اس میں اس کا علاج ہے اور کسی کو پتہ ہی نہیں ہے۔ پھر اس نے کہا: تم سناؤ کیا حال ہے؟ دوسرے پرندے نے کہا: یہ جو ٹیلہ ہے اس کے اندر بہت سارا خزانہ چھپا ہوا ہے اور کسی کو پتہ ہی نہیں ہے۔ نیکوکارہ نے بڑی توجہ کے ساتھ بات سنی اور پھر وہ پرندے اڑ گئے۔

اب اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں اور جانے کے بجائے، کیوں نہ میں بادشاہ کی طرف جاؤں۔ اگر واقعی اس کی بیٹی بیمار ہے تو میں کہوں گا کہ میں علاج کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا۔ اس نے جا کر پتہ کیا۔ واقعی! بادشاہ کی بیٹی بیمار تھی، اور بادشاہ چاہتا تھا کہ حکیم آئیں اور اس کا علاج کریں۔ اس نے یہ بھی اعلان کر رکھا تھا کہ جو حکیم میری بیٹی کا علاج کرے گا میں اس کو بڑا انعام دوں گا۔

لو جی! وہ نیکوکارہ بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ اس نے اس سے کہا: بادشاہ سلامت! میرے پاس آپ کی بیٹی کا علاج ہے۔ بادشاہ نے کہا: دوائی لے آؤ۔ اس نے وہی جڑی بوٹی لی اور جا کر جب اس کو کھلائی تو واقعی اس کی طبیعت ٹھیک ہوگئی۔

بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اس نے سوچا کہ اور تو کوئی اس کا علاج کر ہی نہیں سکا، یہ حکیم بھی ہے، شکل کا بھی اچھا ہے، عقل کا بھی اچھا ہے، تو کیوں نہ میں اس بیٹی کا اس سے نکاح ہی کر دوں، اس کی بیماری کا علاج بھی اس کے پاس ہے۔ لو جی! اس نے اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اب تو نیکوکارہ کے مزے ہو گئے۔ عزت بھی ہے، مال بھی ہے اور ٹھاٹھ کی زندگی بھی ہے۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ ایک دن وہ کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں اس کی اسی بدکارہ

سے ملاقات ہوگئی۔اس نے جب نیکوکارہ کو دیکھا تو چونک کر کہا: اوتو فلاں ہے؟ تم ادھر کیسے؟ نیکوکارہ نے کہا: بس آپ ہی کی برکت ہے۔جب اس نے کہا کہ بس آپ ہی کی برکت ہے۔تو بدکارہ کو اندر ہی اندر غصہ تو آیا مگر کہہ کچھ نہ سکا۔

اب بدکارہ نے کیا کیا؟ اس نے فوج کے لوگوں سے کہا کہ یہ تو فلاں گاؤں کا فلاں بندہ ہے، یہ کہاں سے حکیم آ گیا، غریب گھرانے کا بندہ تھا، اس کا داؤ لگ گیا ہے اور اب وہ بادشاہ کا داماد بن کے پھر رہا ہے۔

بات چلتے چلتے بادشاہ تک پہنچ گئی۔یہ سن کر بادشاہ کو بڑا غصہ آیا کہ اچھا! یہ ایک غریب گھرانے کا بندہ تھا، کمّی قسم کا بندہ تھا اور ہمارے سامنے اس نے کہا کہ میں حکیم ہوں۔چنانچہ اس نے تحقیقات کرنے کا حکم دے دیا۔بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ اس بات کی تحقیق کرنی ہے کہ تمہارے پلے کیا ہے؟ تمہارا اکنامک سٹیٹس (معاشی صورت حال) کیا ہے؟ چنانچہ جب اس سے یہ بات پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ میرے پاس تو بہت سارا خزانہ ہے۔میں نے اسے چھپا کے رکھا ہوا ہے، نکالا نہیں ہے، نکالا اس لیے نہیں کہ کہیں بادشاہ کو یہ بات بری نہ لگے۔

جب بادشاہ کو یہ رپورٹ ملی تو بادشاہ نے کہا کہ اس خزانے کو نکالو۔اس نے کہا: اس کے لیے بندے چاہئیں۔لو جی! اس نے بندے لیے اور اسی ٹیلے پر جا پہنچا۔نیکوکارہ نے ان سے کہا کہ اس ٹیلے کو کھودو اور ریت کو ہٹاؤ۔جب ریت ہٹائی گئی تو دیکھا کہ وہاں تو واقعی خزانہ تھا۔کسی نے سونا اور چاندی دبایا ہوا تھا۔جب اتنا خزانہ نکلا تو بادشاہ بڑا خوش ہوا کہ میرا داماد تو اتنے خزانوں والا ہے۔اس نے اس خوشی میں نیکوکارہ کو اپنی فوج کا انچارج بنا دیا۔لو جی! داماد پہلے تھا اور اب فوج کا کمانڈر انچیف بھی بن گیا۔اس سے اور بھی عزت بڑھ گئی۔

اس کے بعد وہ ایک دن بازار جا رہا تھا۔وہاں بدکارہ سے دوبارہ اس کی

ملاقات ہوگئی۔اس نے کہا: سنا ہے، تم کمانڈر انچیف بن گئے ہو۔ نیکو کارہ ہنس کے کہنے لگا: بھئی! بس آپ ہی کی برکت ہے۔

بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نیک نیت بندہ اپنی طرف سے نیکی ہی کرتا رہتا ہے اور بدکارہ بندہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔اس کا اللہ ہی محافظ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو نیک نیت بندہ بہت اچھا لگتا ہے۔

برائی کا بدلہ اچھائی:

یہ جو لوگ سوچتے ہیں کہ فلاں نے برائی کی ہے، بس میں نے تو اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہے۔نہیں، یہ بات غلط ہے۔ایسا نہیں کرنا۔کبھی بھی ناپاک کپڑا پیشاب سے پاک نہیں ہوتا۔بھئی! اگر پیشاب سے دھوؤ گے تو وہ پورا ہی ناپاک ہو جائے گا۔ ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کے لیے پاک پانی چاہیے۔اسی طرح اگر ہم چاہتے ہیں کہ برائی ختم ہو تو اس کے جواب میں ہمیں اچھائی دکھانی پڑے گی۔اس لیے یہ کبھی نہ سوچا کریں کہ لوگ ہمارے ساتھ برا کرتے ہیں اور اس کے جواب میں ہم نے بھی برا سلوک کرنا ہے۔بھئی! اگر لوگ برائی کرتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ اچھائی کریں اور ہمیں اس اچھے پن کا بدلہ اللہ دے گا۔

کلامِ باہو رحمۃ اللہ علیہ:

ہمارے قریب کے علاقے میں ایک بزرگ گزرے ہیں، سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی رباعیات بہت مشہور ہیں۔وہ فرماتے ہیں:

جے ناتیاں دھوتیاں رب مِلدا تے ملدا کمیاں مچھیاں نوں
جے ذکر کیتیاں رب ملدا تے ملدا کال کڑِچھیاں نوں

''اگر نہانے دھونے سے رب ملتا تو مچھلیوں اور کچھوؤں کو مل جاتا، کیونکہ وہ ہر

وقت ہی نہاتے رہتے ہیں اور اگر ذکر کرنے سے رب ملتا تو کال کڑ چھیوں کومل جاتا''

یہ کالے رنگ کا پرندہ ہوتا ہے جو ساری رات آواز نکالتا رہتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ذکر کرنے سے رب ملتا تو اس پرندے کومل جاتا۔ آگے فرماتے ہیں:

جے سرمنایاں رب ملدا تے ملدا بھیڈاں سسیاں نوں

جے جتیاں ستیاں رب ملدا تے ملدا داندان کھسیاں نوں

یہ بھیڑ کی ایک قسم ہے جس کو ''سسی بھیڑ'' کہتے ہیں۔ اس کے سر کے بال بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور باقی جسم پر بڑے بال ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں'' اگر سر منڈانے سے رب ملتا تو اس بھیڑ کو رب مل جاتا۔ اور اگر پاکدامن رہنے سے اللہ ملتا تو خصی جانوروں کو رب مل جاتا'' کیونکہ وہ تو ساری زندگی مادہ کے قریب بھی نہیں جا سکتے۔

اور اخیر پر فرمایا:

جے رب ملدا تے ملدا نیتاں اچھیاں نوں

''اگر اللہ ملتا تو وہ صرف اچھی نیت والوں کو ملتا ہے''

جس بندے کی نیت اچھی ہوگی اللہ اس بندے سے راضی ہوگا۔ اور نیت کیسے اچھی ہوتی ہے؟ نیت جذبۂ وفا کی وجہ سے اچھی ہو جاتی ہے۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا
الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ
مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ
وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ
مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٜ
وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾

[اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے، اور (اس کشمکش میں) اس عورت نے ان کی قمیص کو پیچھے کی طرف سے پھاڑ ڈالا۔ اتنے میں دونوں نے اس عورت کے شوہر کو دروازے پر کھڑا پایا۔ اس عورت نے فوراً (بات بنانے کے لیے اپنے شوہر سے) کہا: ''جو کوئی تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ اسے قید کر دیا جائے، یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے۔'' یوسف نے کہا: ''یہ خود تھیں جو مجھے ورغلا رہی تھیں '' اور اس عورت کے خاندان ہی میں سے ایک گواہی دینے والے نے یہ گواہی دی: ''اگر یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو عورت سچ کہتی ہے اور وہ جھوٹے ہیں، اور اگر ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹ بولتی ہے اور یہ سچے ہیں'' پھر جب شوہر نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی

ہے تو اس نے کہا: ''یہ تم عورتوں کی مکاری ہے، واقعی! تم عورتوں کی مکاری بڑی سخت ہے۔ یوسف! تم اس بات کا کچھ خیال نہ کرو، اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقینی طور پر تو ہی خطا کار تھی]

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ

''اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے''

فائدہ 34

فتنے کی جگہ سے دور بھاگیں

دیکھیں! دروازے بند ہیں، اس کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف دوڑے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ اگرچہ دروازے بند ہیں، لیکن ان کو کھولنے والا پروردگار بہت بڑا ہے۔ میرا کام ہے گناہ سے بچ کر ادھر دوڑنا، اور میرے مولا کا کام ہے اس بند دروازے کو کھولنا۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف دوڑے۔

اب یہاں پر ایک نکتہ ملا کہ جب انسان کے سامنے کوئی فتنہ آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس جگہ سے دور چلا جائے، فرار اختیار کرے۔ بعض نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ کہتے ہیں: جی! میرے دوست برے ہیں، میں تو فقط سنتا ہوں، میں کرتا کچھ نہیں ہوں۔ جس نے یہ کہا کہ میں دوستوں کی باتیں سنتا ہوں، کرتا کچھ نہیں، اس نے خوبصورت جھوٹ بولا۔ اس لیے کہ جب وہ سنے گا تو کرے گا بھی سہی۔ اس لیے برائی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان وہاں سے اپنے آپ کو الگ کر لے۔ اس کو فِرَارٌ مِنَ الْفِتَنِ کہتے ہیں۔

چنانچہ اگر بچے سمجھتے ہیں کہ کوئی کلاس فیلوان کو الٹی سیدھی باتیں سناتا ہے یا سمجھاتا ہے، یا کوئی دوست ان کو غلط راہ دکھاتا ہے، تو ان کو چاہیے کہ وہ اس سے اپنا راستہ الگ کرلیں۔

اگر بچیاں یہ سمجھتی ہیں کہ ان کو کوئی شخص برائی کی دعوت دے رہا ہے تو اس کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ فون پر بات کرتی رہیں، تعلق رکھیں اور پھر سوچیں کہ ہم بچ جائیں گی۔ نہیں اس کا طریقہ یہ کہ ان سے ایک طرف ہو جائیں۔ اس لیے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام گناہ کی جگہ سے بچنے کے لیے فرار اختیار کرنے لگے تھے، تو یہی سبق ہمارے لیے بھی ہے کہ ہم بھی اسی طرح گناہوں کی جگہ سے فرار اختیار کریں۔ دراصل کوشش بندے کی ہوتی ہے اور مدد پروردگار فرما دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت سے یہ دعا بھی مانگا کریں۔

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾

اس لیے کہ جب پروردگار بندے کو بچانے کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو بندے کی گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ

''اس عورت نے ان کی قمیص کو پیچھے سے پھاڑ ڈالا۔''

قمیص کا پھٹنا:

جب حضرت یوسف علیہ السلام گناہ سے بچنے کے لیے دروازے کی طرف بھاگے تو اسی کشمکش میں اس عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی۔'' حضرت یوسف علیہ السلام کا ظاہری لباس تو پھٹ گیا، لیکن تقوای کا لباس سلامت رہا۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام

نے کیا خوب سودا کیا''

اَلْفَیَا سَیِّدَ ھَا لَدَا الْبَابِ

''اتنے میں دونوں نے اس عورت کے شوہر کو دروازے پر کھڑا پایا''

حضرت یوسف علیہ السلام آزاد تھے:

سَیِّد کا مطلب ہے، مالک۔ یہاں سَیِّدَ ھُمَا نہیں کہا، کہ دونوں کا مالک دروازے پر کھڑا تھا۔ تثنیہ کا صیغہ نہ لانے کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس عورت کا تو خاوند تھا، مالک تھا، جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام آزاد تھے۔ وہ غلام تو نہیں تھے۔ ان کو تو ویسے ہی قافلے والوں نے بیچ دیا تھا۔ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام آزاد تھے اس لیے تثنیہ کا صیغہ استعمال کرنے کے بجائے واحد کا صیغہ استعمال فرمایا، جس کی مصداق وہ عورت ہی تھی۔ یعنی اس عورت کے خاوند کو انہوں نے سامنے پایا۔

مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِكَ سُوْٓءًا

''جو کوئی تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے''

زلیخا کی چالاکی:

زلیخا نے جب اپنے خاوند کو سامنے دیکھا تو اس کی تو ٹون ہی بدل گئی۔ انداز ہی بدل گیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ان کو بہلا پھسلا رہی تھی۔ کہہ رہی تھی: (ھَیْتَ لَكَ ......) اور ابھی جب خاوند کو دیکھا تو کہہ رہی ہے: (مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِكَ سُوْٓءًا ......) سارا بوجھ کس پر ڈال دیا؟ حضرت یوسف علیہ السلام پر ڈال دیا۔

فائدہ 35

نفسانی محبتوں میں خود غرضی ہوتی ہے

یاد رکھیں! نفسانی، شہوانی اور شیطانی محبتوں کی خاص پہچان یہی ہے کہ ان میں خود غرضی ہوتی ہے، فقط اپنی غرض پورا کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ جب کوئی بات بنتی ہے تو مرد کہتا ہے کہ اس نے مجھے اپنی طرف مائل کیا اور عورت کہتی ہے کہ نہیں نہیں، اس نے مجھے اپنی طرف مائل کیا۔ کوئی بھی ذمہ داری نہیں لیتا۔ اپنی ذات کے بجائے دوسروں پر ملبہ ڈالتے ہیں۔ نفسانی محبتوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اور یہی کام اس عورت نے بھی کیا کہ بلا خود رہی تھی اور ابھی کہا کہ اس بندے کی کیا سزا جو تمہارے اہل خانہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے۔

خاوند کی غیرت کو جگانے کا انداز:

یہاں ایک علمی نکتہ سمجھیں۔ اس عورت نے یہ نہیں کہا کہ ''اس کا کیا بدلہ جو میرے ساتھ برائی کا ارادہ کرے'' بلکہ اس نے اہلِ خانہ کا لفظ استعمال کیا۔ اس لیے کہ اہلِ خانہ کا لفظ استعمال کرنے سے خاوند کی غیرت بھڑکتی ہے۔ اس کا مقصد بھی خاوند کی غیرت کو جگانا تھا۔

يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

''اسے قید کر دیا جائے، یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے''

دو سزاؤں کی تجویز:

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس عورت نے حضرت یوسف D کے لیے دو سزائیں

تجویز کیں ''قید خانے والی سزا'' long term punishment (طویل المدت سزا) تھی اور ''دردناک سزا'' فوری سزا تھی۔ وہ کہنا یہ چاہتی تھی کہ ان کو جوتے بھی لگیں اور ان کو حبس میں بھی رکھیں۔ مزید یہ کہ قید خانے والی سزا ''مؤجل سزا'' تھی اور دردناک سزا ''معجل سزا'' تھی۔

هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي

''یہ خود تھیں جو مجھے ورغلا رہی تھیں''

جب عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سزا دینے کی باتیں کیں تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی عورت نے ہی تو مجھے ورغلانے کی کوشش کی ہے۔

فائدہ 36

ضرر کا اندیشہ ہو تو دوسرے کی غلطی کو کھولا جا سکتا ہے

مفسرین نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عورت نے تو اپنا عیب چھپانے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا نام لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے حقیقتِ حال واضح کرتے ہوئے عورت کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مخالف سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر آدمی اس کی غلطی کو کھول سکتا ہے، مگر لوگوں کے سامنے نہیں، بلکہ اس کے سامنے جو فیصلہ کرنے والا ہو۔ یہ نہیں کہ تشہیر ہی کر دو کہ جی! فلاں ہمارا مخالف ہے اور اس کی یہ غلطی ہے اور یہ غلطی ہے۔ پورے شہر میں ڈنکا بجانے کی ضرورت نہیں۔ صرف معاملے کو سلجھانے والے کے سامنے اپنے مخالف کی بات کر دینے کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي﴾ کہہ کر مخالف کا پول کھول دیا۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ

''ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی''

معصوم بچے کی گواہی

اللہ رب العزت کی یہ سنت ہے کہ وہ معصوم لوگوں کی معصومیت کی گواہی ہمیشہ معصوم زبانوں سے دلواتے ہیں۔

چار بچوں کا بچپن میں کلام:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ چار بچوں نے بچپن میں کلام کیا۔

﴿۱﴾......فرعون کے زمانے میں ایک عورت تھی۔اس کا ایک بچہ بھی تھا۔فرعون نے اسے کہا: تم مجھے خدا مانو۔مگر وہ اپنے ایمان پر پکی رہی۔قریب ہی تنور جل رہا تھا۔فرعون نے غصے میں آ کر اس کے بچے کو چھینا اور تنور میں ڈال دیا۔وہ سمجھ رہا تھا کہ میں بچے کو آگ میں ڈالوں گا تو پھر یہ میری بات مان لے گی۔لیکن اس نے جیسے ہی بچے کو آگ میں ڈالا تو بچے نے آگ میں سے پکار کر کہا: اماں! آپ بھی آ جائیں، یہاں بہت مزہ آ رہا ہے۔

﴿۲﴾......ایک راہب تھا۔اس کا نام جریج تھا۔ایک مرتبہ اس کی والدہ آئی اور اس وقت وہ عبادت کرنے میں مشغول تھا۔جب والدہ نے آواز دی تو وہ جلدی جواب نہ دے سکا۔ماں نے ناراض ہو کر بددعا دے دی اور کہا: ''اللہ تیرا کسی بری عورت سے واسطہ ڈال دے''۔اس کے بعد وہ چلی گئی۔

اس کے بعد ہوا یہ کہ بکریاں چرانے والی ایک عورت نے بدکاری کی اور اس کے

ہاں بیٹا ہوا۔ جب لوگوں نے اس سے پوچھا کہ یہ سیاہ کارنامہ کس کا ہے تو اس نے جریج کا نام لگا دیا۔

اب لوگ تو ڈنڈے لے کر جریج کے پاس آگئے اور کہنے لگے: جی! آپ تو اتنے عبادت گزار ہیں اور آپ نے اس عورت کے ساتھ بدکاری بھی کی ہے۔ اس وقت جریج نے اسی بچے سے کہا: تم ہی بتاؤ کہ تم کس کے بچے ہو؟ تو وہ بچہ بولا: میں تو بکریاں چرانے والے فلاں بندے کا بچہ ہوں۔ چنانچہ پتہ چل گیا کہ اس عورت نے کسی چرواہے سے بدکاری کی تھی، جس کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا تھا۔

﴿۳﴾...... بی بی مریم پر لوگوں نے بہتان لگایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکدامنی کی گواہی ایک بچے سے دلوائی...... وہ کیسے؟...... وہ اس طرح کہ جب وہ بچے کو لے کر اپنے گھر کی طرف گئیں تو لوگ کہنے لگے:

﴿يَامَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا﴾

''اے مریم! تو نے تو بڑا غضب ڈھایا''

اس کے علاوہ طعنے دینے لگے:

﴿يَا أُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾

''اے ہارون کی بہن! نہ تو تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ ہی تمہاری ماں کوئی بدکار عورت تھی''

ایک تو بی بی مریم پریشان تھیں اور اوپر سے قوم نے بہتان بھی لگایا اور طعنے بھی دیے۔ بالآخر ﴿ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ﴾ بی بی مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو کہ یہ کہاں سے آیا ہے، تم میرا دماغ مت کھاؤ۔ یہ سن کر پروہ کہنے لگے:

﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾

''یہ گود والا چھوٹا سا بچہ کیسے بول سکتا ہے؟''

جب انہوں نے یہ کہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پکار کر کہا:

(اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ) ''میں اللہ کا بندہ ہوں''

﴿۴﴾......اللہ رب العزت نے گھر کے ایک بچے سے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدمنی کی گواہی دلوادی۔

گواہی دینے والے بچے کا اکرام:

حضرت یوسف علیہ السلام کی گواہی دینے والا بچہ جب بڑا ہوا تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام ملک کے بادشاہ بن چکے تھے اور لوگ ان کے پاس غلہ لینے آتے تھے۔ اس وقت وہ بچہ بھی ان سے غلہ لینے آیا۔ لوگوں نے اس کو ترتیب کے مطابق غلہ دے دیا۔ اس نے کہا: جی مجھے زیادہ غلہ چاہیے۔ تو انہوں نے کہا: دیکھیں! ہم جتنا غلہ دے سکتے تھے، ہم نے اتنا آپ کو دے دیا ہے۔ البتہ اگر تم زیادہ چاہتے ہو تو اس کا اختیار حضرت یوسف علیہ السلام کو ہے، ان سے جا کر لے لو۔

چنانچہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا: حضرت! مجھے زیادہ غلہ چاہیے۔ انہوں نے فرمایا: اچھا! اسے اتنا غلہ اور دے دو۔ اس نے وہ غلہ بھی لے لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے اور غلے کا مطالبہ کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: دیکھو! لوگوں نے بھی تمہیں غلہ دیا ہے، جو دستور کے مطابق سب کو ملتا ہے، اس کے علاوہ میں نے مزید بھی دیا ہے، اور اب بھی تم اس سے زیادہ کا مطالبہ کر رہے ہو۔ اس بچے نے کہا: حضرت! آپ کو میرا پتہ نہیں ہے کہ میں کون ہوں، اگر پتہ چل جائے تو آپ مجھے بہت زیادہ غلہ دیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے پوچھا: آپ کون ہیں؟ وہ کہنے لگا: حضرت! میں وہی بچہ ہوں جس نے بچپن میں آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی، اب میں بڑا ہو گیا ہوں، اور اب آپ کے پاس غلہ لینے کے لیے آیا

ہوں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات سنی تو ان کا دل بہت خوش ہوا کہ اس بچے نے میری پاکدامنی کی گواہی دی تھی ۔ چنانچہ اس وقت آپ نے حکم دیا کہ اس کو اتنا زیادہ غلہ دے دیا جائے ،سواریاں بھی دی جائیں اور لوگ اس کو غلہ گھر پہنچا کے آئیں۔لو جی !وہ تو وی آئی پی بن گیا۔سواریوں پر غلہ لادا گیا،لوگ اس کو گھر پہنچانے کے لیے تیار ہوگئے اور بڑے پروٹوکول کے ساتھ اس کو رخصت کیا گیا۔

وہ جب غلہ لے کر چلا گیا تو اس وقت رب کریم نے فرمایا:اے میرے پیارے یوسف! آپ نے اس بچے کی بہت عزت افزائی کی۔حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب میں کہا:اے اللہ! یہ وہ بچہ ہے جس نے میری پاکدامنی کی گواہی دی تھی ،آج جب یہ میرے پاس آیا تو میرا جی چاہا کہ میں اس کو اتنا دوں جتنا میں دے سکتا ہوں۔اس کے جواب میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

> ’’اے میرے پیارے یوسف ! گواہ رہنا ! جس نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی، جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کو اتنا دیا جتنا آپ دے سکتے تھے،تو جو میرا بندہ دنیا میں میری وحدانیت کی گواہی دے گا جب وہ قیامت کے دن میرے پاس آئے گا تو پھر اس کو میں وہ دوں گا جو میری شان کے مطابق ہوگا‘‘

فائدہ 37

مجہول راوی کی تصدیق کوئی بڑا کردے تو حدیث قبول کرلی جاتی ہے

آج کے دور کا ایک فتنہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی نہ ماننے کی فطرت بن گئی ہے۔ان سے اگر پوچھیں کہ تم کس کی بات مانتے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو کسی

کی بات نہیں مانتے۔......کیا مطلب؟......آپ کون ہیں؟...... کہتے ہیں: غیر مقلد۔ ہم کسی کی نہیں مانتے۔ہم اپنی مرضی کرتے ہیں......بھئی! جو کسی کی مانے وہ مقلد ہوتا ہے اور جو کسی کی بھی نہ مانے وہ غیر مقلد ہوتا ہے۔وہ من مرضی کرنے والا ہوتا ہے...... پہلے چار فقہیں ہوتی تھیں اور اب پانچ ہوگئی ہیں۔ مالکی، شافعی، حنفی، حنبلی اور آج کے دور کی نئی فقہ''فقہ نفسی''بن گئی ہے۔وہ اپنے نفس کو امام بنائے ہوئے ہیں۔بس وہ نفس کے پیچھے چلتے ہیں۔جو اپنی مرضی میں آتا ہے وہ کرتے ہیں۔وہ کسی کی بھی نہیں سنتے۔یہ ایک نیا فتنہ ہے۔چونکہ اب نئے دور میں انانیت بڑھ گئی ہے اور دل چاہتا ہے کہ اپنی مرضی کریں،تو پھر ایسے لوگوں کو آج کل یہ بڑا اچھا لگتا ہے کہ جو دل میں آئے کرو۔

خیر! ان کا خاص حربہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ فضائل کے بارے میں ان کو کوئی حدیث سنا دو تو وہ فوراً کہتے ہیں کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔یہ حدیث......جی! یہ بھی ضعیف ہے۔ وہ ضعیف حدیث کا ایسا ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ جس حدیث پر چاہو اس پر ضعف کا لیبل لگا دو۔

ایک مثال سے بات سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ایک صحت مند انسان ہے اور ایک بیمار انسان ہے۔جب زندہ لوگوں کی گنتی ہوگی تو کیا بیمار لوگوں کو بھی زندہ لوگوں میں گنیں گے یا نہیں گنیں گے؟ ضرور زندہ لوگوں میں گنیں گے، کیونکہ اگرچہ وہ کمزور ہیں مگر ہیں تو زندہ ہی۔تو ضعیف حدیث کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ وہ حدیث تو ہوتی ہے مگر اس میں تین باتیں ہوتی ہیں:

......یا تو کوئی راوی مجہول ہوتا ہے۔

......یا کوئی راوی مجروح ہوتا ہے، اس پر جرح ہو چکی ہوتی ہے۔

......یا اس راوی کے مقابلے میں کچھ ثقات نے مخالف بات کی ہوتی ہے۔اس کو مخالف ثقات کہتے ہیں۔

جس حدیث میں یہ تین چیزیں آجائیں اس پر ضعف کا حکم لگ جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔مگر ضعیف کا معنیٰ یہ ہوگا کہ حدیث تو ٹھیک ہے البتہ روایت کرنے والوں کی وجہ سے اس پر ضعف کا حکم لگ گیا۔

ہمارے فقہا نے ایک اصول بنایا کہ فرض ہوں یا واجب،ان میں تو ہم صحیح حدیث ہی قبول کریں گے،لیکن جہاں فضائل اور مستحب کا معاملہ ہے،ان میں ہم ضعیف حدیث بھی قبول کرلیں گے۔کیونکہ وہ بھی حدیث ہی تو ہے۔اگر ہم اس کو مستحب کے معاملے میں قبول کرلیں تو اس میں کیا رکاوٹ ہے؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جہاں فرض اور واجب کا مسئلہ آتا ہے وہاں ہم سختی کرتے ہیں اور بالکل صحیح حدیثوں کو لیتے ہیں اور جہاں فضائل کا معاملہ آجاتا ہے، وہاں نرمی کرلیتے ہیں اور ایسی حدیث کو بھی لے لیتے ہیں جس پر ضعف کا حکم لگا ہو۔مگر اس کا مضمون ٹھیک ہو اور دوسری حدیثوں سے ٹکراتا نہ ہو۔یہ ضعیف حدیثیں آپ کو ترمذی شریف میں بھی ملیں گی اور صحاحِ ستہ کی دوسری کتابوں میں بھی ملیں گی۔

لیکن جو نئی پود آگئی ہے اور کسی کی بھی نہیں مانتی، وہ ضعیف حدیث کو ایسے ڈیل کرتی ہے جیسے وہ موضوع حدیث ہو۔حالانکہ موضوع ''گھڑی ہوئی بات'' کو کہتے ہیں۔وہ حدیث نہیں ہوتی بلکہ وہ عام انسان کا کلام ہوتا ہے جسے کسی نے احادیث کے ذخیرے میں داخل کرنے کی ناکام کوشش کی ہوتی ہے۔ایسی موضوعات پر مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔سب کو پتہ ہے کہ موضوعات کون کون سی ہیں۔لیکن جو حدیثیں ہیں،اگرچہ ان پر ضعف کا حکم لگا ہو، پھر بھی وہ ہیں تو حدیثیں ہی، اور ان کو

احادیث کی کتابوں میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر راوی مجہول ہو مگر اس کی تصدیق کوئی بڑا کر دے تو پھر اس حدیث کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ اب دیکھیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی کے کیس میں کیا معاملہ ہے؟ فرمایا:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا﴾

اب گواہ کون تھا؟ بچہ۔۔۔۔۔ہم تو نہیں جانتے کہ وہ بچہ کون تھا۔ اور ویسے بھی بچے کی گواہی کو قبول نہیں کیا جاتا۔ لیکن چونکہ اللہ رب العزت نے فرمادیا کہ گواہ نے گواہی دی۔ اب اللہ کی تصدیق کی وجہ سے ہم اس بچے کی گواہی کو قبول کر لیں گے۔

بالکل یہی اصول محدثین نے اپنایا کہ اگر بڑے محدثین میں سے کوئی اس مجہول بندے کی روایت کی تصدیق کر دیتا ہے تو ہم اس کو قبول کر لیں گے۔ چنانچہ اصول یہ بنا:

''اگر مجہول راوی ہو اور ایک محدث اس کی تصدیق کر دے تو وہ حدیث مقبول ہوگی اور اگر دو محدث تصدیق کر دیں تو اس حدیث کا ضعف ہی ختم ہو جائے گا۔''

دیکھیے! ہمارے اکابر نے قرآن مجید سے یہ اصول نکالے ہیں۔۔۔۔۔جن بے چاروں کو سمجھ ہی نہیں ہوتی وہ ضعیف حدیث کو موضوع حدیث کی طرح ڈیل کر رہے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔اس لیے اگر فضائل کے باب میں ضعیف حدیث کا نام آئے تو اس سے الرجک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان سے نہ تو ہم فرائض ثابت کر رہے ہوتے ہیں اور نہ ہی واجبات۔ البتہ اگر مستحبات اور فضائل کی بات ہے تو اس میں کوئی مسئلہ نہیں۔

فائدہ 38

مخلص بندے کی عزت کی حفاظت اللہ خود فرماتے ہیں

بچے کی گواہی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو معجزے ظاہر ہوئے۔

(۱)...... بچے کا ہم کلامی کرنا۔ بچے کا بول پڑنا مستقل ایک معجزہ ہے۔

(۲)...... بچے کا عقلی بات کرنا۔ بچے نے عقلی اور ٹھوس دلیل دی کہ اگر آگے سے کرتہ پھٹا ہوا ہے تو یہ بات ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ بات ہے۔ حالانکہ بچے کے اندر اتنی عقل سمجھ نہیں ہوتی۔

یہ دو معجزے ظاہر ہوئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔ سچی بات بھی یہی ہے کہ جو بندہ نیک نیت اور سچا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت بھی فرماتے ہیں اور اس کی گواہی بھی دلواتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا:

اِذَا كَانَ الْعَبْدَ صَادِقًا فِیْ نَفْسِهٖ لَمْ یُبَالِ اللّٰهُ اَنْ یُّنْطِقَ الْحَجَرَ لِاَجْلِهٖ

''اگر کوئی بندہ اپنے آپ میں سچا ہو تو اللہ رب العزت اس کی گواہی کے لیے پتھر کو بھی بلوا سکتے ہیں۔''

اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ

''واقعی! تم عورتوں کی مکاری بڑی سخت ہے''

فائدہ 39

عورتوں کا فتنہ بڑا فتنہ ہے

جب حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ گواہی کی وجہ سے صاف ہو گیا تو اس پر خاوند نے زلیخا سے مخاطب ہو کر بات کی، مگر جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ اس نے کہا: عورتو! تمہاری مکاری بڑی سخت ہوتی ہے۔ یہاں جمع کا صیغہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر عورتوں کی عادت ایسی ہی ہوتی ہے۔ چونکہ زنا حرام تھا اس لیے یہاں کَیْد کا لفظ استعمال فرمایا۔

قرآن مجید نے کن چیزوں کو عظیم کہا؟

قرآن مجید میں تیس چیزوں کو عظیم کہا گیا۔ ان کی تفصیل بھی سن لیجیے:

(۱) وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمِ ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے عظیم کا لفظ استعمال کیا۔

(۲) رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم ...... عرش کو عظیم کہا۔

(۳) وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْم ...... اللہ کے لیے قربانی دی تھی۔ قربانی کو عظیم کہا۔

(۴) وَ جَآءُوْا بِسِحْرٍ عَظِيْم ...... ایسا بڑا جادو تھا کہ رسی بھی جاندار سانپ کی طرح بن گئی۔ یہاں جادو کو عظیم کہا۔

(۵) لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ...... ملکہ بلقیس کے عرش (تخت) کو عظیم کہا۔

(۶) قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْم ...... قیامت کے دن کی خبر کے بارے میں عظیم کا لفظ ارشاد فرمایا، جس میں دوست دشمن کی تمیز ہوگی۔

(۷) وَالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْم ...... قرآن کی عظمت بیان فرمائی۔

(۸) خُلُقٍ عَظِيْم ...... محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو عظیم کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گالیاں اور زخم

زخم کھا کر بھی دعائیں دیا کرتے تھے۔

(۹) اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ......شرک کو ظلم عظیم کہا گیا۔

(۱۰) فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا......اللہ کے ساتھ شرک کو گناہِ عظیم کہا گیا۔

(۱۱) بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ......ایک پاک دامن عورت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دل آزاری ہوئی۔ان پر جو بہتان باندھا گیا تھا، اس کو عظیم کہا۔

(۱۲) عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْما......بی بی مریم علیہا السلام پر لگائے جانے والے بہتان کو بہتان عظیم کہا۔

(۱۳) زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِيْمٌ......قیامت کے زلزلے کو عظیم کہا۔

(۱۴) وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْم......حضرت نوح علیہ السلام کی کرب اور تکلیف کو عظیم کہا۔

(۱۵) وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْم......حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی تکلیف کو عظیم کہا۔

(۱۶) مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْم......مکہ مکرمہ اور طائف کے شہروں کو عظیم کہا۔

(۱۷) فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا......اللہ نے اپنے فضل کو عظیم کہا۔

(۱۸) عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٌ......جس دن عذاب دیا جائے گا، اس دن کو عظیم کہا۔

(۱۹) وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْم......اس آیت میں عذاب کو عظیم کہا۔

(۲۰) اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ......راہ راست سے ہٹ کر بہت دور نکل جانے کو میل عظیم کہا۔

(۲۱) اَنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا......مشرک لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ان کے اس کہنے کو اللہ نے بڑی سنگین بات قرار دیا۔

(۲۲) اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ...... ہجرت اور جہاد کرنے والوں کو اللہ کے ہاں جو درجات ملیں گے ان درجات کو عظیم کہا۔

(۲۳) اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا...... اس آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنے کو ایک بڑی سنگین بات کہا گیا ہے۔

(۲۴) وَ مَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْم...... برائی کا دفاع اچھائی سے کرنے پر جان کے دشمن بھی جگری دوست بن جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ بات اسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والا ہو۔

(۲۵) اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْم...... اللہ تعالیٰ نے اپنے قسم کھانے کو عظیم قرار دیا۔

(۲۶) مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا...... اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے اجر کو عظیم کہا گیا۔

(۲۷) وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا...... اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت وحکومت جاری رہنے کی بات کی گئی اور اس میں حضرت داود علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔

(۲۸) ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْم...... دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر کے اللہ کی رضا حاصل کرنے اور پھر جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کو عظیم کامیابی کہا گیا۔

(۲۹) ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْم...... جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کو عظیم رسوائی کہا گیا۔

(۳۰) اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ...... عورتوں کے مکر کو بھی عظیم کہا۔ اس لیے کہ یہ جب گناہ کی نیت کر لیں تو مرد کا پھسلنا آسان ہو جاتا ہے۔

عورت کا فتنہ احادیث کی روشنی میں:

بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((مَارَاَیْتُ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاكُنَّ))

''اے عورتو! تم میں سے میں نے دیکھا ہے کہ ہوتو تم کمزور، لیکن تم اچھے بھلے عقلمند بندے کوفوراً پھسلا دیتی ہو''

ایک اور حدیث میں پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((مَاتَرَكْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً هِیَ اَضَرُّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ))

''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ پیچھے نہیں چھوڑا''

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّیَاطِینِ))

''عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں''

جیسے شکاری لوگ رسیوں کے جال سے مچھلیاں پکڑتے ہیں اسی طرح شیطان بھی عورتوں کے ذریعے مردوں کا شکار کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کے فتنے سے بچنے کی دعا مانگی، فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ النِّسَاءِ)) (کنز الاعمال:۳۶۸۷)

شیطان کوشیطان کس نے بنایا:

یہاں ایک نکتہ سنیے!...... اللہ تعالیٰ نے نفس کے مکر کو بڑا کہا اور شیطان کے مکر کو چھوٹا کہا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا﴾

''بے شک شیطان کا مکر کمزور ہوتا ہے''

جہاں انسان کے نفس کے مکر کی بات کی، وہاں فرمایا:

﴿إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾

''تمہارے مکر بہت بڑے ہیں''

اس سے معلوم ہوا کہ نفس، شیطان کی نسبت زیادہ بڑا مکار ہے۔

اچھا! یہ بتائیں کہ شیطان کو شیطان کس نے بنایا؟ نفس نے بنایا...... اس سے پتہ چلا کہ شیطان کو بھی نفس نے شیطان بنا دیا تھا۔

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا

''یوسف! تم اس بات کا کچھ خیال نہ کرو''

عزیزِ مصر کی چاہت:

عزیزِ مصر چاہتا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس بات سے درگزر کر دیں۔ اصل میں وہ اپنی بیوی کی بات کو پھیلانا نہیں چاہتا تھا۔ گویا اس نے اپنی بیوی کے گناہ کی ستر پوشی کی۔

وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ

''اور اے عورت! تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ''

زلیخا کو استغفار کرنے کو کیوں کہا؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ زلیخا تو مشرکہ تھی، اس کو استغفار کرنے کو کیوں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ مشرکہ تھی مگر اس کے ذہن میں گناہ اور نیکی کا تصور تھا۔ اچھے اور برے کی تمیز تھی۔ اس لیے خاوند نے اس مشرکہ کو بھی کہا کہ تم اپنے گناہ پر استغفار کرو۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

[اور شہر میں کچھ عورتیں یہ باتیں کرنے لگیں: ''عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کو ورغلا رہی ہے۔ اس نوجوان کی محبت نے اسے فریفتہ کر لیا ہے۔ ہمارے خیال میں تو یقینی طور پر وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے'' چنانچہ جب اس (عزیز کی بیوی) نے ان عورتوں کے مکر کی یہ بات سنی تو اس نے پیغام بھیج کر انہیں (اپنے گھر) بلوالیا، اور ان کے لیے ایک تکیوں والی نشست تیار کی ، اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چاقو دے دیا، اور (یوسف علیہ السلام سے) کہا: ''ذرا باہر نکل کر ان کے سامنے آجاؤ۔'' اب جو اُن عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو انہیں حیرت انگیز (حد تک حسین) پایا، اور (ان کے حسن سے مبہوت ہو کر) اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، اور بول اٹھیں: حاشا للہ! یہ شخص کوئی انسان نہیں ہے، ایک قابل تکریم فرشتے کے سوا یہ کچھ اور نہیں ہوسکتا۔'' عزیز کی بیوی نے کہا: ''اب دیکھو! یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم نے مجھے

طعنے دیے تھے! یہ بات واقعی سچ ہے کہ میں نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے اس پر ڈورے ڈالے، مگر یہ بچ نکلا۔ اور اگر یہ میرے کہنے پر عمل نہیں کرے گا تو اسے قید ضرور کیا جائے گا، اور یہ ذلیل ہو کر رہے گا۔"]

قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ

''شہر میں کچھ عورتیں باتیں کرنے لگیں''

بات باہر کیسے پہنچی؟

اس میں علمی نکتے ہیں۔ غور کیجیے!

اس وقت تک گناہ کا پتہ تین بندوں کو تھا۔ زلیخا کو، یوسف علیہ السلام کو اور عزیزِ مصر کو...... اور یہ تینوں گھر کے بندے تھے۔ ان تینوں سے تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے جا کر باہر بتایا ہوگا۔

☆...... زلیخا باہر کیسے بتاسکتی تھی، کیونکہ اس کا تو اپنا کرتوت تھا۔

☆...... حضرت یوسف علیہ السلام کیسے بات کر سکتے تھے، جبکہ مالک نے کہہ دیا تھا: ﴿أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ ان کے اندر تو وفا اور احسان کا جذبہ بھی بہت زیادہ تھا۔ وہ اپنے مالک کے گھر کو کیسے بدنام کر سکتے تھے۔

☆...... اور عزیزِ مصر خود اپنے پیٹ سے کیسے کپڑا اٹھاتا، کہ اپنی بات خود کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں نے تو بات نہیں کی ہوگی۔ لیکن اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہر کی دوسری عورتوں کو پتہ کیسے چلا؟

مفسرین نے لکھا ہے کہ گھر میں کام کرنے والے جو لوگ تھے وہ دیکھتے تھے کہ مالکہ اپنے غلام حضرت یوسف علیہ السلام پر کتنی مہربان ہے۔ اس لیے انہوں نے پہلے ہی اپنا

ایک ذہن بنالیا تھا کہ اندر کچھ مسئلہ ہے، اور اس کی انہوں نے باتیں کرنی شروع کر دی تھیں۔

فائدہ 40

نوکروں کو گھر کی باتوں سے الگ رکھیں

مفسرین نے یہاں یہ بات لکھی ہے کہ یہ بے احتیاطی صرف گناہ کے معاملے میں نہیں، بلکہ لوگ اور باتوں میں بھی کر لیتے ہیں، کہ گھر میں کام کرنے والوں سے اپنی باتوں کو الگ نہیں رکھتے۔ مثلاً......رشتے کی بات میاں بیوی میں چلتی ہے، مگر وہ نوکروں کے سامنے کر دیتے ہیں۔ اس سے اس بات کی خبر پورے شہر میں پھیل جاتی ہے۔ حتی کہ ان رشتہ داروں تک بھی وہ بات پہنچ جاتی ہے جن کو وہ بتانا ہی نہیں چاہتے۔

☆......گھر میں کوئی پلاننگ کی کہ آئندہ ہم نے ایسا کرنا ہے۔ بات تو دو بندوں میں ہوئی، لیکن خبر پورے رشتے داروں میں پہنچ گئی۔ کن کے ذریعے پہنچی؟ کام کرنے والوں کے ذریعے۔

☆......کئی دفعہ میاں بیوی کسی چھوٹی سی بات پر آپس میں تکرار کر لیتے ہیں اور اس بات کو سب کام کرنے والے سن رہے ہوتے ہیں۔ ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ گھر میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ گھر میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ہمیشہ ایک حد تک بات کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ گھر کی باتوں کا ان کو پتہ نہیں چلنے دینا چاہیے۔ بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ کئی جگہ پر تو گھر کی ماسیاں ہی میاں بیوی کے درمیان کے فیصلے کروا رہی ہوتی ہیں۔ اور تو اور، ماسیاں بتاتی ہیں کہ آجکل رواج ہی

یہی ہے کہ اگر مالک اچھے ہوتے ہیں تو ماسیاں بھاگ جاتی ہیں اور اگر ماسیاں اچھی ہوتی ہیں تو مالک ان کو اچھا نہیں رکھتے۔......

اس لیے شریعت نے کہا: اپنے گھر کی پرائیویسی رکھنی ضروری ہے، ورنہ کام کرنے والے اس طرح کے لوگ جنہوں نے زلیخا کی بات باہر نکال دی، وہ گھر کی ہر اچھی اور بری بات کو باہر نکال سکتے ہیں۔

باتیں پھیلانے میں عورتوں کی تیزی:

باتیں تو مردوں میں بھی بہت پھیلتی ہیں، مگر ہو سکتا ہے کہ ۱۲۰ کلومیٹر کی رفتار سے، لیکن عورتوں میں باتیں جہاز کی رفتار سے پھیلتی ہیں۔ جہاز ۱۰۰۰ کلومیٹر کی سپیڈ میں چلتا ہے۔ چنانچہ آپ جس بات کو پھیلانا چاہیں، صرف ایک کام کریں کہ کسی عورت کے حوالے کر دیں، بس!...... پھر آپ کو کسی نشریاتی ادارے کی ضرورت نہیں ہو گی، وہ بات خود بخود نشر ہو جائے گی۔ اور ماشاء اللہ ایک منٹ کے اندر بتا دیتی ہیں: میری ساس کیسی ہے، میری نند کیسی ہے، میرا خاوند کیسا ہے، میرے بیٹے بیٹیاں کیسی ہیں؟ حتی کہ باہر کی باتیں بتانے کے بعد وہ یہ بھی بتا دیتی ہیں کہ ان کے پیٹ میں کیا ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ پھر یہ بھی کہتی ہیں: بس میں تمہیں بتا رہی ہوں، آگے نہ بتانا۔ اور وہ دوسری عورت بھی آگے اسی طرح بتا کے کہتی ہے: بس میں تمہیں بتا رہی ہوں، آگے نہ بتانا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہی بات ٹاک آف دی ٹاؤن بنی ہوتی ہے۔

فَتٰہَا

''اپنے نوجوان غلام کو''

نوجوانوں پر آزمائشیں:

نوجوانی میں انسان پر اس طرح کی بلائیں آتی ہیں۔ ذرا غور کیجیے:

◉......حضرت ابراہیم علیہ السلام نوجوان تھے۔ان پر بھی امتحان آیا اور آگ میں ڈالے گئے۔

﴿اِنَّا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ﴾

◉......اصحاب کہف بھی نوجوان تھے۔ان پر بھی آزمائش آئی۔

﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى﴾

◉......حضرت یوسف علیہ السلام بھی نوجوان تھے،ان پر بھی امتحان آیا۔

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا

''اس نوجوان کی محبت نے اسے فریفتہ کرلیا ہے''

عورتوں کی چہ میگوئیاں:

جب یہ بات پھیلی تو شہر کی عورتوں نے بھی باتیں کرنا شروع کردیں۔ انہوں نے کہا: اس نوجوان کی محبت نے تو زلیخا کو فریفتہ کرلیا ہے۔یعنی بادشاہ کی بیوی ہو، فرسٹ لیڈی ہو، اتنے وقار کی جگہ پر ہو اور وہ اپنے غلام کے ساتھ یہ تعلق قائم کرے، ہم تو سمجھتی ہیں کہ وہ بہت ہی بھولی ہوئی ہے۔

بِمَكْرِهِنَّ

''ان عورتوں کے مکر کی بات''

عورتوں کی عادت:

مکر کا مطلب ہے ''چھپ چھپ کر سرگوشیاں کرنا''...... ''ایک طرف منہ کر کے ایک دوسرے کے ساتھ پھس پھس کرنا''...... یہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔ وہ سرگوشیاں اس لیے بھی کرتی ہوں گی کہ انہوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کے چرچے تو سنے ہوں گے۔ وہ کہتی ہوں گی: وہ کیسا ہوگا؟ شاید ہمیں بھی کبھی اس کو دیکھنے کا موقع مل جائے...... چنانچہ اس طرح بات ذرا جلدی پھیل گئی۔

قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ

''انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے''

عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے:

جب زلیخا کو پتہ چلا کہ شہر کی عورتیں مکر کر رہی ہیں تو اس نے ان کو بلوایا اور ان کے سامنے پھل رکھ کر ہر ایک کو چھری پکڑا دی۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کو انہوں نے دیکھا تو کہنے لگیں: ﴿حَاشَا لِلّٰهِ!﴾ یہ کوئی انسان نہیں لگتا، یہ تو کوئی فرشتہ ہے۔ اور ساتھ ہی وہ پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔

فائدہ 41

مبتدی صاحبِ تلوین اور منتہی صاحبِ تمکین ہوتا ہے

قابلِ غور بات یہ ہے کہ دوسری عورتوں نے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن سے متاثر ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے، زلیخا نے تو نہیں کاٹے تھے۔ حالانکہ وہ بھی ایک عورت تھی...... اس میں کیا راز تھا؟...... اس پر مفسرین نے کہا کہ زلیخا نے چونکہ ان

کو بچپن سے دیکھنا شروع کیا تھا اور اس کے سامنے ہی حضرت یوسف علیہ السلام پلے بڑھے اور پروان چڑھے، اس لیے وہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے حسن کو دیکھنے کی عادی بن گئی تھی ۔اس لیے اس پر حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کا وہ اثر نہیں ہوا جو دوسری عورتوں پر ہوا۔انہوں نے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلی بار دیکھا اور اچانک دیکھا، اس لیے ان کے ہوش ہی گم ہو گئے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض لوگوں کو ذکر و سلوک میں کچھ کیفیات ملتی ہیں تو شروع میں بڑا رونا دھونا رہتا ہے اور وہ کہتا ہے: او جی! میرا دل جاری ہو گیا، بڑا مزہ آرہا ہے،، مراقبے میں بھی رو رہا ہوتا ہے۔لیکن کچھ عرصے کے بعد چونکہ ایک روٹین بن جاتی ہے اس لیے پھر اسے اتنا فرق محسوس نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ ایک قبیلہ کے لوگ آئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ان میں سے ایک نوجوان تھا۔وہ بڑا رو رہا تھا۔اس کو دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا:

كُنَّا نكُمْ وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُنَا

''ہم بھی تمہاری طرح تھے، پھر ہمارے دل سخت ہو گئے''

کہنے کا مقصد کیا تھا؟ یہ کہ ہمیں بھی بڑا رونا آتا تھا اور اب وہ رونا نہیں آتا۔

یہاں سے سلوک کا ایک مسئلہ بھی نکلا۔ایک ہوتی ہے ''تلوین'' اور ایک ہوتی ہے ''تمکین''۔مبتدی صاحبِ تلوین ہوتا ہے اور منتہی صاحبِ تمکین ہوتا ہے۔منتہی کے پاس ساری کیفیات ہوتی ہیں مگر وہ ظاہر میں اس طرح ہوتا ہے جیسے کوئی عام آدمی ہو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں اللہ نے کتنا نور، کتنی معرفت اور کتنا ایمان بھرا تھا، مگر کافر آکر کہتے تھے:

﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾

''یہ کیسے رسول ہیں کہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں''
یہی منتہی کی دلیل ہے کہ باطن میں تو وہ اللہ کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اور ظاہر میں اس کی زندگی عوام کی طرح ہوتی ہے۔ظاہری طور پر کوئی فرق نظر نہیں آتا۔یہ بہت مشکل مقام ہے جو بندے کو حاصل ہوتا ہے۔

مَلَكٌ كَرِيْمٌ

''قابل تکریم فرشتہ''

فرشتے خوبصورت ہوتے ہیں:

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے واقعی خوبصورت ہوتے ہیں، کیونکہ عورتوں نے فرشتہ کا نام لیا تھا۔

شیطان بدصورت ہوتا ہے:

اس کے برعکس یہ بھی یاد رکھیں کہ شیطان بدصورت ہوتا ہے۔......اس کی دلیل قرآن پاک سے سنیے!......اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿طَلْعُهَا كَأَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ﴾

اس آیت سے بھی پتہ چل رہا ہے کہ شیطان بدشکل ہوتا ہے۔

لغت کے امام جاحظ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

لغت کے ایک امام گزرے ہیں۔ان کا نام''جاحظ''تھا۔وہ عقل کے تو بڑے اچھے تھے،لیکن شکل انوکھی سی تھی۔وہ اپنا واقعہ خود لکھتے ہیں:

میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔وہاں ایک عورت کسی مرد کو لے کر آئی اور میرے قریب آکر اس نے کہا:......''ایسے''......اور چلی گئی۔میں بڑا حیران ہوا کہ اس کا کیا

مطلب ہے؟

خیر! میں بھی اس آدمی کے پیچھے چل پڑا۔ اس کو میں نے پہچان لیا۔ میں نے اس کی بڑی منت سماجت کی اور پوچھا: بتاؤ! مسئلہ کیا ہے؟ بالآخر وہ کہنے لگا: میں پینٹر ہوں، تصویریں بناتا ہوں، میرے پاس عورت آئی اور کہنے لگی کہ مجھے شیطان کی تصویر بنادو۔ میں نے اس سے کہا: جی! میں شیطان کی تصویر کیسے بناؤں؟ مجھے تم ہی بتاؤ کہ کیسے بناؤں؟ تو وہ مجھے کہنے لگی: آؤ! میں تمہیں دکھاتی ہوں۔ چنانچہ وہ مجھے تمہارے پاس لے کر آئی اور کہنے لگی: ''ایسے''۔

بہر حال! معلوم یہ ہوا کہ اللہ رب العزت نے فرشتوں کو نور بھی عطا کیا اور جمال بھی۔ جو انسان نیکوکار بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے پر نور عطا کر دیتے ہیں۔ وہ انسان ہوتا تو بشر ہے، مگر دیکھنے میں لوگوں کو فرشتوں کی مانند نظر آرہا ہوتا ہے۔

زلیخا بھی بہادر بن گئی:

جب عورتوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور کہنے لگیں کہ یہ تو بشر نہیں، بلکہ یہ تو کوئی فرشتہ ہے، تو اس وقت زلیخا بھی بہادر بن گئی اور سمجھنے لگی کہ انہوں نے تو ایک مرتبہ دیکھا ہے اور ان کا یہ حال ہوا ہے، جبکہ میرے ساتھ تو وہ ہر وقت گھر میں رہتا ہے، اس لیے میرا اس کی طرف مائل ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ لہٰذا اس وقت اس نے خود بات کہہ دی: میں نے اس کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا، اگر یہ میری بات نہیں مانے گا تو، یا تو اسے جیل جانا پڑے گا یا پھر سزا اٹھانی پڑے گی۔

صورت حال یہ تھی کہ جتنی عورتیں تھیں، وہ ساری کی ساری اس بات پر متفق ہوئیں۔ چنانچہ شہر کی عورتوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو یہی کہا:......شاعر نے شعر کہا:

مستوں پہ انگلیاں نہ اٹھاؤ بہار میں
دیکھو تو ہوش ہے بھی کسی ہوشیار میں

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن ہی ایسا تھا کہ جس نے بھی دیکھا، وہی ان کی محبت میں گرفتار ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ زلیخا نے بھی اس وقت اپنے دل کا اظہار کر دیا۔

لَا تَخَفْ مَا صَنَعَتْ بِكَ الْاَشْوَاقُ
وَ اشْرَحْ هَوَاكَ فَكُلُّنَا عُشَّاقُ

ہم سب کے سب عاشق ہیں، کھل کے بات کرو...... چنانچہ ان عورتوں نے بھی کہا: تو اپنی مالکہ کی بات کو مان لے۔

فائدہ 42

کسی کا عیب ظاہر ہو تو ہنسنا نہیں چاہیے

اب یہاں ایک نکتہ سمجھنے کے قابل ہے...... یہی عورتیں تھیں جو پہلے زلیخا پر باتیں بنا رہی تھیں اور اب وہ خود اسی میں گرفتار ہوگئیں۔ یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ انسان کے سامنے جب کسی کا عیب کھلے تو اس پر ہنسنا نہیں چاہیے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

((لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِاَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللّٰهُ وَ يَبْتَلِيْكَ))

''تو اپنے بھائی کی کسی بات پر تمسخر نہ اڑا، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تو عافیت دے دے اور تجھے اسی گناہ میں مبتلا کر دے۔''

واقعی! ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی بندے کو ذلت ملے، یا اس سے کوئی گناہ سرزد ہو، یا کوئی خطا ہو جائے، تو اس پر خوشی نہیں منانی چاہیے، اور لوگوں کو خوش ہو ہو کر بھی نہیں بتانا چاہیے، اس لیے کہ یہ صورت حال خود اپنے اوپر بھی آسکتی ہے۔ اور

آ بھی جاتی ہے۔ کتنے لوگوں کو دیکھا جو دوسروں کی کوتاہیوں پہ خوشیاں مناتے ہیں اور کل کو اسی گناہ کی ذلت میں خود بھی گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ...... ہم تو ہیں پاکیزگی کے دعویدار اور باقی سب ہیں گنہگار...... یہ شیطان کا بہت بڑا مکر ہے۔ اس بات سے ڈرنا چاہیے، گھبرانا چاہیے، بلکہ دوسرے کی ستر پوشی کرنی چاہیے۔

حدیث پاک میں ہے:

((مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ ذَبَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جو بندہ اپنے بھائی کی عزت سے مکھیاں اڑائے گا (یعنی اس کی غلطیوں پر پردہ ڈالے گا اور ان کا دفاع کرے گا) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ ہٹا دے گا۔''

اس لیے کسی بھی مسلمان بھائی کی کسی غلطی کو لوگوں کے اندر اچھالنا نہیں چاہیے۔

مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھیں:

شریعت کتنی خوبصورت ہے! اس نے یہ بات سمجھائی کہ اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ مصیبت میں گرفتار ہے تو یہ دعا مانگو:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا))

اس دعا کے پڑھنے سے ایک تو انسان کے اندر عجب اور تکبر بھی نہیں آتا، اور دوسرا یہ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ ایسی صورت میں پھنسنے سے محفوظ بھی رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ دعا یاد بھی کرنی چاہیے اور پڑھنی بھی چاہیے۔ اگر کوئی شخص بیمار ہو یا ذلت میں گرفتار ہو تو ایسے مواقع پر یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

فائدہ 43

بزرگوں کی غلبۂ حال کی باتوں کی تاویل کرنی چاہیے

ایک اور نکتہ بھی سمجھ لیجیے...... عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھا تو ہوش کھو بیٹھیں اور بے اختیار ہو کر انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ یہاں سے علما نے یہ نکتہ نکالا کہ اگر حسنِ ظاہر کو دیکھ کر کسی بندے کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ بے اختیار ہو جائے تو اس کے ساتھ پھر نرمی کا معاملہ کرنا چاہیے، تو وہ لوگ جو اللہ رب العزت کے مشاہدے میں مشغول ہوتے ہیں، اگر کبھی ان کی زبان سے بھی کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو سمجھ میں نہ آئے تو اس کی بھی تاویل کرنی چاہیے۔...... بھئی! حسنِ ظاہر کو دیکھ کر تو وہ انگلیاں کاٹ بیٹھیں، اور یہ جو ہر وقت مشاہدۂ حق میں گرفتار ہیں، اگر ان کی زبان سے بھی اَنَا الْحَق نکل آیا تو اس کی بھی تاویل کرنی چاہیے کہ اس کا مقصد یہ ہو گا...... ان پر فوراً فتویٰ نہیں لگا دینا چاہیے، اس لیے کہ ان کی باقی زندگی تو شریعت کے مطابق ہوتی ہے۔

ہمارے اکابر علمائے دیوبند نے ان بزرگوں کی ان باتوں کی تصدیق بھی نہیں کی کہ ہم بھی ایسے کہتے ہیں، مگر تردید کرنے کے بجائے تاویل سے کام لیا ہے، اور یہی بہتر راستہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ غلبۂ حال میں کسی بزرگ کی کہی ہوئی بات کی ہمیشہ کوئی تاویل کرنی چاہیے۔

جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں قید کرنے کی دھمکی دی تو پھر آگے کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ۝

[یوسف علیہ السلام نے دعا کی: ''یارب! یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں، اس کے مقابلے میں قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر تو نے مجھے ان کی چالوں سے محفوظ نہ کیا تو میرا دل بھی ان کی طرف کھنچنے لگے گا، اور جو لوگ جہالت کے کام کرتے ہیں، ان میں میں بھی شامل ہو جاؤں گا۔'' چنانچہ یوسف علیہ السلام کے رب نے ان کی دعا قبول کی، اور ان عورتوں کی چالوں سے انہیں محفوظ رکھا۔ بے شک وہی ہے جو ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔ پھر ان لوگوں نے (یوسف کی پاکدامنی کی) بہت سی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی مناسب یہی سمجھا کہ انہیں ایک مدت تک قید خانے بھیج دیں]

اَحَبُّ اِلَیَّ

''مجھے (قید خانہ) زیادہ پسند ہے''

ان الفاظ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کے لیے کتنی بڑی قربانی دینے کا ارادہ کرلیا کہ میں جیل کی صعوبتیں تو برداشت کرلوں گا مگر میں حکمِ خدا کو کبھی نہیں توڑوں گا۔ یہ ان کی پاکدامنی، پاکیزگی اور عزت وعصمت کی حفاظت کی ایک بیّن دلیل ہے۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ایک طرف تو انسان کے جذبات بھی ہوں اور جوانی

بھی ہو، اور دوسری طرف سے دعوتِ گناہ بھی ہو۔ ایک طرف مشقتیں ہوں، پریشانی ہو اور ظاہر میں لوگوں کے اندر بدنامی ہونے کا خدشہ بھی ہو اور دوسری طرف سے انسان اللہ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کر رہا ہو تو یہ استقامت کی ایک شاندار مثال ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف کو اللہ رب العزت نے واقعی وہ شان عطا فرمائی تھی کہ جس پر عفت وعصمت کو بھی ناز ہے کہ انہوں نے جیل کو پسند کر لیا۔

عرش کا سایہ پانے والا خوش نصیب:

باقی رہ گئی یہ بات کہ انسان کی اپنی زندگی میں بھی ایسے کئی مواقع آتے ہیں کہ جب اسے گناہ کی دعوت ملتی ہے، تو ایسی صورت میں شریعت نے ہمیں سبق دیا ہے کہ اگر کوئی گناہ کی طرف بلائے تو تم فوراً اللہ کی طرف رجوع کر لو اور ''ناں'' کر دو۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن سات بندے ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔ ان سات بندوں میں سے ایک وہ بھی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہونے سے بچ جائے۔ مثلاً: ایک عورت اگر کسی کو برائی کی دعوت دیتی ہے اور وہ بندہ جواب میں کہہ دیتا ہے: اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ ''میں اللہ سے ڈرتا ہوں'' تو اس عمل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اس کو عرش کا سایہ عطا فرما دیں گے...... اللہ اکبر کبیرا...... اللہ رب العزت کے ہاں اس عمل کی عظمت کا اندازہ لگائیے۔

فائدہ 44

گناہ چھوڑنے میں نیت اللہ کی رضا کی ہو

مرد ہو یا عورت، زندگی میں جب بھی کوئی ایسا موقع آئے تو اس گناہ سے اللہ

رب العزت کے خوف کی وجہ سے ہٹ جانا ، اللہ کے قرب کا ذریعہ بنتا ہے۔ کتنی عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو گناہ کی دعوت ملتی ہے اور وہ گناہ سے بچتی بھی ہیں، مگر ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ دنیا کی ذلت نہ ملے...... یہ مسئلہ ذرا سمجھنے کی ضرورت ہے......اسکول جانے والی بچیاں ، کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والی بچیاں ، ہسپتالوں میں کام کرنے والی نرسیں، یا اس قسم کی وہ بچیاں جو باہر جاتی ہیں اور ان پر غیر محرم لوگوں کی نگاہیں پڑتی ہیں، ان کو کہیں نہ کہیں ایسا اشارہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اس بات سے گھبراتی ہے کہ اگر خاوند کو پتہ چل گیا تو اسے طلاق ہو جائے گی اور گھر برباد ہو جائے گا۔

اگر وہ ان وجوہات کی بنا پر اس گناہ سے ہٹی تو ثواب تو اسے پھر بھی ملے گا، کیونکہ گناہ سے جو بچ رہی ہے، چاہے جو بھی وجہ سہی، گناہ سے ناں تو کر رہی ہے نا۔ لیکن اگر وہ یہ نیت کر لے کہ میں اللہ کے ڈر کی وجہ سے گناہ کو چھوڑتی ہوں تو اس کے ساتھ ساتھ اسے اللہ کا قرب بھی ملے گا...... اگر خاوند کا ڈر بھی نہ ہو اور بے عزتی کا ڈر بھی نہ ہو تو کیا وہ گناہ کر لے گی؟...... اس لیے نیت کو سمجھ لیں۔ شیطان عام طور پر ذہن میں یہی دنیا کی چیزیں ڈالتا ہے اور دنیا کی وجہ سے وہ عورت گناہ سے بچتی ہے۔ اس پر بھی اسے ثواب ملتا ہے۔ مگر یوں سمجھیں کہ سو میں سے تینتیس نمبر لے کر پاس ہو گی۔ اور اگر دل میں یہ نیت ہو گی: اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ ”میں اللہ سے ڈرتی ہوں“ تو اس کو سو میں سے سو نمبر ملیں گے۔ اس لیے کہ اللہ کے خوف سے گناہ سے بچی۔ دیکھیں! وہ گناہ سے بچنے کا ایک عمل تو کر رہی ہے، نیت کا فرق ہے، اس لیے نیت کو اور بھی زیادہ بہتر اور کامل کر لیں۔

گناہ چھوڑنے کی برکات

کتنے ایسے واقعات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں کہ لوگ اللہ کے ڈر کی وجہ سے گناہوں سے بچے۔ چند واقعات آپ بھی سن لیجیے تاکہ اس بات کی اہمیت دل میں بیٹھ جائے۔

⊙......غار کا منہ کھل گیا:

بنی اسرائیل کے تین آدمی بارش سے بچنے کے لیے ایک غار کے اندر بیٹھے تو غار کے منہ کے اوپر ایک چٹان آ گئی۔ ان تینوں نے اس وقت یہ کہا کہ ہم اب اپنی اپنی کوئی ایسی نیکی بیان کریں کہ جس کو ہم وسیلہ بنائیں اور اللہ تعالیٰ اس عمل کے صدقے ہم پر رحم فرما دے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا:

قَدْ عَمِلْتُ حَسَنَةً مَرَّةً كَانَ لِيْ فَضْلٌ فَاَصَابَ النَّاسَ شِدَّةٌ فَجَائَتْنِي اِمْرَاَةٌ تَطْلُبُ مِنِّيْ مَعْرُوْفًا فَقُلْتُ وَ اللّٰهِ مَا هُوَ مِنِّي دُوْنَ نَفْسِكَ فَاَبَتْ عَلَيَّ فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ فَذَكَّرَتْنِيْ بِاللّٰهِ فَاَبَيْتُ عَلَيْهَا وَ قُلْتُ لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ دُوْنَ نَفْسِكَ فَاَبَتْ عَلَيَّ فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ وَ ذَكَرَتْ لِزَوْجِهَا فَقَالَ لَهَا اَعْطِيْهِ نَفْسَكِ وَ اَغْنِيْ عَيَالَكِ فَرَجَعَتْ اِلَيَّ فَنَشَدَتْنِيْ بِاللّٰهِ فَاَبَيْتُ عَلَيْهَا وَ قُلْتُ وَ اللّٰهِ مَا هُوَ دُوْنَ نَفْسِكَ فَلَمَّا رَاَتْ ذٰلِكَ اَسْلَمَتْ اِلَيَّ نَفْسَهَا فَلَمَّا كَشَفْتُهَا اَرْعَدَتْ مِنْ تَحْتِيْ فَقُلْتُ لَهَا مَا شَأْنُكِ فَقَالَتْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ فَقُلْتُ لَهَا خِفْتِيْهِ فِي الشِّدَّةِ وَلَمْ اَخِفْهُ فِي الرَّخَاءِ فَتَرَكْتُهَا وَ اَعْطَيْتُهَا بِالْحَقِّ عَلٰى مَا كَشَفْتُهَا اَللّٰهُمَّ اِنْ

كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ لِوَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا قَالَ فَانْصَدَعَ الْجَبَلُ حَتّٰى عَرِفُوْا اَوْ تَبَيَّنَ لَهُمْ

[ایک مرتبہ میں نے ایک نیکی کی تھی۔ میرے پاس مال پیسہ بہت تھا۔ ایک دفعہ شدت کا قحط پڑ گیا (تنگ دستی آ گئی۔ لوگ پریشان حال تھے۔ ان کو کھانے کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا) اس وقت میرے پاس ایک عورت آئی۔ اس نے مجھ سے کچھ پیسے ادھار مانگے۔ میں نے اس سے کہا: میں تمہیں پیسے تب دوں گا جب تم میرے ساتھ بدکاری کرو گی۔ اس نے انکار کر دیا (کہ میں گناہ نہیں کرتی) اور وہ چلی گئی۔ پھر (چونکہ اس کے گھر میں فاقہ اور تنگ دستی تھی اس لیے) وہ دوبارہ میرے پاس آئی۔ اس نے آ کر مجھے نصیحت کی کہ تو کیوں گناہ کا تقاضا کرتا ہے؟ (یعنی اگر تو نے مجھے پیسے دینے ہی ہیں تو نیکی کی نیت سے دے دے) میں نے اسے ''ناں'' کر دی (کہ میں نے تمہیں ایسے ہی پیسے نہیں دینے) میں نے اسے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں تمہیں اس وقت پیسے دوں گا جب تم میری ضرورت کو پورا کرو گی۔ اس نے پھر بھی انکار کر دیا اور چلی گئی۔ اب اس نے جا کر اپنے خاوند کو بتا دیا (کہ میں جس بندے سے پیسے ادھار لینے گئی تھی وہ میرے ساتھ یہ بات کرتا ہے۔ وہ اتنے پریشان حال تھے کہ) خاوند نے کہہ دیا: تم اس کی بات مان لو، ورنہ بچے بھوک سے مر جائیں گے (ذرا ان کی تنگ دستی کا اندازہ لگائیے کہ خاوند نے بھی کہہ دیا: ٹھیک ہے تم یہ گناہ کر لو، کیونکہ بچے بھوک سے مر رہے ہیں) وہ پھر میرے پاس آئی اور اس نے مجھے اللہ کا واسطہ دیا میں نے تیسری دفعہ بھی ناں کر دی۔ میں نے پھر وہی بات کی کہ میں تمہیں اس وقت تک پیسے نہیں دوں گا جب تک تم میرے

ساتھ بدکاری نہیں کرو گی۔ جب اس نے یہ حال دیکھا تو پھر اس نے میری بات مان لی۔ جب میں گناہ کے لیے تیار ہو گیا تو وہ لیٹے لیٹے کانپنے لگ گئی۔ میں نے اس سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ وہ کہنے لگی: میں اللہ رب العزت سے ڈرتی ہوں۔ میں نے اس سے کہا: تو اس تنگ دستی میں بھی اللہ سے ڈرتی ہے اور میں اس خوشحالی میں اللہ سے نہیں ڈرتا۔ چنانچہ میں نے اس کو چھوڑ بھی دیا اور میں نے اسے جتنے پیسے دینے کا وعدہ کیا تھا وہ پیسے اسے بغیر گناہ کے دے بھی دیے۔ اے اللہ! اگر تو یہ جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا، تو اب تو اس چٹان کو ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ہٹا دیا]

⊙......سب گناہ معاف ہو گئے:

بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا۔ اس کا نام ''الکفل'' تھا۔ وہ ایک امیر آدمی تھا۔ لیکن اس کی طبیعت ایسی تھی کہ اسے جہاں بھی گناہ کی موقع ملتا تھا، وہ گناہ سے ہٹتا نہیں تھا۔ اس کا ایک واقعہ کتابوں میں لکھا ہے:

فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ فَاَعْطَاهَا سِتِّيْنَ دِيْنَارًا عَلٰى اَنْ يَّطَاَهَا فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدَ الرَّجُلِ مِنْ امْرَاَتِهٖ ارْتَعَدَتْ وَ بَكَتْ فَقَالَ لَهَا مَايُبْكِيْكِ اَكْرَهْتُكِ قَالَتْ لَا وَلٰكِنْ هٰذَا عَمَلٌ لَمْ اَعْمَلْهُ قَطُّ قَالَ فَلِمَ تَفْعَلِيْنَ هٰذَا وَلَمْ تَكُوْنِيْ فَعَلْتِيْهِ قَطُّ قَالَتْ حَمَلَتْنِيْ عَلَيْهِ الْحَاجَةُ قَالَ فَتَرَكَهَا ثُمَّ قَالَ اِذْهَبِيْ وَ الدَّنَانِيْرُ لَكِ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ لَا يَعْصِي اللّٰهَ الْكِفْلُ اَبَدًا فَمَاتَ مِنْ لَيْلَتِهٖ فَاَصْبَحَ مَكْتُوْبًا عَلٰى بَابِهٖ غَفَرَ اللّٰهُ لِلْكِفْلِ

''اس کے پاس ایک ضرورت مند عورت آئی۔ اس نے اسے (اس شرط پر)

ساٹھ ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ بدکاری کرے گا۔ جب اس نے گناہ کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ وہ عورت کانپنے لگ گئی، اور رو بھی پڑی۔ اس نے اسے کہا: تو کیوں رو رہی ہے؟ کیا میں نے تیرے ساتھ زبردستی کی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ یہ وہ گناہ ہے جو میں نے زندگی میں کبھی نہیں کیا۔ (اس سے پتہ چلا کہ وہ پاکدامن عورت تھی) اس نے کہا: اگر تو نے پہلے یہ گناہ کبھی نہیں کیا تو پھر اب کیوں کر رہی ہے؟ عورت نے کہا: مجھے ایک ایسی ضرورت پیش آگئی کہ جس کی وجہ سے مجھے ایسا کرنا پڑا۔ یہ سن کر اس نے اسے چھوڑ دیا اور کہا: جاؤ اور پیسے بھی لے جاؤ۔ اللہ کی قسم! آج کے بعد الکفل کبھی بھی یہ گناہ نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اسی رات الکفل کی موت آگئی اور صبح اس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا تھا: اللہ نے الکفل کے سب گناہوں کو معاف فرما دیا''

اس حدیث کے راوی فرماتے ہیں: میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ واقعہ دو چار مرتبہ نہیں، بلکہ پچیس مرتبہ سنا ہوگا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو یہ واقعہ بار بار سناتے تھے۔ بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ پچیس مرتبہ سنا۔ اور جب وہ خدمت اقدس میں نہیں ہوتے ہوں گے تو اس وقت بھی تو بیان ہوا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ متعدد بار سنایا، تاکہ دل میں اللہ رب العزت کا خوف پیدا ہو جائے اور انسان گناہوں سے بچ جائے۔

⊙.....عورت سات اولیاءؒ کی ماں بن گئی:

ایک اور واقعہ سنیے!

كَانَتْ اِمْرَاَةٌ بَغِيٌّ لَهَا ثُلُثُ الْحُسْنِ لَا تُمْكِنُ مِن نَّفْسِهَا اِلَّا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ وَ اِنَّهٗ اَبْصَرَهَا عَابِدٌ فَاَعْجَبَتْهُ فَذَهَبَ فَعَمِلَ بِيَدَيْهِ وَ عَالَجَ فَجَمَعَ مِائَةَ دِيْنَارٍ ثُمَّ جَاءَ اِلَيْهَا فَقَالَ اِنَّكِ اَعْجَبْتِنِيْ فَانْطَلَقْتُ فَعَمِلْتُ بِيَدَيَّ وَ عَالَجْتُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَقَالَتْ لَهٗ اُدْخُلْ فَدَخَلَ وَ كَانَ لَهَا سَرِيْرٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَلَسَتْ عَلٰى سَرِيْرِهَا ثُمَّ قَالَتْ لَهٗ هَلُمَّ فَلَمَّا جَلَسَ مِنْهَا مَجْلِسَ الْخَاتِنِ ذَكَرَ مَقَامَهٗ بَيْنَ يَدَى اللّٰهِ فَاَخَذَتْهُ رَعْدَةٌ فَقَالَ لَهَا اُتْرُكِيْنِيْ اَخْرُجُ وَ لَكِ الْمِائَةَ دِيْنَارٍ قَالَتْ مَا بَدَا لَكَ وَ قَدْ زَعَمْتَ اَنَّكَ رَاَيْتَنِيْ فَاَعْجَبْتُكَ فَذَهَبْتَ فَعَالَجْتَ وَ كَدِدْتَ حَتّٰى جَمَعْتَ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَلَمَّا قَدَرْتَ عَلَيَّ فَعَلْتَ الَّذِىْ فَعَلْتَ فَقَالَ فَرَقًا مِنَ اللّٰهِ وَ مِنْ مَّقَامِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ قَدْ بَغَضْتِ اِلَيَّ فَاَنْتِ اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَيَّ فَقَالَتْ اِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَمَا لِيْ زَوْجٌ غَيْرَكَ فَقَالَ دَعِيْنِيْ اَخْرُجْ فَقَالَتْ لَا اِلَّا اَنْ تَجْعَلَ لِيْ اَنْ تَزَوَّجَ بِيْ قَالَ لَا حَتّٰى اَخْرُجُ قَالَتْ فَلِيْ عَلَيْكَ اِنْ اَنَا اَتَيْتُكَ اَنْ تَتَزَوَّجَنِيْ قَالَ لَعَلَّ فَتَقَنَّعَ بِثَوْبِهٖ ثُمَّ خَرَجَ اِلٰى بَلَدِهٖ وَ ارْتَحَلَتْ تَائِبَةً نَادِمَةً عَلٰى مَا كَانَ مِنْهَا حَتّٰى قَدِمَتْ بَلْدَهٗ فَسَاَلَتْ عَنْ اِسْمِهٖ وَ مَنْزِلِهٖ فَدُلَّتْ عَلَيْهِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ الْمَلِكَةَ قَدْ جَاءَتْكَ فَلَمَّا رَاٰهَا شَهِقَ شَهْقَةً فَمَاتَ وَ سَقَطَ فِيْ يَدِهَا وَقَالَتْ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ فَاتَنِيْ فَهَلْ لَهٗ مِنْ قَرِيْبٍ قَالُوْا اَخُوْهُ رَجُلٌ فَقِيْرٌ قَالَتْ فَاِنِّيْ اَتَزَوَّجُهٗ حُبًّا لِاَخِيْهِ فَتَزَوَّجَتْهُ فَنَشَرَ اللّٰهُ مِنْهَا سَبْعَةَ اَوْلِيَاءَ

''ایک زانیہ عورت تھی۔اس کو حسن کا تیسرا حصہ ملا تھا۔(یعنی وہ کوئی بہت ہی حور پری قسم کی عورت تھی)وہ سو دینار لیتی تھی اور بدکاری کرتی تھی۔ایک مرتبہ ایک عبادت گزار نوجوان گلی سے گزر رہا تھا،اس کی نظر اس عورت پر پڑ گئی۔ اس کو اس کا حسن بہت اچھا لگا۔(گویا اس کے دل میں اس کی شکل اٹک گئی، ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا،وہ بھلانا بھی چاہتا تو اس کو بھول ہی نہیں سکتا تھا، چنانچہ اس نے فیصلہ کرلیا کہ اچھا!میں بھی پیسے اکٹھے کرتا ہوں اور میں بھی اس کے پاس جاتا ہوں)چنانچہ وہ گیا،اس نے ہاتھ سے محنت مزدوری کی اور سو دینار اکٹھے کر لیے۔جب اس نے آکر سو دینار اس کو دیے تو اس نے کہا:آؤ گھر آجاؤ۔وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا۔اس بدکار عورت نے اپنی چارپائی سونے کی بنوائی ہوئی تھی۔(کیونکہ اس کے پاس حرام کاری کا بہت پیسہ تھا)وہ عورت اپنی چارپائی کے اوپر آکر بیٹھ گئی۔پھر اس نے کہا:آجاؤ۔(جیسے زلیخا نے کہا تھا:هَيْتَ لَكَ ''آجاؤ'' ٹھیک یہی معنی یہاں بھی بنتا ہے کہ آجاؤ)۔جب وہ شخص اس کے پاس اس طرح بیٹھا جس طرح مرد عورت کے ساتھ ہم بستری کے لیے ہوتا ہے،تو اس آدمی کو اس وقت قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا معاملہ یاد آگیا۔اس پر خوف طاری ہوگیا اور وہ کانپنے لگا۔وہ نیک نوجوان کہنے لگا:مجھے چھوڑو،میں یہاں سے نکلتا ہوں،وہ سو دینار بھی تیرے ہیں،بس مجھے جانے دو۔وہ کہنے لگی :تجھے کیا ہوگیا؟حالانکہ تو نے جب مجھے دیکھا تو میں تمہیں بہت پسند آئی،تو گیا،تو نے جا کر مزدوری کی اور پھر تو نے سو دینار اکٹھے کیے اور جب تجھے میرے اوپر کنٹرول ملا تو تُو نے یہ کیا۔اس پر اس نوجوان نے کہا:میرے اوپر

اللہ کا خوف غالب آ گیا ہے کہ میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر کیا جواب دوں گا۔ اب مجھے تجھ سے نفرت ہوگئی ہے اور انسانوں میں سے تجھ سے زیادہ نفرت مجھے کسی کے ساتھ نہیں ہے (وہ عورت بھی دنیا دیکھ چکی تھی۔ جب اس نے ایک ایسے مرد کو دیکھا کہ اس میں جذبات بھی ہیں، جوانی بھی ہے، خواہش بھی ہے، اس کے باوجود اس پر اللہ کا خوف غالب آ گیا ہے، تو وہ عورت خود بھی متاثر ہوئی اور) کہنے لگی: اگر تو اپنی بات میں سچا ہے تو پھر تیرے سوا میرا کوئی دوسرا خاوند نہیں بن سکتا۔ وہ کہنے لگا: مجھے چھوڑ، میں یہاں سے نکلوں۔ وہ کہنے لگی: نہیں، تو میرے ساتھ نکاح کا وعدہ کر، پھر میں تجھے جانے دوں گی۔ اس نے کہا: نہیں، مجھے نکلنے دے۔ چنانچہ وہ کہنے لگی: ٹھیک ہے، تمہیں جانا ہے تو جاؤ، لیکن اگر میں تمہارے پیچھے تمہارے گھر پہنچ جاؤں تو وعدہ کرو کہ تم وہاں میرے ساتھ نکاح کرو گے۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے، تُو آئے گی تو ہو سکتا ہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح کرلوں۔ اس نیک نوجوان نے اپنے چہرے کو ڈھانپا اور شہر سے نکل کر اپنے گاؤں چلا گیا (جب وہ نیک نوجوان اپنے گاؤں چلا گیا تو) پیچھے اس عورت نے اپنے گناہوں پر توبہ کی، نادم و شرمندہ ہوئی اور پیچھے پیچھے وہ بھی اس کے گاؤں پہنچ گئی۔ وہاں اس نے اس بندے کا نام پوچھا اور گھر کے بارے میں پوچھا۔ اسے بتایا گیا کہ یہ اس کا گھر ہے۔ گاؤں کے بندے نے اس نوجوان کو بتایا: جی! ایک ملکہ آپ کو ملنے کے لیے آئی ہے۔ (اصل میں وہ خوبصورت بھی بہت تھی اور اس کا پہناوا اتنا اچھا تھا کہ دیکھنے والے کو ملکہ کی طرح خوبصورت لگتی تھی) جب اس نیک نوجوان نے اس عورت کو دیکھا تو (وہ ڈر گیا کہ کہیں اس کا ایمان ہی سلب نہ

ہو جائے یا کہیں وہ اسے دوبارہ گناہ کی طرف نہ مائل کر دے، چنانچہ) اس نے چیخ ماری اور گر گیا، اور اس عورت کی آنکھوں کے سامنے اس نے جان دے دی۔ وہ عورت کہنے لگی: اب تو یہ فوت ہو گیا، کیا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے؟ لوگوں نے اسے کہا: ہاں! اس کا ایک بھائی ہے، اور وہ ایک فقیر انسان ہے۔ وہ عورت کہنے لگی: میں اس کے بھائی کی محبت کی وجہ سے اس سے نکاح کروں گی۔ چنانچہ اس کے ساتھ اس کا نکاح ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس توبہ کرنے والی عورت کو سات اولیاء کی ماں بنا دیا۔''

جب انسان اللہ رب العزت کی رضا کے لیے گناہ سے بچتا ہے تو اللہ تعالیٰ توبہ بھی قبول فرماتے ہیں اور اس بندے کو اپنا قرب بھی عطا فرماتے ہیں۔

⊙...... بادل کا سایہ تائب کے سر پر:

اب ایک اور واقعہ بھی سنیے!

اَنَّ قَصَّابًا وَلَعَ بِجَارِيَةٍ لِبَعْضِ جِيْرَانِهٖ فَاَرْسَلَهَا اَهْلُهَا فِيْ حَاجَةٍ لَهُمْ اِلٰى قَرْيَةٍ اُخْرٰى فَتَبِعَهَا فَرَاوَدَهَا عَنْ نَّفْسِهَا فَقَالَتْ لَا تَفْعَلْ لِاَنَّا اَشَدُّ حُبًّا لَّكَ مِنْكَ لِيْ وَلٰكِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ قَالَ فَاَنْتِ تَخَافِيْنَهٗ وَ اَنَا لَا اَخَافُهٗ فَرَجَعَ تَائِبًا فَاَصَابَهُ الْعَطْشُ حَتّٰى كَادَ يَنْقَطِعُ عُنُقُهٗ فَاِذَا هُوَ بِرَسُوْلٍ لِبَعْضِ اَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَسَاَلَهٗ قَالَ مَا لَكَ قَالَ الْعَطْشُ قَالَ تَعَالَ حَتّٰى نَدْعُوَ اللّٰهَ حَتّٰى تُظِلَّنَا سَحَابَةٌ حَتّٰى نَدْخُلَ الْقَرْيَةَ قَالَ مَا لِيَ مِنْ عَمَلٍ قَالَ فَاَنَا اَدْعُوْ وَ اَمِّنْ اَنْتَ قَالَ فَدَعَا الرَّسُوْلُ وَ اَمَّنَ هُوَ فَاَظَلَّتْهُمْ سَحَابَةٌ حَتّٰى اِنْتَهَوْا اِلَى الْقَرْيَةِ فَاَخَذَ الْقَصَّابُ اِلٰى مَكَانِهٖ وَ مَالَتِ السَّحَابَةُ فَمَالَتْ عَلَيْهِ فَرَجَعَ

الرَّسُوْلُ فَقَالَ زَعَمْتَ اَنَّ لَيْسَ لَكَ عَمَلٌ وَ اَنَا الَّذِیْ دَعَوْتُ وَاَنْتَ الَّذِیْ اَمَّنْتَ فَاَظَلَّتْنَا سَحَابَةٌ ثُمَّ تَبِعْتُكَ لِتُخْبِرَنِیْ مَا اَمْرُكَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ الرَّسُوْلُ التَّائِبُ اِلَى اللّٰهِ بِمَكَانٍ لَّيْسَ اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ بِمَكَانِهٖ

''ایک قصاب تھا۔ وہ اپنے ہمسایوں کی ایک لڑکی پر فریفتہ ہو گیا۔ اس لڑکی کو اس کے گھر والوں نے ساتھ والی بستی میں کسی کام کے لیے بھیجا۔ اس نوجوان نے اس لڑکی کا پیچھا کیا۔ اس نے اس لڑکی کو اپنی طرف مائل کیا (جیسے زلیخا نے کہا: ﴿تُرَاوِدُ فَتَاهَا﴾۔ اس نے بھی وہی عمل کیا) اس لڑکی نے جواب میں کہا: ایسا نہ کر، جتنی محبت تو مجھ سے کرتا ہے، میں اس سے زیادہ محبت تجھ سے کرتی ہوں، لیکن میں اللہ سے ڈرتی ہوں۔ اس نوجوان نے کہا: تو اللہ سے اتنا ڈرتی ہے اور میں نہیں ڈرتا۔ چنانچہ وہ توبہ تائب ہو گیا اور واپس گھر کی طرف روانہ ہوا۔ (گرمی کا موسم تھا راستے میں) اسے اتنی پیاس لگی کہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ اس وقت بنی اسرائیل کے انبیا کا تربیت یافتہ کوئی عالم اس کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: بھئی! تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا: مجھے پیاس لگی ہے۔ اس نے کہا: آؤ، دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر بادل کا سایہ کر دے اور ہم اپنے گاؤں میں پہنچ جائیں۔ اس قصاب نے کہا: میرے پاس تو کوئی عمل ہی نہیں۔ اس عالم نے کہا: دعا میں کروں گا، تم اس پر فقط آمین کہہ دینا۔ چنانچہ اس عالم نے دعا کی اور قصاب نے اس پر آمین کہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سایہ کرنے کے لیے بادل بھیج دیا۔ حتی کہ وہ اپنی بستی میں پہنچ گئے۔ اب قصاب اپنے راستے پہ مڑا۔ جب وہ اپنے

راستے پر مڑا تو اس نے دیکھا کہ وہ بادل بھی اسی قصاب کے اوپر مڑ گیا۔ چنانچہ وہ عالم اس قصاب کے پاس آیا اور کہنے لگا: تو گمان کرتا تھا کہ تیرا کوئی نیک عمل ہی نہیں تھا، میں نے دعا کی تھی اور تو نے آمین کہی تھی، اللہ رب العزت نے ہمیں بادل کا سایہ عطا فرمایا، لیکن اب بادل کا سایہ تمہارے ہی سر پر ہے، لہٰذا بتاؤ کہ تمہارا عمل کیا ہے؟ اس قصاب نے عالم کو اپنا واقعہ سنایا۔ یہ واقعہ سن کر اس عالم نے کہا: جو اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہ سے توبہ کرتا ہے اس کو وہ رتبہ ملتا ہے جو کسی دوسرے بندے کو مل ہی نہیں سکتا''

◉......دنیا کی آگ نے جلانا چھوڑ دیا:

اس طرح کا ایک اور واقعہ بھی سنیے۔

اَنَّ حَدَّادًا كَانَ يُمْسِكُ الْحَدِيْدَ الْمُحْمٰى بِيَدِهٖ فَسُئِلَ عَنْهُ فَقَالَ: عَشِقْتُ اِمْرَاَةً فَرَاوَدْتُّهَا وَ عَرَضْتُ عَلَيْهَا مَالًا فَقَالَتْ اِنَّ لِيْ زَوْجًا لَا اَحْتَاجُ اِلَى الْمَالِ ثُمَّ مَاتَ زَوْجُهَا فَطَلَبْتُ اَنْ اَتَزَوَّجَهَا فَامْتَنَعَتْ وَ قَالَتْ لَا اُرِيْدُ اِذْلَالَ اَوْلَادِيْ ثُمَّ بَعْدَ زَمَانٍ اِحْتَاجَتْ فَاَرْسَلَتْ اِلَيَّ فَقُلْتُ لَا اُعْطِيْكِ شَيْئًا حَتّٰى تُعْطِيْنِيْ مُرَادِيْ فَلَمَّا دَخَلْتُ مَعَهَا مَوْضِعًا اِرْتَعَدَتْ فَقُلْتُ مَالَكِ فَقَالَتْ اَخَافُ اللّٰهَ السَّمِيْعَ الْبَصِيْرَ فَتَرَكْتُهَا فَقَالَتْ اَنْجَاكَ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ فَمِنْ ذَالِكَ الْوَقْتِ لَا تُحْرِقُنِيْ نَارُ الدُّنْيَا وَ اَرْجُوْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ لَا تُحْرِقَنِيْ نَارُ الْاٰخِرَةِ

''ایک لوہار تھا۔ وہ گرم لوہے کو ہاتھ سے پکڑ لیتا تھا اور وہ اس کے ہاتھ کو نہیں جلاتا تھا...... (یہ ایک انوکھی بات ہے کہ ایک بندہ گرم لوہے کو پکڑے اور آگ

اس کو کچھ نہ کہے)......اس سے پوچھا گیا: بھئی! اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا: مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا۔ میں نے اسے بدکاری کی طرف مائل کیا اور اسے (اس کے عوض میں) مال پیش کیا۔ لیکن وہ کہنے لگی: میرا خاوند موجود ہے، مجھے آپ کے مال کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر جب اس کا خاوند فوت ہو گیا تو میں نے اس سے کہا کہ اب تو میرے ساتھ نکاح کر لے۔ اس نے مجھے انکار کر دیا اور کہا: میرے بچے چھوٹے ہیں، اگر میں تم سے نکاح کروں گی تو تیری ضرورتیں مقدم ہو جائیں گی اور میرے بچے رل جائیں گے، اس لیے میں اپنے بچوں کو لاوارث نہیں چھوڑنا چاہتی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اس عورت کو کوئی ضرورت پڑ گئی۔ اس نے میری طرف پیغام بھیجا۔ میں نے کہا: جب تک تو میری مراد پوری نہیں کرے گی میں تمہیں کچھ بھی نہیں دوں گا۔ چنانچہ جب میں گناہ کرنے کے لیے اس کے پاس گیا تو وہ کانپنے لگی۔ میں نے پوچھا: کیا مسئلہ ہے؟ وہ کہنے لگی: میں اللہ سے ڈرتی ہوں جو سب کچھ سننے والا ہے، جو سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ یہ سن کر میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ اس وقت وہ مجھے کہنے لگی ''اللہ تمہیں آگ کے عذاب سے نجات دے'' (اس پاکیزہ عورت کی زبان سے نکلی ہوئی دعا ایسی قبول ہوئی کہ) اس وقت کے بعد مجھے دنیا کی آگ بھی نہیں جلاتی اور میں اللہ رب العزت سے یہ امید کرتا ہوں کہ مجھے جہنم کی آگ بھی نہیں جلائے گی''

یہ عمل اللہ رب العزت کے ہاں اس قدر مقبول ہے کہ ایسے بندے کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب سب عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ تم زلیخا کی

بات مان لو تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! جس گناہ کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو میرے لیے جیل میں جانا زیادہ بہتر ہے...... اللہ اکبر کبیرا۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی استقامت پر روشن دلیل ہے۔

پسند کرنا اللہ کو سجتا ہے:

ایک بات یاد رکھیں کہ "پسند کرنا" اللہ کو سجتا ہے، کسی اور کو نہیں سجتا۔ بندوں نے جب بھی کسی کو پسند کیا، آزمائش آئی۔ مثال کے طور پر:

- ...... حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو پسند کیا، وہ کافر ہو گیا
- ...... حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو پسند کیا، وہ کافر ہو گیا
- ...... حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پسند کیا، انہیں کنویں کے اندر پڑنا پڑ گیا۔
- ...... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو پسند کیا، اس کے گلے پر چھری پھیرنی پڑ گئی۔
- ...... حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے پسند کیا، ان کو جیل کی کال کوٹھڑی میں جانا پڑ گیا۔
- ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پسند کیا، ان کو کتنی آزمائش میں سے گزرنا پڑا۔

فائدہ 45

شادی کی پسند دین کی بنیاد پر ہونی چاہیے

آج اکثر نوجوان "پسند کی شادی" کرنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ بھئی! تم پسند کی شادی کر لو، تمہیں کس نے روکا ہے؟ لیکن یاد رکھنا کہ ساری عمر اس کی قیمت ادا کرنی

پڑے گی۔ کئی بچیوں کے دماغ بھی کسی جگہ اٹک جاتے ہیں۔ ماں باپ کہتے ہیں: بیٹی! یہ رشتہ اچھا نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے: نہیں، بس ادھر ہی کرنی ہے۔ پھر جب پسند کی شادی ہو جاتی ہے تو پھر وہ ساری عمر روتی ہے...... ہم نے تو اکثر و بیشتر روتے ہی دیکھا ہے...... البتہ اگر پسند ہی کرنا ہو تو پھر دین کی نسبت سے پسند کرے۔ دنیا کی نسبت سے یا حسن کی نسبت سے پسند کرنے کا اللہ کے ہاں کوئی مقام نہیں ہے۔ بھئی! پسند کی جگہ دنیا نہیں، جنت ہے۔ اسی لیے فرمایا:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾

یعنی جنت میں تم جو چاہو گے، وہی ملے گا۔

زنا کی آفتیں:

علما نے لکھا ہے کہ زنا کے اندر کچھ آفتیں ہیں۔ مثال کے طور پر:

(۱)...... دین میں کمی ہو جاتی ہے۔

(۲)...... علم میں کمی ہو جاتی ہے۔ جو طلبا نگاہوں کا پرہیز نہیں کر پاتے، گناہ سے نہیں بچ پاتے، وہ اکثر کہتے ہیں کہ چیزیں بھول جاتی ہیں۔ سبق یاد تو کرتے ہیں لیکن استاد کے سامنے یاد نہیں رہتا۔ اس کی بنیادی وجہ اس گناہ کی نحوست ہے۔

(۳)...... عقل میں کمی آجاتی ہے۔

(۴)...... عمر میں کمی آجاتی ہے۔ اس لیے کہ ایسی حرکتیں کرنے سے جسم بیمار ہو جاتا ہے اور انسان وقت سے پہلے ہی چلا جاتا ہے۔

(۵)...... رزق میں بھی کمی آجاتی ہے۔ رزق تنگ ہو جاتا ہے۔

(۶)...... یادداشت میں کمی ہو جاتی ہے۔

(۷)...... چہرے کے نور میں کمی آجاتی ہے۔ ایسے بندے کے چہرے پر لعنت برس

رہی ہوتی ہے۔

(۸)......اللہ کے نیک بندوں سے بغض ہو جاتا ہے۔اس لیے جو بے پردہ پھرنے والی عورتیں ہوں گی،ان کو پردہ کرنے والی عورتیں ذرا بھی اچھی نہیں لگیں گی۔

(۹)......اس بندے کے دل میں اللہ کے ساتھ دشمنی آجاتی ہے۔

(۱۰)......اس کی دعائیں مردود ہو جاتی ہیں۔اور

(۱۱)......اس کی پیشانی پر لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ سے دور ہے اور دوزخ کے قریب ہے۔

وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ

''اور اگر تو نے مجھے ان کی چالوں سے محفوظ نہ کیا تو میرا دل بھی ان کی طرف کھنچنے لگے گا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضع:

حضرت یوسف علیہ السلام کہنا یہ چاہتے تھے: اے اللہ! اگر میں گناہ سے بچا ہوا ہوں تو یہ میرا کمال نہیں ہے، یہ آپ کی حفاظت ہے۔ یہ آپ کا میرے اوپر احسان ہے کہ آپ نے مجھے بچایا ہوا ہے۔اور اگر میں یہیں رہا اور مجھ سے یہ عورتیں یہی باتیں کرتی رہیں تو ممکن ہے کہ میں اس گناہ کی طرف مائل ہو جاؤں۔لہٰذا بہتر ہے کہ آپ مجھے یہاں سے نکال کر جیل ہی بھیج دیں۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضع تھی۔

فائدہ 46

گناہ کو چھوڑنے کے لیے ماحول کو چھوڑنا ضروری ہے

یہاں ایک نکتہ سمجھیے !...... گناہ سے بچنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے کون سا

حل نکالا؟ کہ میں اس محفل سے نکلوں اور جیل کی خلوت میں جاؤں۔آج بھی اگر کوئی گناہ سے بچنا چاہے گا تو اسے حضرت یوسف علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنا پڑے گا۔اسے جس ماحول میں گناہ کی دعوت مل رہی ہے، اسے اس ماحول کو چھوڑنا پڑے گا اور مصلے کی خلوت کو اختیار کرنا پڑے گا۔رات کی تاریکی ہو، آخری پہر ہو، مصلی ہو، لوگ سو رہے ہوں اور یہ بندہ جاگ کر دو رکعت نفل پڑھے اور پھر اللہ سے دعا مانگے اور کہے:

''اے اللہ! حضرت یوسف علیہ السلام تو رجوع الی اللہ کے لیے جیل چلے گئے تھے اور میں نے اپنے آپ کو اس محفل سے نکالا اور اب میں مصلّے کی جیل میں آ گیا ہوں۔میں بھی تیری طرف متوجہ ہوں، مجھے بھی اس مصیبت سے نجات عطا فرمادے۔''

آپ دیکھیں گے کہ دو رکعت نفل پڑھنے پر اللہ تعالیٰ دل سے غیر شرعی محبت کو نکال دیں گے۔بعض نوجوان پھنسے ہوئے ہوتے ہیں، بعض بچیوں کے دلوں میں باتیں اٹکی ہوتی ہیں، وہ ذرا اس نسخے کو آزما کر دیکھیں، اللہ تعالیٰ ان کے دل سے نفسانی، شیطانی اور شہوانی محبت نکال دیں گے اور اس دلدل سے نجات عطا فرمادیں گے۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ

''اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی''

سچی توبہ پر اللہ کی مدد:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص گناہ سے توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر اس بندے کی مدد کرنا لازم ہو جاتا ہے......اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم

نہیں ہے مگر بات کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم ضرور بالضرور ان کی مدد کرتے ہیں......
یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نوجوان تھے، اس لیے انہوں نے جیل کی دعا مانگی۔ ویسے بھی جب ہمت ہوتی ہے تو پھر انسان مشکل کو مشکل نہیں سمجھتا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر وہ یہ دعا مانگ لیتے کہ: اے اللہ! ان سے میری جان چھڑا اور عافیت کا معاملہ فرما، تو اللہ تعالیٰ جیل سے بھی بچا لیتے اور گناہ سے بھی بچا لیتے۔

لَيَسْجُنُنَّهُ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

''انہیں ایک مدت تک قید خانے بھیج دیں''

حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں:

جب لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی بہت سی نشانیاں دیکھ لیں تو سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ بادشاہ کی تو بدنامی ہو رہی ہے، شہر میں اس کی بیوی کے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مدت کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیج دیا جائے تاکہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں اور ان کے ذہنوں سے یہ بات نکل جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیج دیا۔

عزیزِ مصر نے جیل کیوں بھیجا؟

عزیزِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل کیوں بھیجا؟ اس سلسلہ میں مفسرین کی

دو آراء ہیں۔

(۱)......بعض علما نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سزا دینے کے لیے عزیزِ مصر نے انہیں جیل میں بھیجا۔ کیونکہ بیوی نے کہا تھا کہ یہ میری بات نہیں مانتا اس لیے اس کو جیل بھیج دو۔

(۲)......بعض مفسرین نے اس سے بڑھ کر ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیزِ مصر نے اپنی بیوی کو سزا دینے کے لیے جیل میں بھیجا۔ اس لیے کہ اس کی بیوی کے لیے اس سے بڑی سزا کوئی نہیں تھی کہ محبوب زندہ بھی ہو اور آنکھوں سے بھی دور ہو۔ یہ تو محبّ کے لیے مرنے والی بات ہوتی ہے۔ تو عزیزِ مصر نے فقط حضرت یوسف علیہ السلام کو تکلیف دینے کے لیے ایسا نہیں کیا تھا، کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس معاملے میں بری ہیں، وہ دراصل بیوی کو سزا دینا چاہتا تھا کہ تو نے بدکاری کی نیت کی تھی، اور تیرے لیے ہی یہ سزا ہے کہ اب تو اس چہرے کو دیکھ بھی نہیں سکتی۔ اس لیے اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھیج دیا۔

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ
اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا
تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۶﴾
قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ
یَّاْتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ
لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ
اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ
بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ
وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ
مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا
اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ
خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ
قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ؕ ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ
نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ
فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ؕ ﴿۴۲﴾

[اور یوسف کے ساتھ دو اور نوجوان قید خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے (ایک دن حضرت یوسف علیہ السلام سے) کہا: ''میں (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں'' اور دوسرے نے کہا: ''میں (خواب میں) یوں دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹی اٹھائی ہوئی ہے، (اور) پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں۔ ذرا ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ، ہمیں تم نیک آدمی نظر آتے ہو'' یوسف نے کہا: ''جو کھانا تمہیں (قید خانے میں) دیا جاتا ہے وہ ابھی آنے نہیں پائے گا کہ میں تمہیں اس کی حقیقت بتا دوں گا۔ یہ اس علم کا ایک حصہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ (مگر اس سے پہلے میری ایک بات سنو) کہ میں نے ان لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو آخرت کے منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔ ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ (توحید کا عقیدہ) ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کے فضل کا حصہ ہے، لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر ادا نہیں کرتے۔ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے؟ اس کے سوا جس جس کی تم عبادت کرتے ہو، ان کی حقیقت چند ناموں سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اے میرے قید خانے کے

ساتھیو! (اب اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ (قید سے آزاد ہوکر) اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔ رہا دوسرا، تو اُسے سولی دی جائے گی، جس کے نتیجے میں پرندے اس کے سر کو (نوچ کر) کھائیں گے۔ جس معاملے میں تم پوچھ رہے تھے، اس کا فیصلہ (اسی طرح) ہو چکا ہے''۔ اور ان دونوں میں سے جس کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اُس سے یوسف نے کہا: ''اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا۔'' پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اس کو یہ بات بھلا دی کہ وہ اپنے آقا سے یوسف کا تذکرہ کرتا۔ چنانچہ وہ کئی برس قید خانے میں رہے]

فَتَيٰنِ

''دونو جوان''

جیل میں دونو جوانوں سے ملاقات:

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں دونو جوان اور بھی تھے۔ وہ بھی کسی مقدمے میں قید ہوکر آئے تھے...... ان کا معاملہ کیا تھا؟...... دراصل ملک کے کچھ امراء بادشاہ کو جان سے مار دینا چاہتے تھے۔ اس وقت وہ بندہ جو بادشاہ کو پانی پلاتا تھا، اور وہ بندہ جو بادشاہ کی روٹیاں پکاتا تھا، یعنی ساقی اور خبازے، دونوں کو انہوں نے رشوت دی اور کہا کہ تم روٹی یا پانی کے اندر زہر ملا دو۔ روٹی والے خبازے نے تو ان سے پیسے لے لیے لیکن پانی پلانے والا ساقی ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ جب خبازے نے روٹی کے اندر زہر ملا کر پیش کیا تو پانی پلانے والے نے بتا دیا: بادشاہ سلامت! یہ کھانا نہ کھانا، اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

یہ بات سن کر بادشاہ نے ان دونوں کو وقتی طور پر پکڑ کر جیل بھجوا دیا اور کہا کہ بعد میں تحقیق کریں گے۔ چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو بات کھل گئی کہ جو پانی پلانے والا تھا وہ سچا بندہ تھا، اس لیے اس کو آزاد کر دیا گیا، اور جس نے زہر ملائی تھی اس کو پھانسی چڑھا دیا گیا۔

نوجوانوں کا اظہارِ محبت:

ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے جیل میں پہنچ کر اپنی باتیں پوچھیں۔ ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کا اظہار بھی کیا۔ وہ کہنے لگے: جی! آپ کے چہرے پر بڑا نور ہے اور آپ ہمیں بہت اچھے لگتے ہیں، اس لیے ہم آپ کے پاس کچھ باتیں پوچھنے کے لیے آئے ہیں۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو عجیب جواب دیا۔ اس وقت ان کی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ گفتگو ہوئی:

فَحَكٰى مُجَاهِدٌ اَنَّهُمَا قَالَا لِيُوْسُفَ لَمَّا حُبِسَا مَعَهٗ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَحْبَبْنَاكَ حِيْنَ رَاَيْنَاكَ، فَقَالَ يُوْسُفُ: اُنْشُدُكُمَا بِاللّٰهِ اَنْ لَّا تُحِبَّانِيْ فَمَا اَحَبَّنِيْ اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَ عَلَيَّ مِنْ حُبِّهٖ بَلَاءٌ لَقَدْ اَحَبَّتْنِيْ عَمَّتِيْ فَدَخَلَ عَلَيَّ مِنْ حُبِّهَا بَلَاءٌ، ثُمَّ اَحَبَّنِيْ اَبِيْ فَدَخَلَ عَلَيَّ مِنْ حُبِّهٖ بَلَاءٌ ثُمَّ اَحَبَّتْنِيْ زَوْجَةُ صَاحِبِي الْعَزِيْزِ فَدَخَلَ عَلَيَّ مِنْ حُبِّهَا بَلَاءٌ، لَا اُرِيْدُ اَنْ يُّحِبَّنِيْ اِلَّا رَبِّيْ

"وہ دونوں نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! جب ہم نے آپ کو دیکھا تو ہمیں آپ سے محبت ہو گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا: میں تم دونوں کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرے ساتھ محبت مت کرو۔ اس لیے کہ جس نے بھی میرے ساتھ محبت کی، اس سے مجھے مصیبت

ملی۔ میری پھوپھی نے محبت کی تھی اور اس کی وجہ سے مجھے مصیبت میں پڑنا پڑا...... (چوری کا الزام لگا تھا، حالانکہ وہ سارا معاملہ اس پھوپھی نے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے کے لیے کیا تھا، لیکن ان پر چوری کا دھبہ تو لگ گیا)...... پھر مجھ سے والد نے محبت کی اس کی وجہ سے مجھے کنویں میں پڑنا پڑ گیا۔ پھر مجھ سے زلیخا نے محبت کی تو جیل والی مصیبت مجھ پر آپڑی۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے پروردگار کے سوا کوئی مجھ سے محبت کرے‘‘

فائدہ 47

محبت فقط اللہ کی مطلوب ہے

آج بچیوں، عورتوں اور امرد لڑکوں کو بھی اس سے سبق سیکھنا چاہیے کہ اگر کوئی بھی ذرا محبت کا اظہار کرے تو وہ فوراً کہیں: جی! میں تو چاہتا ہوں کہ مجھ سے فقط اللہ ہی محبت کرے، مجھے مخلوق کی محبت کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ عورت کو اس بات کی طلب رہنی چاہیے کہ اس سے خاوند محبت کا اظہار کرے، اور جتنی محبت کرتا ہے اتنی کرے۔ اس لیے کہ وہ تو اس کا شرعی حق ہے۔ خاوند کے علاوہ جب بھی کوئی محبت کا اظہار کرے گا تو مصیبت ہوگی۔ اس لیے اس سے ڈرنا چاہیے، گھبرانا چاہیے۔ ورنہ آج کل تو جو دین سے ہٹی ہوئی بچیاں اور عورتیں ہیں وہ تو اس بات پر خوش ہوتی ہیں کہ جی! ہم جہاں جاتے ہیں، لوگ ہمیں شوق سے دیکھتے ہیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، بلکہ یہ تو بڑے خطرے کی بات ہے۔

نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ

’’ہمیں تم نیک آدمی نظر آتے ہو‘‘

پیشانی کے نور سے نیکوں کی پہچان:

ان دونوں بندوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے پر نور دیکھا تھا۔ جیسے کہتے ہیں:

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

ان لوگوں نے بھی دیکھ لیا کہ منور چہرہ ہے۔ چنانچہ وہ خواب پوچھنے کے لیے آ گئے۔

لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ

''کھانا ابھی آنے نہیں پائے گا کہ......''

جیل میں تبلیغ:

اب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا۔ دیکھیں! یہ داعی کی صفت ہوتی ہے کہ وہ اچھے موقعے کی تلاش میں ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں جیل میں دیکھ تو لیا تھا...... وہ بھی اپنے معبودوں کو پکارتے ہوں گے، باتیں کرتے ہوں گے، اس لیے وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ مشرک ہیں، مگر بات کرنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام موقعے کی تلاش میں تھے...... چنانچہ وہ نوجوان جب خود مسئلہ پوچھنے آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے یہ بہترین موقع تھا۔ دل میں تو پہلے ہی سے ارادہ تھا کہ سمجھائیں گے، چنانچہ جب موقع ملا تو فرمایا: دیکھو بھئی! جتنی دیر میں کھانا آتا ہے، اتنی دیر میں، میں تمہیں ایک بات بتا دیتا ہوں۔ وہ بات یہ ہے کہ میں اپنے آباء کی پیروی کرتا ہوں اور ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہوں۔

اس کے بعد پھر ایک عقلی دلیل دی...... کیا کہا؟...... فرمایا: کیا ایک خدا بہتر ہے، یا کئی خدا بہتر ہیں؟...... اس کو کہتے ہیں: اَلْاِسْتِفْهَامُ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِنْكَارِ ...... سبحان اللہ! قرآن مجید نے بھی یہی دلیل دی۔

﴿لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾

''اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو پھر کائنات میں فساد ہوتا''

یہ عقلی دلیل ان کو سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے دل میں بٹھا لی۔ ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو یہ بھی بتایا:

عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ

''میرے پروردگار نے مجھے علم عطا فرمایا''

نوجوانوں کا ایمان لانا:

گویا علم کی بات سن کر وہ نبوت پر ایمان لے آئے اور توحید کی بات سن کر وہ توحید پر ایمان لے آئے۔ اس طرح وہ دونوں ایمان والے ہو گئے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ برموقع کی جانے والی بات سونے کی ڈلیوں کی مانند ہوتی ہے۔ دیکھیں! تھوڑے سے وقت میں اللہ کے پیارے پیغمبر علیہ السلام نے ان کو جسمانی غذا کے آنے سے پہلے روحانی غذا عطا فرما دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی یہی ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾

یہ حکمت تھی۔ کتنے اچھے انداز میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت بات کی جب ان لوگوں کے کان بات سننے کے لیے متوجہ ہو چکے تھے۔

حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا معمول:

داعی کو چاہیے کہ وہ بھی موقع کی تلاش میں رہے۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ جب اجازت وخلافت دیتے تھے تو کئی مرتبہ خلفا کو یہی آیتیں پڑھ کر نصیحتیں فرماتے تھے کہ دیکھو! حضرت یوسف علیہ السلام نے اس تھوڑے سے وقت کو بھی استعمال کیا۔ کہ جتنی دیر میں کھانا آتا ہے اتنی دیر میں مَیں تمہیں اللہ کی بات سناتا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ خلفا کو بھی چاہیے کہ اگر اتنا تھوڑا سا وقت بھی ہو تو بھی لوگوں سے اللہ کے دین کی بات کرلیا کریں۔ ع

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ

''اے میرے قید خانے کے ساتھیو!''

فائدہ 48

صحبت کا فرق

یہاں سے ایک نکتے کی بات سمجھ لیجیے...... سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے بہت ہی عزت سے نوازا۔ قرآن مجید میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾

اس پر وہ لوگ جن کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کجی ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں: جی! یہاں یہ جو ''صاحب'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو بندے جیل میں تھے وہ کافر

تھے، اوران کے لیے بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ کہا:

طلبا نکتے کو سمجھیں کہ فرق کیا ہے؟...... حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو یہ نہیں فرمایا: اے میرے صاحبو!'' بلکہ فرمایا: ﴿يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ﴾ اے میرے جیل کے ساتھیو! اور یہاں اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں؟ فرمایا:

﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب ہیں۔ یہاں صحبت کا اعزاز، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے بڑا انعام ہے۔

تَسْتَفْتِيٰنِ

''تم پوچھ رہے تھے''

خواب کی تعبیر پوچھنے میں احتیاط

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو خواب کی تعبیر بتا دی تو ساتھ یہ بھی فرمایا:

﴿قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ﴾

''جس معاملے میں تم پوچھ رہے تھے، اس کا فیصلہ ہو چکا ہے''

جب انسان کوئی خواب دیکھے اور پھر کسی سے تعبیر پوچھے، تو تعبیر بتانے والا جو کہہ دے گا، اللہ تعالیٰ اس کی تعبیر ویسے ہی بنا دیں گے۔ اس لیے ہر بندے سے خواب کی تعبیر نہیں پوچھنی چاہیے۔ جبکہ آج کل دیکھا یہ گیا ہے کہ لوگ ہر کسی سے خواب کی تعبیر پوچھتے پھرتے ہیں۔

کن لوگوں سے خواب کی تعبیر پوچھنا جائز نہیں؟

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار قسم کے لوگوں سے خواب کی تعبیر پوچھنا جائز نہیں۔

﴿۱﴾ ...... بے دین لوگوں سے...... جو شریعت کے پابند نہ ہوں۔ کیونکہ جو بے دین انسان ہے اس کی بات میں خیر و برکت ہی نہیں ہوتی۔ بھئی! جو بندہ بے نمازی ہے، جو بندہ فاسق و فاجر ہے اور اعلانیہ گناہ کرنے والا ہے، اس کی بات میں کیا بھلائی ہوتی ہے، ایسے بندے کے سامنے اپنا خواب بیان نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے خواب کی تعبیر ہرگز نہیں پوچھنی چاہیے۔

﴿۲﴾ ......عورتوں سے......عورتوں سے کیوں نہیں پوچھنی چاہیے؟...... اس لیے کہ اگر عورت از خود خواب کی تعبیر دے گی تو وہ ناقص العقل ہونے کی وجہ سے فیصلہ ہی ٹھیک نہیں کر پائے گی۔ ہاں! اگر وہ عالمہ ہے اور اس نے کہیں خواب کی تعبیر پڑھی ہوئی ہے یا سنی ہوئی ہے تو سبق سنانے کی نیت سے وہ اس خواب کی تعبیر سنا سکتی ہے۔ نئے خواب کی تعبیر اپنی عقل سمجھ سے دینا، اس سے عورتوں کو منع کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ خواب کی تعبیر دینا، فتویٰ دینے کی مانند ہوتا ہے۔ تَسْتَفْتِیَانِ کا لفظ یہی بتا رہا ہے۔ اور جیسے فتویٰ ہر کسی سے نہیں پوچھ سکتے، اسی طرح خواب کی تعبیر بھی ہر ایک سے نہیں پوچھنی چاہیے۔ ویسے آج کل کے زمانے میں تو داڑھی کے متعلق آ کے فتوے دے رہے ہوتے ہیں۔ اور کئی لوگ تو ماشاء اللہ، انٹرنیٹ سے فتوے پوچھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ ''امام گوگل'' سے فتوے پوچھ رہے ہوتے ہیں۔

﴿۳﴾ ...... جاہلوں سے۔ وہ اگرچہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہو، یا بڑی ریسرچ کرنے والا ہو، لیکن اگر دین کا علم نہیں تو وہ خواب کی تعبیر بتانے کا اہل نہیں۔

﴿۴﴾......اپنے دشمنوں سے خواب کی تعبیر نہیں پوچھنی چاہیے۔اسی طرح حاسدین سے بھی نہیں پوچھنی چاہیے۔اس لیے کہ اگر اس حاسد نے کوئی الٹی تعبیر بتادی تو پھر ویسا ہی ہو جائے گا۔چنانچہ دشمنوں اور حاسدوں کو خواب بیان کرنے سے بچے۔

خواب کی تعبیر کس سے پوچھیں؟

اس بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہی خوبصورت تعلیم دی ہے۔قربان جائیں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ بندہ جہاں بھی اٹکتا ہے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کشتی کو کنارے لگا دیتے ہیں۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَاٰی رُؤْیَا فَلَا یَقُصُّهَا اِلَّا عَلٰی حَبِیْبٍ اَوْ لَبِیْبٍ))

''جو شخص خواب دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ خواب کو بیان کرے یا تو اپنے دوست کے سامنے، یا پھر عقلمند بندے کے سامنے۔''

اس سے پتہ چلا کہ خواب دو بندوں سے بیان کرنا چاہیے۔یا تو حبیب سے یا پھر لبیب سے۔یعنی یا تو کسی ملنسار سے خواب کی تعبیر پوچھے، جو دل میں درد بھی رکھتا ہو یا پھر نیکوکار بندے سے پوچھے، تاکہ وہ ٹھیک ٹھیک تعبیر دیں۔

ہاں! البتہ ایک مرتبہ اگر کسی نے تعبیر دے دی تو پھر دوبارہ خواب سنانے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔اس لیے کہ تعبیر دینے والا تو تعبیر دے چکا ہوتا ہے۔اب اس کے بعد گھر میں کسی کو بتانا ہو تو اس میں رکاوٹ نہیں ہے۔

عجیب وغریب تعبیریں:

علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ تعبیر الرؤیا کے علم میں اس امت میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔وہ ایسی تعبیر دیا کرتے تھے کہ انسان حیران ہوتا تھا۔مثال کے طور

پر:

⊙......ایک مرتبہ ان کے پاس ایک بندہ آیا اور کہنے لگا: حضرت! میں نے خواب میں ایک آدمی کو اذان دیتے ہوئے سنا ہے۔ فرمایا: وہ حج کرے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا: حضرت! خواب میں ایک آدمی کو اذان دیتے سنا ہے۔ اس کو فرمایا: تیرے ہاتھ کٹیں گے۔ شاگردوں نے عرض کیا: حضرت! اس نے بھی اذان سنی اور اس نے بھی اذان سنی، لیکن دونوں کی تعبیر مختلف ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: پہلے بندے نے جو اذان سنی، اس کے اندر میں نے دیکھا کہ نیکی کے اثرات تھے۔ اس کا خواب سن کر میں نے قرآن میں نظر دوڑائی تو مجھے قرآن کی آیت سامنے نظر آئی:

﴿وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ حج کے لیے لوگوں میں اعلان کر دو، اس لیے میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کو حج کی توفیق عطا فرمائے گا۔

دوسرے بندے نے جو خواب میں اذان دیتے ہوئے دیکھا، میں نے اس کے حال پر نظر ڈالی تو وہ مجھے بے عمل نظر آیا، تو فوراً قرآن کی آیت سامنے آ گئی:

﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾

اس لیے میں نے کہا کہ اس کے ہاتھ کٹیں گے۔

⊙......ان کے پاس ایک بندہ آیا۔ کہنے لگا: حضرت! میں نے خواب میں آگ دیکھی ہے۔ فرمایا: تمہیں مال ملے گا۔ چند مہینوں کے بعد ایک اور آدمی آیا اور کہنے لگا: حضرت! خواب میں آگ دیکھی ہے۔ فرمایا: پریشانی آئے گی، ذلت ملے گی۔ شاگردوں نے پوچھا: حضرت! یہ کیا مسئلہ ہے؟ فرمایا: پہلے بندے نے آگ سردی

کے موسم میں دیکھی تھی اور سردی کے موسم میں آگ راحت دیتی ہے اور دوسرے بندے نے آگ گرمی کے موسم میں دیکھی اور گرمی کے موسم میں آگ انسان کو تکلیف پہنچاتی ہے، اس لیے میں نے اس کے مطابق ان کو تعبیر دے دی۔

اب بتائیں کہ اتنی باریکیاں کون جانتا ہے؟

⊙......ان کے پاس ایک بندہ آیا۔ اس نے کہا: حضرت! میں نے خواب میں ایک کبوتر کو دیکھا ہے اور وہ موتیے کے بہت سارے پھول چن رہا ہے۔ وہ یہ سن کر سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: معلوم ہوتا ہے کہ اس سال میں بہت سارے علما کی وفات ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس ایک سال میں کئی علما یکے بعد دیگرے اس دنیا سے پردہ کرتے چلے گئے۔

انہوں نے موتیے کے پھولوں کو علما سے تشبیہ دی اور ملک الموت ایک کبوتر کی شکل میں ان موتیے کے پھولوں کو چن رہے ہیں۔

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر:

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جو بعد میں ام المومنین بنیں، وہ پہلے یہودیہ تھیں۔ ان کے خاوند کا نام سلام بن مشکم تھا۔ انہوں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کی چاند ان کی گود میں آ گیا ہے۔ خواب دیکھ کر اٹھ بیٹھیں اور خاوند کو بتایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ چاند میری گود میں آ گیا ہے۔ یہ سن کر اس نے ان کو زور سے تھپڑ مارا اور کہا: اچھا! تو مسلمانوں کے سردار کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ چہرے پر اس کا نشان پڑ گیا۔

اللہ کی شان کہ مسلمانوں نے خیبر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت ان کا خاوند بھی قتل ہوا اور وہ خود بھی گرفتار ہو گئیں۔ بالآخر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے نکاح فرما لیا۔

جب وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر نشان دیکھ کر پوچھا: صفیہ! یہ چہرے پر نشان کیسا ہے؟ انہوں نے پوری بات سنا دی کہ میں نے خواب دیکھا، جب وہ خواب خاوند کو بتایا تو اس نے زور کا تھپڑ مارا اور اس تھپڑ کا نشان آج تک چہرے پر باقی ہے۔

دراصل اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ ان کو اللہ رب العزت ایک عظیم ہستی کے ساتھ نکاح کی توفیق عطا فرمائیں گے۔ انہوں نے خواب میں چاند کو اپنی گود میں دیکھا اور واقعی ''عرب کا چاند'' ان کی گود میں آ گیا۔

خواب پورا ہونے کے وقت کا اندازہ:

اب خواب پورا ہونے کی بات سن لیجیے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کے جس حصے میں خواب دیکھا جائے، اس سے اس کے پورے ہونے کے وقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر:

- ......اگر کسی نے عشا کے بعد خواب دیکھا تو اس کے پورے ہونے میں دس سال لگیں گے
- ......اگر کسی نے آدھی رات میں خواب دیکھا تو اس کے پورے ہونے میں پانچ سال لگیں گے
- ......اگر کسی نے سحری کے وقت خواب دیکھا تو خواب چند مہینوں میں پورا ہو جائے گا۔

گویا ان کے نزدیک یہ بات ہے کہ جتنا فجر کے قریب خواب دیکھیں گے اتنا جلدی پورا ہوگا اور اگر شروع رات میں دیکھیں گے تو لمبا عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔

چند خوابوں کی تعبیریں:

اب چند خوابوں کی تعبیریں بھی سن لیجیے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

○......اگر کوئی آدمی خواب میں اللہ رب العزت کو بے مثل بے مثال دیکھے تو اس خواب سے بڑھ کر بابرکت خواب اور کوئی نہیں ہوتا۔

اس امت میں اللہ تعالیٰ نے اولیا کے لیے یہ نعمت سلامت رکھی ہے کہ وہ خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکتے ہیں۔ گویا ان کو ''منامی معراج'' نصیب ہو سکتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں سو مرتبہ اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا۔

○......اگر کوئی شخص حضرت جبرئیل علیہ السلام کو خواب میں خوش طبع اور خندہ پیشانی کے ساتھ دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ اپنے دشمنوں پر کامیاب اور فتح یاب ہوگا۔

○......اگر جبرئیل علیہ السلام کو ہی دیکھا، مگر پریشان حال میں دیکھا تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ اس کو دشمنوں کے مقابلے میں ناکامی ہوگی۔

○......اگر خواب میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کو آسمان پر دیکھا اور اپنے آپ کو زمین پر، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ بندہ اپنے مرتبے سے معزول ہو جائے گا۔

○......اگر فرشتوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص گناہوں کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔

○......خواب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھنا خوشی اور راحت کی علامت ہے۔

○......خواب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ دیکھنے والا انسان انصاف کی صفت سے متصف ہوگا۔

◉......خواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ انسان عبادت گزار اور پرہیزگار ہوگا۔

◉......خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ دیکھنے والا انسان بہادر ہوگا اور وہ اپنے قبیلے کا سردار بنے گا۔

◉......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خواب میں دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ انسان دین کا کام کرنے والا اور دین کے رستے پر چلنے والا ہوگا۔

◉......سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ انسان خوب خیر اور راحت کو دیکھے گا مگر اللہ اس کو شہادت کی موت عطا فرمائیں گے۔

◉......جو شخص خواب میں جو کا آٹا دیکھے تو یہ دین میں درستگی کی علامت ہے۔

◉......جو شخص خواب میں گندم کا آٹا دیکھے تو یہ مال تجارت میں نفع ملنے کی علامت ہے۔

◉......البتہ جو شخص باجرے کا آٹا دیکھے تو یہ اس کو نفع تھوڑا ہونے کی علامت ہے۔

اذْكُرْنِىْ عِنْدَ رَبِّكَ

''اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا''

بادشاہ کے نام پیغام:

وہ بندہ جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو امید تھی کہ وہ نجات پا جائے گا اور بادشاہ کے قریب ہو جائے گا، اس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا: بھئی! بادشاہ کے سامنے جا کر میرا بھی تذکرہ کر دینا۔ دراصل حضرت یوسف علیہ السلام یہ چاہتے

تھے کہ اس سے بادشاہ کو یاددہانی ہو جائے گی کہ میں نے ایک بندے کو جو جیل میں ڈالا ہوا ہے اور اس کو کئی سال گزر گئے ہیں، میں نے تو اس کا بعد میں پتہ ہی نہیں کیا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ جب وہ بندہ گیا تو شیطان نے اس کو یہ بات ہی بھلا دی۔ اصل میں وقت پورا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت متعین ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کو کئی سال تک جیل میں رہنا پڑا۔ یہاں بِضْعَ سِنِيْنَ کا لفظ آیا ہے۔ یہ بِضْعَ سِنِيْنَ کا اطلاق دو سال سے نو سال تک ہوتا ہے۔ بعض حضرات کم سے کم دو سال کہتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نو سال کہتے ہیں۔

نجات کی ایک صورت:

بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کسی بندے کو کہنے کے بجائے اللہ سے ہی فریاد کرتے تو اللہ تعالیٰ جلدی نجات کی صورت بنا دیتے۔ وہ حضرات فرماتے ہیں:

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ

جو قرب کے مقام میں ہوتے ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ یہ میرے سوا کسی اور کو اپنا حال سنائیں، بلکہ ان کو چاہیے کہ یہ میرے ہی سامنے اپنا حال سنائیں اور میں ہی ان کی بات سنوں۔

بادشاہ کا خواب:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں کئی سال گزر گئے تو بادشاہ نے خواب دیکھا۔ اس کا یہ خواب اور بھی زیادہ عجیب اور پیچیدہ تھا۔ بادشاہ نے اٹھ کر اپنے امراء کو خواب سنایا۔ اس خواب کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں کیا گیا ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ
یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ
وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ
لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ
الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ
اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ
اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ
سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًاۚ فَمَا
حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ
یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ
لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

[اور (چند سال بعد مصر کے) بادشاہ نے (اپنے درباریوں سے) کہا: ”میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھارہی ہیں، نیز سات خوشے ہرے بھرے ہیں اور سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو

میرے اس خواب کا مطلب بتاؤ''۔انہوں نے کہا:''یہ پریشان قسم کے خیالات (معلوم ہوتے) ہیں، اور ہم خوابوں کی تعبیر کے علم سے واقف (بھی نہیں)۔''اور ان دو قیدیوں میں سے ایک جو رہا ہو گیا تھا، اور اسے ایک لمبے عرصے کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی تھی۔اس نے کہا:''میں آپ کو اس خواب کی تعبیر بتائے دیتا ہوں، بس مجھے (یوسف کے پاس قید خانے میں) بھیج دیجیے''۔(چنانچہ اس نے قید خانے میں پہنچ کر یوسف سے کہا:) یوسف! اے وہ شخص! جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے، تم ہمیں اس (خواب) کا مطلب بتاؤ کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور دوسرے سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔شاید میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں (اور انہیں خواب کی تعبیر بتاؤں) تاکہ وہ بھی حقیقت جان لیں۔''یوسف نے کہا:''تم سات سال تک مسلسل غلہ زمین میں اگاؤ گے۔اس دوران جو فصل کاٹو اس کو اس کی بالیوں ہی میں رہنے دینا، البتہ تھوڑا غلہ جو تمہارے کھانے کے کام آئے، (وہ نکال لیا کرو)۔پھر اس کے بعد تم پر سات سال ایسے آئیں گے جو بڑے سخت ہوں گے، اور جو کچھ ذخیرہ تم نے ان سالوں کے واسطے جمع کر رکھا ہو گا، اس کو کھا جائیں گے، ہاں البتہ تھوڑا سا حصہ جو تم محفوظ کر سکو گے (صرف وہ بچ جائے گا)۔پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر خوب بارش ہو گی، اور وہ اس میں انگور کا شیرہ نچوڑیں گے''۔]

اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ

''پریشان قسم کے خیالات''

درباریوں کا جواب:

جب بادشاہ نے اپنے درباریوں کو خواب سنایا تو وہ کہنے لگے: بادشاہ سلامت! یہ ایسے ہی پریشان قسم کے خیالات ہیں ......انسان کو کئی مرتبہ جسمانی یا ذہنی تھکاوٹ کی وجہ سے ایسے اوٹ پٹانگ خواب بھی آجاتے ہیں جو بے مقصد اور بے معنیٰ ہوتے ہیں ......انہوں نے کہا کہ یہ خواب ایسے ہی ہیں، آپ کسی فکر اور تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔

اَلَّذِیۡ نَجَا مِنۡهُمَا

''وہ جو اُن قیدیوں میں سے رہا ہو گیا تھا''

تعبیر پوچھنے والے کی جیل میں آمد:

بادشاہ کا خواب سن کر پانی پلانے والے کو یاد آ گیا کہ جیل میں ایک شخصیت تھی، جس نے ہمارے خوابوں کی تعبیر دی تھی اور وہ تعبیر بالکل سچ تھی۔ اس لیے کیوں نہ میں جا کر ان سے خواب کی تعبیر پوچھوں۔ چنانچہ وہ تعبیر پوچھنے کے لیے جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔

اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ

''اے وہ شخص جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے''

صادق اور صدیق میں فرق:

ایک ہوتا ہے صادق اور ایک ہوتا ہے صدیق۔ دونوں میں فرق ہے۔ صادق اسے کہتے ہیں جو زبان سے سچ بول رہا ہو، اور صدیق اسے کہتے ہیں جو زبان سے بھی سچ بولے اور اس کا عمل بھی اس کی تصدیق کرے۔ اس کے اندر یہ دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ ہر صدیق صادق ہوتا ہے لیکن ہر صادق صدیق نہیں ہوتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق کہنے کی وجہ:

اس آدمی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق کیوں کہا؟...... اس لیے کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا کہ کس طرح وہ جیل کے اندر نیکوکاری کی زندگی گزار رہے تھے اور ان کی بات بھی کیسے سچ نکلی تھی۔

فائدہ 49

بھول جانے پر ڈانٹ نہ پلائیں

یہاں سمجھنے کے قابل ایک اہم نکتہ ہے۔...... جب وہ بندہ گیا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ خواب کی تعبیر بتائیں تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی قسم کا شکوہ نہیں کیا کہ تُو تو بھول ہی گیا تھا، میں نے تمہیں ایک پیغام بھی تو دیا تھا، اب ضرورت پڑی ہے تو میں تمہیں یاد آیا ہوں۔ ایسا بالکل نہیں کہا۔

علما کو چاہیے کہ اگر ان کا کوئی شاگرد یا مسئلہ پوچھنے والا کسی بات کو بھول جائے، یا نہ کر پائے، تو علم دینے میں ان کو رکاوٹ نہ ڈالیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو تعبیر فوراً بتا دی تھی، مشروط تو نہیں کی تھی کہ تو نے یہ کام نہیں کیا تھا، جا! میں تعبیر بھی تمہیں نہیں بتاتا۔نہیں، علم مَجَّاناً (مفت) ملتا ہے اور مَجَّاناً (مفت) ہی دیا جاتا ہے۔اس کو مشروط نہیں کیا جا سکتا کہ جو خدمت کرے گا اس کو تو سبق اچھا پڑھائیں گے اور جو نہیں کرے گا اس کو نہیں پڑھائیں گے۔ یا پھر کوئی صوفی صاحب یہ کہے کہ جو ہدیے دے گا اس کا سبق بڑھا دیں گے اور جو نہیں دے گا اس کا سبق ہی نہیں بڑھائیں گے۔ بھئی! یہ کوئی رشوت والا کام تھوڑا ہے۔ یہ تو علم ہے جو اللہ رب العزت نے دیا۔

فائدہ 50

علم انسان کو تخت پر بٹھاتا ہے

علم کی شان دیکھیے کہ اللہ رب العزت نے خواب کی تعبیر کے علم کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت پہ بٹھایا۔ اگر خوابوں کی تعبیر کے علم سے دنیا کا تخت مل سکتا ہے تو اللہ رب العزت کی معرفت کے علم سے ہمیں آخرت کا تخت کیوں نہیں مل سکتا۔ اللہ رب العزت سے یہ علم والی نعمت مانگنی چاہیے۔

فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖ

’’اس کو اس کی بالیوں ہی میں رہنے دینا‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام کی سلامتِ فہم:

گندم کا دانہ جب تک سٹے میں رہتا ہے تو وہ کیڑے سے محفوظ رہتا ہے اور گندم

خراب نہیں ہوتی۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سلامت فہم تھی کہ انہوں نے کہا کہ سات سال تک گندم خوب کاشت کرو، کاٹو اور سٹور کرو، مگر سٹے سے نہ نکالو۔بس اتنی ہی نکالو جو ضرورت کی ہو۔

اتنی حیران کن تعبیر!

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات کیسے معلوم کی کہ سات سال اچھے ہوں گے، سات سال قحط کے ہوں گے اور پھر پندرہویں سال بارش ہوگی؟ دراصل بادشاہ نے خواب میں کچھ جانور دیکھے اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ خوشے بھی دیکھے۔ یعنی جانور بھی دیکھے اور زراعت بھی دیکھی۔ان دونوں کے کمزور ہونے سے انہوں نے نتیجہ نکالا کہ بارش نہیں ہوگی، جب بارش نہیں ہوگی تو کھیتی نہیں ہوگی اور جب کھیتی نہیں ہوگی تو پھر جانور کمزور ہوں گے۔اس سے انہوں نے قحط کے سات سالوں کا اندازہ لگایا۔

ساتھ ساتھ اس نے موٹی گائیں بھی دیکھیں اور موٹی ٹہنیاں بھی دیکھیں۔اس سے سمجھ گئے کہ سات سال اچھے ہوں گے۔جب سات اور سات، چودہ گزر جائیں گے تو خواب پورا ہو جائے گا۔

پھر انہوں نے اپنی بصیرت اور علم سے یہ پہچان لیا کہ پھر اس کے بعد ایک سال اچھا بھی آئے گا، جو پندرہواں سال ہوگا۔اسی پر انہوں نے تعبیر دے دی۔

بادشاہ کو جب یہ تعبیر ملی تو وہ حیران ہوا کہ یہ اتنی اچھی تعبیر کس نے دی، اسے میرے پاس لے آؤ۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی
رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ
رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ
عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ
قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ
عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ
لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝

[اور بادشاہ نے کہا: ''اس کو (یعنی یوسف علیہ السلام کو) میرے پاس لے کر آؤ'' چنانچہ جب ان کے پاس ایلچی پہنچا تو یوسف نے کہا: ''اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔'' بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر ان سے) کہا: ''تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی؟'' ان سب عورتوں نے کہا: ''حَاشَا لِلّٰہِ! ہم کو ان میں ذرا بھی تو کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔'' عزیز کی بیوی نے کہا: اب تو حق بات سب پر کھل ہی گئی ہے، میں نے ہی ان کو ورغلانے کی کوشش کی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل سچے ہیں'' (جب یوسف کو قید خانے میں اس گفتگو کی خبر ملی تو انہوں نے کہا:) ''یہ سب کچھ میں نے اس لیے کیا تاکہ عزیز کو یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے

اس کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی، اور یہ بھی کہ جو لوگ خیانت کرتے ہیں، اللہ ان کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔''[

اِرْجِعْ

''واپس جاؤ''

جیل سے نکلنے سے انکار:

بادشاہ کے نمائندے نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: جی آئیں، آپ جیل سے باہر نکلیں۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ''واپس جاؤ''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ اَخِیْ یُوْسُفَ لَوْ كُنْتُ مَكَانَهٗ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ))

''اللہ تعالیٰ بھائی یوسف پر رحم فرمائے، اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو میں آنے والے کی دعوت کو قبول کر لیتا (اور جیل سے نکل جاتا)''

حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر دیکھیے!

مَابَالُ النِّسْوَةِ

''عورتوں کا کیا قصہ ہے؟''

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قاصد سے کہا کہ واپس جا کر اپنے بادشاہ سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہوا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟

اس آیت میں دو نکتے ہیں:

فائدہ 51

تہمت کی صفائی پیش کرنا ضروری ہے

ایک نکتہ تو یہ ہے کہ علما صلحا کو چاہیے کہ اگر ان کے اوپر کہیں تہمت لگتی ہو تو اس کی صفائی دے دینا ضروری ہوتا ہے۔ کیوں کہ تہمت کے ساتھ دین کا کام نہیں ہوسکتا اور اہلِ دین کی عزت پر بھی حرف آتا ہے۔ اسی لیے تو حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے باہر نہیں گئے تھے، بلکہ فرمایا تھا کہ پہلے بتاؤ کہ ان کا کیا حال ہے۔

فائدہ 52

محسن کا احسان شناس ہونا چاہیے اگرچہ وہ کافر ہو

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حضرت یوسف نے زلیخا کا نام نہیں لیا کہ زلیخا سے پوچھو کہ کس نے گناہ کے لیے بلایا تھا۔ مطلقاً نِسْوَۃٌ (عورتوں) کا نام لیا...... کس لیے؟...... مفسرین نے لکھا ہے کہ اگرچہ زلیخا نے گناہ کی دعوت دی تھی، مگر...... پالا تو اسی نے تھا...... محسنہ تو وہی تھی...... اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے اس کا نام لینا گوارا نہیں فرمایا۔ اگرچہ وہ کافرہ بھی تھی، مگر محسنہ (احسان کرنے والی) بھی تو تھی، اس لیے اس کے احسان کا بھی بدلہ دیا۔ جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ لوگ ایمان والوں کو ان کے احسان کا بدلہ نہیں دے پاتے۔

مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ

''ہم کو ان میں ذرا بھی تو کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔''

واقعہ کی حقیقت:

بادشاہ نے عورتوں کو بلا کر ان سے پوچھا: اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟ وہ کہنے لگیں: ﴿حَاشَ لِلّٰهِ﴾ ہم نے تو اس میں ذرا بھی برائی نہیں دیکھی۔ گویا ان عورتوں نے بھی اس بات کی گواہی دے دی۔

فرشتوں سے مشابہت دینے کی وجہ:

یہاں ایک نکتہ اور بھی ذہن میں رکھیں کہ عورتوں نے جب دیکھا تھا تو کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا تھا:

﴿مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾

انہوں نے فرشتوں سے مشابہت کیوں دی تھی؟ وہ اس لیے کہ فرشتوں کے اندر نفسانیت کا یہ بشری تقاضا نہیں ہوتا۔ اس لیے مفسرین نے لکھا کہ فرشتوں کے ساتھ تشبیہ دینے کا اصل مقصد یہ تھا کہ یہ جو زلیخا کی بات چل پڑی ہے اس کے اندر ہمیں وہ چیز نظر نہیں آتی، بلکہ اس کے اندر تو وہ کرامت ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عطا فرمائی ہوئی ہے یعنی یہ بشری اور نفسی تقاضوں والا بندہ نہیں ہے۔

اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ

''اب حق بات سب پر کھل ہی گئی ہے''

زلیخا کے بیانات میں تضاد کی وجہ:

جب شہر کی عورتوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دے دی تو اب زلیخا کے پاس اپنے قصور کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ

کہنے لگی: اب تو حق بات سب پر کھل چکی ہے۔ دراصل بات بھی یہی ہے کہ میں نے ہی یوسف کو اپنی طرف مائل کیا تھا اور وہ اپنی بات میں سچا ہے۔

وہ زلیخا جو پہلے تو یہ کہہ رہی تھی کہ اس بندے کی کیا سزا ہونی چاہیے جو تمہارے اہلِ خانہ سے بدکاری کرے، یعنی شروع میں تو اس نے بات نہیں مانی اور اب اتنے سالوں کے گزرنے کے بعد وہ بات مان رہی ہے، تو دو مختلف بیان کیوں ہیں؟

مفسرین نے اس کا جواب لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں: محبت جب کچی ہوتی ہے تو انسان دوسرے کے سر پر بوجھ ڈالتا ہے اور جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو پھر انجام کا ڈر نہیں ہوتا اور انسان سارا بوجھ اپنے سر پر اٹھا لیا کرتا ہے۔ اب چونکہ اس کی محبت حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں تام ہو چکی تھی، اس لیے اب اس نے سوچا کہ نتیجہ جو بھی نکلے میں سچ بات ہی کہوں گی۔ اگرچہ اس میں...... میری ذلت ہوگی...... بدنامی ہوگی...... خاوند مجھ سے ناراض ہوگا...... مگر میں سچی بات کرتی ہوں کہ ہاں! میں نے ہی یوسف سے محبت کی اور میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کیا تھا...... مگر اللہ رب العزت کتنے کریم ہیں کہ جس نے الزام لگایا تھا اسی کی زبان سے اس نے پاکدامنی کی گواہی بھی دلوا دی۔

لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ

''میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ خیانت نہیں کی''

اس قدر اہتمام کی وجہ:

جب یہ بات کھل گئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تمام اہتمام محض اس وجہ سے ہے تاکہ عزیز کو یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی

میں کوئی خیانت نہیں کی۔

بادشاہ کا ذہن صاف ہوگیا:

یہاں ایک نکتے کی بات یہ ہے کہ اگر بادشاہ کے دل میں یہ ہوتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اندر کوئی کھوٹ ہے تو پھر وہ کبھی بھی ان کے ساتھ محبت کا اظہار نہ کرتا۔ البتہ جیل میں جانے سے اور عورتوں کے یہ کہہ دینے سے کہ ہم نے ان کو برائی کی طرف بلایا، بادشاہ کا ذہن صاف ہوگیا۔

جوان قیادت کی ضرورت:

جب بادشاہ کا ذہن صاف ہوگیا کہ یہ بندہ امانت میں خیانت کرنے والا نہیں، تو یہاں ٹرننگ پوائنٹ سمجھنے والا یہ کہ بادشاہ کی اس وقت عمر بھی کافی ہوچکی تھی اور وہ چاہتا بھی تھا کہ اس کے کام کو کوئی سنبھالے، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اب وہ ان جھمیلوں سے نمٹنے کے قابل نہیں رہا، اب تو کوئی جوان خون چاہیے جو پورے ملک کی باگ ڈور کو سنبھالے اور ملک کو بحسن وخوبی چلائے۔ چنانچہ اس کو اس مقصد کے لیے کسی ایسے بندے کی ضرورت تھی جو بددیانت نہ ہو۔

اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے غیبی طور پر یہ انتظام فرما دیا کہ ادھر سے حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے آئے، ان کی امانت داری اور دیانتداری کی گواہی عورتوں نے بھی دے دی، اور اس طرح بادشاہ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جس شخص نے میری عدم موجودگی میں میری عزت اور آبرو کی امانت میں خیانت نہیں کی، اور وہ اتنا سچا ہے، تو اگر اب میں ملک کے خزانے بھی اس کے حوالے کردوں گا تو یہ میری اس امانت میں بھی ہرگز خیانت نہیں کرے گا۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ
رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِیۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ
لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَكِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ
اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ
مَكَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡهَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ
بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجۡرُ
الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾

[''اور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے، ہاں! میرا رب رحم فرما دے تو بات اور ہے (کہ اس صورت میں نفس کا کوئی داؤ نہیں چلتا) بے شک میرا رب بخشنے والا، بڑا مہربان ہے''۔ اور بادشاہ نے کہا ''اس کو میرے پاس لے آؤ، میں اسے خالص اپنا (معاون) بناؤں گا۔'' چنانچہ جب (یوسف بادشاہ کے پاس آگئے اور) بادشاہ نے ان سے باتیں کیں تو اس نے کہا: ''آج سے ہمارے پاس تمہارا بڑا مرتبہ ہوگا، اور تم پر پورا بھروسہ کیا جائے گا۔'' یوسف نے کہا: ''آپ مجھے ملک کے خزانوں (کے انتظام) پر مقرر کر دیجیے۔ یقین رکھیے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے، (اور) میں (اس کام کا) پورا علم رکھتا ہوں۔'' اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں ایسا اقتدار عطا کیا کہ وہ اس

میں جہاں چاہیں ،اپنا ٹھکانا بنائیں ۔ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں، پہنچاتے ہیں، اور نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ اور آخرت کا جو اجر ہے، وہ ان لوگوں کے لیے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لاتے اور تقویٰ پر کاربند رہتے ہیں۔]

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِىۡ ۚ

''اور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے''

عدمِ دعوای کا اظہار:

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے سے پہلے یہ کہا کہ تم وضاحت کرلو کہ کس نے گناہ کی بات کی تھی تو عورتوں کی طرف سے کھل کر یہ بات سامنے آئی کہ وہ سارا مکر انہی کا تھا۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے عاجزی کے طور پر کچھ الفاظ کہے، تاکہ عجب اور تکبر کا شائبہ نہ ہو...... وہ الفاظ کیا تھے؟...... فرمایا: میں یہ دعوای نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے اور نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے۔ ہاں! میرا رب رحم فرمادے تو اور بات ہے۔

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے صفت کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اللہ رب العزت کی طرف منسوب کیا۔ مقصد یہ تھا کہ میں گناہ سے بچا نہیں، بلکہ میرے رب نے مجھے گناہ سے بچایا ہے، اگر رب کی رحمت ساتھ نہ دیتی تو میں بھی نہ بچ پاتا۔ اس لیے کہ فطری طور پر تو نفس نافرمانی پر ڈٹا ہوا ہوتا ہے۔

فائدہ 53

گناہ کا موقع نہ ملنا بھی رحمت ہے

یہ اللہ رب العزت کی مہربانی ہوتی ہے کہ انسان گناہ کرنا بھی چاہتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ موقع ہی نہیں دیتے۔ چنانچہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو گناہ کی پلاننگ کرتے ہیں مگر ان کو وہ گناہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اپنی طرف سے تو وہ پریشان ہو رہے ہوتے ہیں کہ میرا داؤ نہیں لگ رہا اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو رہے ہوتے ہیں کہ وہ اس کو گناہ کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہے ہوتے۔ ڈرنے کی بات تو اس کے لیے ہے جو بندہ گناہ کا ارادہ کرے اور فوراً گناہ سرزد ہو جائے۔ اس لیے کہ اس پر سے حفاظت اٹھالی گئی ہے۔ جو بندہ گناہ کرنا چاہے اور کر نہ سکے، اس پر تو اللہ کی خاص رحمت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اگر اللہ رب العزت کی رحمت نہ ہو تو ہم کبھی بھی گناہ سے نہیں بچ سکتے۔ اگر کبھی بچتے بھی ہیں تو یہ ہمارا کمال نہیں، یہ کمال والے کا کمال ہے۔ یہ شان اللہ رب العزت کی ہے جو ہمیں نفس اور شیطان کے مکروفریب سے بچاتا ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ

''واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے''

فائدہ 54

جسم کے تمام عناصر کو اعتدال میں لانے کی ضرورت ہے

انسان کا جسم چار عناصر سے مل کر بنا ہے۔ آگ، پانی، ہوا اور مٹی۔

◉......آگ کے اندر تکبر ہے، بلندی ہے، غضب ہے۔ جس بندے کے اندر آگ کا عنصر زیادہ ایکٹو ہو جائے اس میں عجب اور تکبر آجاتا ہے۔

◉......جس بندے کے اندر پانی کا عنصر غالب ہو جائے اس کے اندر بخل آجاتا ہے۔ اس لیے کہ پانی ایک جگہ ٹھہرتا نہیں ہے۔ آگے سے آگے گھستا چلا جاتا ہے، وہ مٹی کے ایک ایک ذرے کے اندر سرایت کرتا چلا جاتا ہے، اس کے اندر سیلانیت ہے۔ اور یہی سیلانی طبیعت اس بندے کی ہوتی ہے۔

◉......مٹی کے اندر پستی ہے جس بندے کے اندر مٹی کا عنصر ایکٹو ہو جاتا ہے اس کے اندر بعض کمینگی والی چیزیں آجاتی ہیں۔ لہٰذا اس کو درست کرنا ضروری ہوتا ہے۔

◉......اگر ہوا کا عنصر غالب ہو جائے تو انسان کے اندر لہو ولعب آجاتا ہے۔ اس لیے کہ ہوا ایسی ہی چیز ہے۔ اُدھر سے اِدھر اور اِدھر سے اُدھر۔

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ بندے کو ان سب کا علاج کروانا پڑتا ہے تاکہ یہ تمام عناصر اعتدال میں آجائیں۔ جس طرح جسم کے اندر وٹامن کی کمی ہو جائے تو وہ انسان کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اور کسی چیز کی زیادتی ہو جائے تو وہ بھی نقصان دہ ہوتی ہے، اسی طرح ان چیزوں کے کم یا زیادہ ہونے سے روحانیت کا نقصان ہوتا ہے۔

نفسِ امارہ:

انسان کا نفس ابتدا میں جس حالت میں ہوتا ہے وہ گناہ کر کے خوش ہوتا ہے۔ وہ گناہ کے مزے لیتا ہے، خوشی مناتا ہے اور لوگوں کو خوش ہو ہو کے سناتا ہے کہ میں نے ایسے کیا، میں نے ایسے کیا۔ اگر قلب کی یہ کیفیت ہو کہ انسان گناہ سے راحت محسوس کرے تو اس کو ''نفس امارہ'' کہتے ہیں۔ یہ نافرمان نفس ہوتا ہے۔

نفسِ لوّامہ:

کئی مرتبہ انسان غلبۂ شہوت اور غلبۂ حال کی وجہ سے گناہ کر لیتا ہے لیکن بعد میں وہ پچھتاتا ہے اور ندامت محسوس کرتا ہے۔ ایسے نفس کو ''نفس لوامہ'' کہتے ہیں۔

نفسِ مطمئنہ:

اگر گناہ کے بارے میں دل میں نفرت ہو، اور گناہ اچھا ہی نہ لگے تو یہ ''نفس مطمئنہ'' کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر: کچھ لوگوں کو نیکی کی زندگی گزارتے گزارتے ایسی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے کہ اگر ان کے قریب کوئی میوزک بجا دے تو ان کی طبیعت گھبراتی ہے۔ اس کے برعکس کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو اس میوزک سے خوشیاں مناتے ہیں اور اس کو معاذ اللہ اپنی روح کی غذا بتاتے ہیں۔ لیکن جن کی فطرت سلیم ہو گئی، جن کی طبیعت شریعت کے تحت آ گئی، اب ان کے سامنے اگر موسیقی بجے تو ان کی طبیعت گھبراتی ہے اور وہ کہہ اٹھتے ہیں: یہ کیا مصیبت ہے، کیا شور ہے یہ۔ اگر مسجد میں سیل فون کی ٹون سن لیں تو ان کی طبیعت گھبراتی ہے کہ یہ کیا چیز ہے۔ طبیعت کے اندر ایسی کیفیت کا ہو جانا کہ کوئی بھی خلاف شرع چیز طبیعت پر ناگوار گزرے، طبیعت شریعت کے مطابق ڈھل جائے، جن چیزوں کو شریعت نے پسند کیا ان کو طبیعت بھی پسند کرے اور جن چیزوں کو شریعت نے ناپسند کیا ان کو طبیعت بھی ناپسند کرے، تو ایسے شخص کے نفس کو ''نفسِ مطمئنہ'' کہتے ہیں، یہ وہ نفس ہے جو اللہ رب العزت کو محبوب ہے۔ قیامت کے دن اسی نفس سے کہا جائے گا:

﴿يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ○ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ○﴾

لیکن جب تک محنت نہ کی جائے، نفس سنورتا نہیں ہے۔اس کا تعلق انسان کی عمر سے نہیں ہے۔

اسّی سالہ بوڑھے کی حالت:

ایک مرتبہ اس عاجز کے پاس ایک گاؤں کے نمبر دار آئے ......وہ گاؤں یہاں (معہد الفقیر الاسلامی، جھنگ) سے بیس پچیس میل دور ہے۔......وہ ایک نیک انسان تھے۔باریش بھی تھے،نمازیں بھی پڑھتے تھے،حتی کہ تہجد بھی پڑھتے تھے۔ان کے دل میں سخاوت بھی تھی اور علاقے کے لوگ ان کے اچھے اخلاق کی وجہ سے ان پر جان بھی فدا کرتے تھے۔اور یہ بھی کہ ان کی عمر بھی زیادہ ہوگئی تھی۔حتی کہ ان کی بھنویں بھی سفید ہوگئی تھیں۔یعنی کہیں اسّی سال سے اوپر پہنچ گئے ہوں گے۔

جب وہ آ کر مہمان خانے میں ملے تو میں نے دیکھا کہ ان کے آنسو تھمتے ہی نہیں تھے، وہ زارو قطار رو رہے تھے۔میں نے پوچھا: جی! کیا ہوا؟ کہنے لگے: میں کیا بتاؤں، علاقے کے اندر میری نیکوکاری کی شہرت ہے، لوگ مجھے اچھا انسان سمجھتے ہیں، میں اپنی طرف سے اچھائی کرنے کی کوشش تو کرتا ہوں، میری عمر یہ ہو چکی ہے اور میری حالت یہ ہے کہ اس وقت بھی میری نظر پاک نہیں ہے۔میں گھر سے باہر نکلتا ہوں اور جس عورت پر بھی میری نظر پڑتی ہے میرے دل کے اندر ہوس آجاتی ہے۔

اب بتائیں کہ اسّی سال کی عمر ہوگئی اور نگاہ پاک ہی نہیں ہے۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے تو چالیس سال کی بات کی تھی کہ

چہل سال عمرِ عزیز گزشت

''ان کی عمر عزیز چالیس سال گزر چکی ہے''

مگر آج تو اسّی سال بعد بھی یہی بات ہے کہ عمر اسّی سال سے بھی بڑھ گئی مگر نفس

کا معاملہ بچے سے آگے نہیں بڑھا۔ جیسے بچہ جو چیز دیکھتا ہے وہی مانگتا ہے، اسی طرح انسان کا نفس ایسا ہی ہے کہ جس پر نظر پڑے اسی کی طلب دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر محنت کریں تو نفس سنورتا ہے اور اگر اس کو چھوڑ دیں تو یہ اسی حال میں انسان کو قبر میں لے کر چلا جاتا ہے۔

نفس کا حال:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ایک ایسے شخص کے بارے میں اپنی رائے بتاؤ کہ جس کا انسان بڑا خیال رکھے، اس کو پلائے، اس کو کھلائے، اس کو اچھے کپڑے دے، اس کی راحت کا سامان کرے اور وہ صاحب اس بندے کو ہر موقع پر نقصان پہنچائے اور ذلیل کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ تو بہت ہی برا آدمی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہی حال تمہارے نفس کا ہے۔ تم اسے کھلاتے بھی ہو، پلاتے بھی ہو، اچھے کپڑے بھی پہناتے ہو اور یہی تمہارا نفس تمہیں اللہ رب العزت کے سامنے ذلیل کرنے پر تُلا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم نفس کو پالنے میں لگے ہوئے ہیں اور نفس ہمیں جہنم میں دھکا دینے میں لگا ہوا ہے۔

جنت دو قدم ہے:

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے خواب میں اللہ رب العزت کا دیدار ہوا۔ میں نے پوچھا: اے اللہ! میں آپ تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عُدْ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمَعَادَاتِیْ

''اپنے نفس کو اپنا دشمن بنا، یہ تجھے میری نافرمانی پر ابھارتا ہے''

اس لیے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں فرماتے تھے:

''جنت دو قدم ہے''

یہ سن کر لوگ بڑے حیران ہوتے اور پوچھتے: حضرت! آپ کیا فرماتے ہیں کہ جنت دو قدم ہے۔ فرماتے: ہاں! تم اپنا پہلا قدم اپنے نفس پر رکھ لو، تمہارا دوسرا قدم جنت میں پہنچ جائے گا۔

اصل دشمن:

ایک بزرگ تھے۔ ان کو جب ان کا خادم بتاتا: حضرت! آپ کے بارے میں فلاں حاسد نے یہ الفاظ کہے ہیں، تو وہ کہتے: بھئی! میرا ایک دشمن ہے، پہلے میں اس سے نمٹ لوں، پھر اس کے بعد اس کی بھی خبر لوں گا۔ وہ جب بھی آکر اس طرح کی بات کرتا تو اس کو یہی جواب دیتے، ایک مرتبہ وہ کہنے لگا: حضرت! آپ کا وہ کونسا دشمن ہے، جس کے بارے میں آپ کہتے ہیں کہ پہلے میں اس سے نمٹ لوں، پھر اس کی باری آئے گی۔ فرمانے لگے: وہ میرا نفس ہے جو میرے اپنے من کے اندر موجود ہے۔ میرا اصل دشمن وہ ہے۔ پہلے میں اس سے نمٹ لوں، اگر میں اس سے کامیاب ہو گیا تو پھر مجھے باقیوں کی پروا نہیں ہے۔ ع

ہم الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا

اگر ہم غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہمارا اپنا نفس ہے۔ یہی خبیث ہمیں دنیا میں ذلیل بھی کرتا ہے، اللہ سے بھی دور کرتا ہے اور ہمیں شیطان کا پیروکار بنا دیتا ہے۔ اس لیے اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس محنت کو ''تزکیہ نفس'' کہتے ہیں۔ جو شخص اس پر محنت کر کے نفس مطمئنہ بنا لیتا ہے وہ اللہ کے اولیا میں شامل ہو جاتا ہے۔

نفس کے شر سے بچنے کی دعائیں:

نفس کے شر سے بچنے کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعائیں بھی سکھائیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان دعاؤں کو یاد بھی کریں اور ان کو مانگا بھی کریں۔ مثال کے طور پر:

⊙ ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَ زَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَ مَوْلَاهَا))

⊙ ...... ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا:

((نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا))

⊙ ...... ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ))

⊙ ...... ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا))

ہمیں چاہیے کہ ہم ان دعاؤں کو اپنی نمازوں کے بعد مانگنے کا معمول بنالیں، تاکہ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور ہمارے نفس کو نفس مطمئنہ بنادے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ

''ہاں! میرا رب رحم فرمادے تو اور بات ہے''

مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا:

گناہوں سے وہی بندہ بچ پاتا ہے جس پر اللہ کا رحم ہو جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ

سے اس کی رحمت مانگتے رہیں کہ اے اللہ! اگر میں گناہ کا ارادہ بھی کروں تو میرے قدم گناہ کی طرف نہ بڑھنے دینا، بڑھتے ہوئے ہاتھوں کو واپس کر دینا، میرے لیے گناہ کے راستے ہی بند کر دینا۔

غم حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں، میرے مولا!
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ

''میں اسے اپنا خالص (معاون) بناؤں گا''

بادشاہ سے ملاقات:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بادشاہ کو خواب کی تفصیل سمجھائی کہ سات سال بڑے اچھے ہوں گے، تم ان میں اچھی گندم کاشت کرنا، پھر اس کو محفوظ رکھنا، اور قحط کے باقی سالوں میں اس کو احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا۔ چونکہ بادشاہ کی عمر بھی زیادہ ہو چکی تھی اور اس کو ایک نوجوان خون کی ضرورت تھی، اس لیے اس نے سوچا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے، جس نے میری عزت کے معاملے میں امانت کا ثبوت دیا، وہ میرے خزانوں کے بارے میں بھی امانت کا ثبوت دے گا۔

خزانوں کی نگرانی:

چنانچہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علم اور امانت داری سے بہت متاثر ہوا۔اور خزانوں کی نگرانی کرنے کے لیے انہی دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔فنانشل ڈیپارٹمنٹ چلانے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ علم بھی رکھتا ہو اور امین بھی ہو۔ایسا بندہ بہت اچھا فنانس منیجر بنتا ہے...... چنانچہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خزانوں کا والی بنا دیا اور کہا کہ آپ جیسے چاہیں اس کے انتظامات کریں۔

وہ حضرت یوسف علیہ السلام جو مصر کے بازار میں بک رہے تھے،اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ آج اللہ تعالیٰ نے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں دے دیں اور کہا: آج تم ہمارے نزدیک بہت معزز اور معتبر ہو...... کیوں؟...... اس لیے کہ اگر تم نے میری آبرو میں خیانت نہیں کی تو یقیناً تم میرے خزانوں میں بھی خیانت نہیں کرو گے۔

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ

’’یقین رکھیے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے (اور) میں (اس کام کا) پورا علم رکھتا ہوں۔‘‘

تسلی آمیز کلمات:

جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خزانے سونپنے کی بات کی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! مجھے خزانوں پر انچارج مقرر کر دیجیے، مجھے ان کی حفاظت کرنی بھی آتی ہے اور میں اس کام کا پورا پورا علم بھی رکھتا ہوں۔

غور کیجیے!......حضرت یوسف علیہ السلام نے یہاں دو لفظ استعمال کیے.... حَفِیْظٌ اور عَلِیْمٌ ......اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر بندہ فقط محافظ ہو اور اس میں عقل کی رتی بھی نہ ہو تو بھی کام نہیں بنتا۔ اس لیے علم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ سمجھداری بھی ہو سلیم الفطرت بھی ہو اور خزانوں کے بارے میں یہ بھی جانتا ہو کہ اس کی تقسیم کیسے کرنی ہے، اسے محفوظ کیسے رکھنا ہے، اس کی نگرانی کیسے کرنی ہے۔

فائدہ 55

حسن نہیں، علم کام آتا ہے

مفسرین نے یہاں ایک بات لکھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس دو بڑی نعمتیں تھیں۔ ایک حسن والی، کہ حسین بھی تھے اور ایک علم والی، کہ علیم بھی تھے۔ انہوں نے یہاں یہ نہیں کہا کہ مجھے خزانوں کا والی بنا دو، اس لیے کہ میں بڑا حسین ہوں اور بڑا علیم ہوں۔ نہیں! حسن کام نہیں آتا، کمال کام آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے حسن کے بجائے علم نے کام دیا۔

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ

''ہم نے یوسف کو ملک میں اقتدار عطا کیا''

خزانوں کے والی کیسے بنے؟

اب ذرا حالات کو سوچیے۔ ان کو بااختیار بنانے کا اور کوئی طریقہ ممکن ہی نہیں تھا۔ پردیس سے آیا ہوا ایک بندہ خزانوں کا والی کیسے بن سکتا ہے؟ ممکن ہی نہیں تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حالات ہی ایسے بنا دیے۔اور جب ان حالات میں سے گزر رہے تھے تو ذہنی طور پر ایسے لگتا تھا کہ بڑی مصیبت آ گئی اور جیل میں جانا پڑ گیا، لیکن یہ تو راستے کی باتیں تھیں، منزل تو کوئی اور تھی۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے جیل کے ذریعے سے بادشاہ کے دل میں یہ بات راسخ کرنی تھی کہ یہ واقعی ایک امین شخص ہے، اور اب تو عورتیں بھی اس کی پاکدامنی کی گواہی دے رہی ہیں، چنانچہ بادشاہ نے خزانے پیش کر دیے۔اس طرح اللہ نے ایک بچے کو، جو وہاں لاوارث حالت میں پہنچا تھا، اس کو فرش سے اٹھایا اور اپنے خزانوں کا والی بنا دیا۔

میرا مولا کتنا کریم ہے کہ جو بندہ اس کے حکموں پہ جما رہتا ہے، اگرچہ وہ اکیلا بھی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے خزانوں کا امین بنا دیتا ہے، غریب بھی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خزانوں کا والی بنا دیتا ہے۔

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے احکام پر جمے رہیں تاکہ اللہ رب العزت ہمیں عزتوں سے نوازے۔

یہودیوں کا جو یہ سوال تھا کہ بنی اسرائیل شام سے مصر آ کر کیسے آباد ہوئے؟ اس کا یہاں جواب مکمل ہوا۔سب سے پہلے یہاں ایک بچہ آیا، اس پر آزمائش آئی، پھر اللہ نے اس بچے کو اس ملک کا والی بنا دیا۔اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی باقی اولاد بھی یہاں آ گئی۔اس طرح وہ کنعان (شام) سے مصر میں منتقل ہو گئی۔

گناہ سے بچنے کا انعام:

یہاں ایک خاص نکتہ سمجھیے!......اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے والد سے جدا کیا، بادشاہ کے محل میں پہنچایا......محل میں ہی وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے......ان کو

علم بھی ملا ......پھر ان پر امتحان بھی آیا......اس امتحان میں وہ کامیاب بھی ہوئے ......حتیٰ کہ ان کو جیل میں بھی جانا پڑا......اور کئی سال جیل میں رہنے کے بعد پھر آج ان کو اللہ تعالیٰ عزتیں دے رہے ہیں اور وہ ملک کے والی اور نگران بن رہے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جو بندہ گناہوں سے بچتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ذلتوں سے نکال کر عزتیں عطا فرماتا ہے۔فرش سے اٹھا کر اسے عرش (تخت) کے اوپر بٹھا دیتا ہے۔

زلیخا کے حسرت بھرے الفاظ:

ایک مرتبہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے لاؤلشکر کے ساتھ جا رہے تھے۔اس وقت زلیخا بوڑھی ہو چکی تھی۔اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ لیا۔اس نے ان کو دیکھ کر ایک بات کی جو بڑی ہی عجیب تھی۔وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شان وشوکت دیکھ کر رو پڑی اور کہنے لگی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْمُلُوْکَ عَبِیْدًا بِالْمَعْصِیَۃِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْعَبِیْدَ بِا الطَّاعَۃِ مُلُوْکًا

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو گناہوں کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنا دیتا ہے اور سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعے غلاموں کو بادشاہ بنا دیتا ہے''

آج یوسف بادشاہ بنا ہوا ہے، میں وقت کی ملکہ تھی، نافرمانی کے لیے قدم اٹھایا اور میں آج بوڑھی بھکارن بن کے کھڑی ہوں۔اللہ تعالیٰ فرمانبرداری کرنے والوں کو دنیا میں بھی عزتوں سے نوازتے ہیں اور آخرت میں بھی عزتوں سے نوازتے ہیں۔

کیا زلیخا سے شادی ہوئی تھی؟

بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے جوان بنا دیا تھا اور پھر ان کی شادی ہوگئی تھی۔ یہ سب زبانی کلامی باتیں ہیں۔ محدثین کا ان کے ساتھ اتفاق نہیں ہے۔ محدثین فرماتے ہیں شادی نہیں ہوئی تھی۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ زلیخا نے بڑھاپے کی حالت میں جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اس وقت اس نے یہ بات کہی تھی۔

البتہ بعض مفسرین نے ابن جریر اور ابن ابی حاتم سے یہ روایت کی ہے کہ بادشاہ خود فوت ہوگیا تھا اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخا کے ساتھ ہوگیا تھا اور اس سے دو بچے بھی تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی یہ بات آئی ہے۔ تاہم یہ ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کو ہم زیادہ اہمیت دیں۔ نکاح ہوا یا نہ ہوا، یہ بات اتنی زیادہ اہم نہیں ہے۔

البتہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، یہ بات وہ بھی مانتے ہیں کہ جب زلیخا بوڑھی ہوگئی تھی، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی اپنے اہلِ خانہ کی طرح مدد کرنا شروع کر دی تھی اور جیسے اہل خانہ کا خیال رکھتے تھے اسی طرح زندگی بھر اس کا بھی خیال رکھا۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خلق تھا کہ جس نے ان کو بچپن میں پالا، انہوں نے اس کو اپنی مربیہ سمجھ کر کہ یہ مجھے پالنے والی عورت تھی، بڑھاپے میں اس کا احسان چکا دیا۔ تاہم اس بات کی طرف زیادہ توجہ نہیں دینی چاہیے کہ نکاح ہوا یا نہیں۔ کیونکہ لوگ قصے اور کہانیوں کے طور پر اس کی تفصیلات میں بہت سی اسرائیلیات بیان کر لیتے ہیں۔

تین طرح کا صبر:

حضرت یوسف علیہ السلام کے اندر صبر کی تین قسمیں پائی جاتی تھیں۔

(۱)......اَلصَّبْرُ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰہِ

(۲)......اَلصَّبْرُ عَنْ مَعْصِیَةِ اللّٰہِ

(۳)......اَلصَّبْرُ عَلٰی اَقْدَارِ اللّٰہِ الْمُؤْلِمَةِ

''یعنی تقدیر کے مطابق انسان پر جو مصیبتیں آئی ہوتی ہیں ان پر صبر کرنا۔''

مصر کو وطن بنایا:

خزانوں کا والی بننے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے وہیں مصر میں ہی رہنا پسند کیا، اپنے وطن آنا پسند نہیں کیا۔ انہوں نے یہ بالکل نہ سوچا کہ چلو جی! اب تو مجھے خزانے مل گئے ہیں، لہٰذا اب میں اپنے وطن واپس جاتا ہوں۔ نہیں، انہوں نے اسی جگہ کو اپنا وطن بنالیا۔ بالکل اسی طرح مومن کا حال ہوگا کہ وہ بھی دنیا کی قید سے نجات پائے گا......اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے''......اور موت کے وقت مومن کی قید خانے سے نجات ہو رہی ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے نکالا اور خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دیں، اسی طرح جو مومن دنیا میں شریعت و سنت کے مطابق زندگی گزارے گا، موت کے وقت اسے اللہ تعالیٰ دنیا کے قید خانے سے نکالیں گے اور اس کے بعد جنت کی نَعِیْمًا وَّ مُلْکًا کَبِیْرًا عطا فرما دیں گے۔ اس کو بھی وہاں گویا خزانوں کی کنجیاں مل جائیں گی۔ جیسے عزیزِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مومن کو دنیا کی قید سے نکال کر جنت میں تخت کے اوپر بٹھا دیں گے۔ وہ

جنت بھی کیسی ہوگی؟......ایسی کہ جس کے بارے میں نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کسی دماغ میں اس کا خیال گزرا۔

آخرت کی نعمتیں:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

- ......آخرت کے چار باغ ہوں گے۔ فردوس، ماوٰی، نعیم اور عدن
- ......چار ہی مکان ہوں گے۔ دار الخلد، دار السلام، دار المقامہ اور دار الحیوان
- ......ہر مومن کو چار مشروب دیے جائیں گے۔ دودھ، پانی، شہد اور شراب طہور۔
- ......چار طرح کے انعام ملیں گے۔ عطا، جنت، لقا اور رضا۔

عطا سے کیا مراد ہے؟

عطا سے کیا مراد ہے؟......حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب جنتی جنت میں ہوں گے اور وہاں عید کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے ان کو تحفے لا کر دیں گے۔ وہ بند ڈبے ہوں گے۔ گویا وہ جنت کے ٹی سی ایس ہوں گے۔ سبحان اللہ! ہر جنتی کو عید کے دن یہ گفٹ پیک ملے گا۔ اس سے مومن کو کتنی خوشی ہوگی؟ آج خاوند، بیوی کو کوئی گفٹ پیک لا کر دے یا ڈائمنڈ کی انگوٹھی لا کر دے تو وہ خوشی سے پھولے ہی نہیں سماتی۔ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کس بندے کو کیا گفٹ میں بھیجیں گے۔

کیا خود عہدہ مانگنا جائز ہے؟

یہاں ایک وضاحت طلب بات ہے۔ وہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو فرمایا تھا:

﴿اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ﴾

''آپ مجھے ملک کے خزانوں (کے انتظام) پر مقرر کر دیجیے''

کیا خود عہدہ مانگنا جائز ہے؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر انسان خود عہدہ مانگے تو عہدہ مت دو، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ برکت نکال دیتے ہیں...... گویا اس کے بوجھ کو اسی کے سر پر ڈال دیتے ہیں کہ تم نے خود مانگا تھا، اب خود ہی اس کو نبھاؤ۔

اگر بن مانگے عہدہ ملے تو......

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر بن مانگے عہدہ ملے تو اس میں برکت ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر:

◎......سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں کو عامل بناتے تھے اور وہ آگے سے معذرت کرتے تھے۔ مگر جب وہ عامل بن جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کے کام میں برکت عطا فرما دیتے تھے۔

◎......جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ متعین فرمایا تو انہوں نے معذرت کی۔ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ناں کی کہ یہ بوجھ میں نہیں اٹھا سکتا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: میرے پاس تلوار لاؤ، میں اس شخص کی گردن اڑا دوں، یہ امیر المؤمنین کا حکم کیسے نہیں مانتا۔ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ اس معاملے میں اتنے سنجیدہ ہو چکے ہیں تو وہ کہنے لگے: ٹھیک ہے، میں اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ تھا جو امت کے لیے رحمت ثابت ہوا۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کہتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا اسلام کے لیے عزت تھی اور ان کا خلیفہ بننا اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد تھی۔

عہدہ مانگنے کی ایک جائز صورت:

ہاں! ایک اور صورت بھی ہوتی ہے۔ بسا اوقات انسان یہ دیکھتا ہے کہ میں فلاں کام دوسروں سے بہتر کر سکتا ہوں اور اس کام کو کرنے میں اللہ کے بندوں کا فائدہ ہے۔ ایسی صورت میں شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ خود عہدے کو طلب کر سکتا ہے۔ مگر اس عہدے کو طلب کرنے میں نہ تو اسے اپنی شہرت مطلوب ہو، نہ دنیا کا کوئی اور فائدہ مقصود ہو، بلکہ اللہ کے بندوں کا فائدہ مقصود ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو یہ عہدہ مانگا کہ مجھے فنانس منسٹر بنا دیجیے، اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں لوگوں کا فائدہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مقامی لوگوں میں سے کوئی بھی ایسی صلاحیت کا بندہ نہیں ہے جو آنے والے قحط کے زمانے میں وہ غریبوں کو بھی اتنا ہی دے جتنا امیروں کو ملے گا۔ کوئی بھی اس طرح انصاف نہیں رکھ سکے گا۔ جب انصاف نہیں ہو سکے گا تو پھر غریب پسیں گے اور امیر لوگ عیش کریں گے۔ اس لیے انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ ذمہ داری ان کو سونپی گئی تو وہ اللہ کے بندوں کے لیے فائدے کا ذریعہ بن جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے یہ عہدہ خود طلب کیا اور ان کے لیے یہ طلب کرنا عبادت کے درجے میں تھا۔

کافر بادشاہ کا عہدہ قبول کرنا:

ایک اور سوال بھی ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ بادشاہ تو کافر تھا۔ تو کیا کافر بادشاہ کا دیا ہوا عہدہ قبول کر سکتے ہیں؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر بادشاہ اس طرح

عہدہ دے کہ اس بندے کے کام میں مداخلت نہ کرے اور اُس کو اجازت دے دے کہ تم اپنی مرضی سے کام کر سکتے ہو، ہم کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے، تب ایسی صورت میں اس کا عہدہ بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح انسان شریعت کے مطابق کام کر سکے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا سنہری دور:

حضرت یوسف علیہ السلام نے پندرہ سال بڑے احسن طریقے سے گزارے۔ مثال کے طور پر:

⊙......انہوں نے ایک قانون بنا دیا تھا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ غلہ اگائیں اور جو غلہ اگے اس میں سے ضرورت کے مطابق وہ استعمال کریں اور باقی گندم سٹے کے اندر ہی پڑی رہے۔

⊙......حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک اور فیصلہ کیا کہ جو حکومت کے خزانوں میں غلہ ہو گا اسے ہم لوگوں میں بیچیں گے۔ مگر کوٹہ متعین کر دیا۔ ایک بندے کا کوٹہ پانچ من گندم ہے۔

⊙......حضرت یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا: لوگو! اس وقت قحط ہے، تم دن میں دو دفعہ کھانے کے بجائے ایک مرتبہ کھاؤ۔ حتی کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ قحط کے چند سالوں میں حضرت یوسف علیہ السلام خود بھی دن رات میں ایک مرتبہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس لیے کہ جب غریب چوبیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ کھاتے ہیں تو پھر میں بھی صرف ایک ہی مرتبہ کھاؤں گا۔ چنانچہ ان کے اس خلق کی وجہ سے امیر لوگوں کو بھی کوئی گلہ نہ رہا اور غریب بھی خوش ہو گئے کہ ہمیں نظر انداز نہیں کیا جا رہا ہے۔

غلہ لینے کے لیے لوگوں کی آمد:

یہ قحط صرف مصر کے ملک میں ہی نہیں تھا بلکہ پورے بلادِ شام میں تھا۔اب جب لوگوں کو پتہ چلا کہ ایک بادشاہ ہے جو بڑا نرم دل، بڑا رحم دل اور بڑا سخی دل ہے اور وہ معمولی قیمت لے کر اس پر غلہ دیتا ہے، مگر دیتا محدود ہی ہے، تو لوگ دور دور سے غلہ لینے کے لیے ان پاس آنے لگے۔ چنانچہ وہ ہر بندے کو ایک اونٹ کا بوجھ، جو پانچ من کے قریب ہوتا تھا، دے دیا کرتے تھے، اس سے زیادہ نہیں دیتے تھے۔

اخوانِ یوسف کی کنعان سے مصر روانگی:

یہ بات چلتے چلتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں تک بھی پہنچ گئی۔ان کے پاس بھی قحط کی وجہ سے کھانے کو کچھ نہیں تھا۔وہ تو بکریاں چرانے والے لوگ تھے۔صحرا میں رہتے تھے اور ان کے پاس کوئی اور اسباب بھی نہیں تھے۔انہوں نے تنگ آ کر اپنے باپ سے کہا: کیوں نہ ہم بھی جائیں اور ملک مصر کے جس بادشاہ نے غریبوں کو غلہ دینے کا کام شروع کیا ہے، ہم بھی اس سے جا کر غلہ لیں۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی۔

وہ کل بارہ بھائی تھے۔دس ایک ماں سے اور دو دوسری ماں سے۔حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین آپس میں سگے بھائی تھے اور باقی علاتی بھائی تھے۔جب وہ دس بھائی جانے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو نہ بھیجا۔ بھائیوں نے لے جانے کے لیے اصرار تو کیا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اس کو میرے پاس ہی چھوڑ جاؤ، اور تم خود جا کر غلہ لے آؤ۔چنانچہ وہ دس بھائی کنعان سے مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾
وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ اَلَا
تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ
بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ
اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ
رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

[اور (جب قحط پڑا تو) یوسف کے بھائی آئے، اور ان کے پاس پہنچے، یوسف نے انہیں پہچان لیا، اور وہ یوسف کو نہیں پہچانے۔ اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو ان سے کہا ''(آئندہ) اپنے باپ شریک بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا، کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ میں پیمانہ بھر بھر کر دیتا ہوں، اور میں بہترین مہمان نواز بھی ہوں۔ اب اگر تم اسے لے کر نہ آئے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں ہوگا، اور تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا۔'' وہ بولے: ہم اس کے والد کو اس کے بارے میں بہلانے کی کوشش کریں گے (کہ وہ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں) اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔'' اور یوسف نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ وہ ان (بھائیوں) کا مال (جس کے بدلے انہوں نے غلہ خریدا ہے) انہی کے کجاووں میں رکھ دیں، تا کہ جب یہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں تو اپنے مال کو پہچان لیں۔ شاید (اس احسان کی وجہ سے) وہ دوبارہ آئیں۔]

وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ

''اور (جب قحط پڑا تو) یوسف کے بھائی آئے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسنِ انتظام:

حضرت یوسف علیہ السلام نے شہر کے گرد دروازے بنوادیے تھے اور ان پر نگران متعین کر رکھے تھے۔ ان نگرانوں کو حضرت یوسف علیہ السلام نے سمجھایا ہوا تھا کہ جب بھی باہر ملک کے لوگوں کا قافلہ آئے تو ان کے میرے پاس پہنچنے سے پہلے ان کی خبر میرے پاس پہنچاؤ۔...... یہ تو منتظم کا کام ہوتا ہے کہ وہ کتنا اچھے طریقے سے ڈیل کرتا ہے۔

بھائیوں کا مصر پہنچنا:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی شہر میں داخل ہوئے تو نگران عملے نے دیکھا کہ وہ دس بھائی ہیں، خوبصورت بھی ہیں، نوجوان بھی ہیں، تندرست وتوانا بھی ہیں۔ انہوں نے وہاں ان سے پوچھا: تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ یوں انہیں ان کے بارے میں کچھ معلومات مل گئیں ۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی تو وہ پہچان گئے کہ لگتا ہے کہ آج میرے گھر کے بندے میرے پاس آئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بھائیوں سے گفتگو:

جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہاں ان کی آپس میں یہ باتیں ہوئیں:

اخوان یوسف علیہ السلام: جی! ہم پردیس سے آئے ہیں اور آپ سے غلہ لینا چاہتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام: آپ کتنے بھائی ہیں؟

اخوان یوسف علیہ السلام: ہم بارہ بھائی ہیں، ایک بھائی کہیں گم ہو گیا تھا اور ایک بھائی کو والد نے اپنے پاس رکھ لیا ہے، آپ کے پاس ہم دس بھائی آئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام: ٹھیک ہے، آپ دس بھائیوں کو ایک ایک اونٹ مل جائے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی مہمان نوازی بھی بڑے اچھے طریقے سے کی اور غلہ بھی دے دیا۔

فَعَرَفَهُمْ

''یوسف نے ان کو پہچان لیا''

ایک عجیب بات:

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو پہچان لیا، لیکن بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سات سال کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تھا اور جب بھائی دوبارہ ملنے آئے تو اس وقت ان کی عمر سنتالیس سال ہو چکی تھی۔ یعنی اس بات کو چالیس سال گزر چکے تھے۔

اگر ایک بچے کو چالیس سال پہلے بچپن میں دیکھا ہو اور پھر وہ بادشاہ بن کے بیٹھا ہو تو اس کو کون پہچانے گا کہ یہ وہی بچہ ہے۔ اس طرح پہچان مشکل ہوتی۔ اور پھر بھائیوں کو اس بات کی توقع بھی نہیں تھی کہ یہ ہمارا بھائی ہو سکتا ہے۔ وہ تو سوچتے ہوں گے کہ کہیں وہ مر چکا ہو گا۔ اور اگر ہو گا بھی سہی تو کہیں نوکر بن کر وقت گزار رہا ہو گا۔

اس لیے وہ نہ پہچان سکے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اس لیے پہچان لیا تھا کہ انہوں نے اپنے ان بھائیوں کو ان کی جوانی کی عمر میں دیکھا تھا۔ اور جوانی کی عمر میں انسان کا قد کاٹھ ڈیل ڈول ایک ایسی حد پہ پہنچ جاتا ہے کہ باقی زندگی میں پھر وہی رہتا ہے، کوئی زیادہ تبدیلی نہیں آتی۔ لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ان کو پہچاننا آسان تھا۔ وہ تعداد میں بھی دس تھے۔ اور ان کو یہ بھی اندازہ تھا کہ بڑا بھائی کیسا ہے، اس سے چھوٹا کیسا ہے اور اس سے چھوٹا کیسا ہے۔ اس طرح انہیں ان کے مزاج کا بھی پتہ تھا۔ بہر حال! حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو پہچان لیا، مگر بھائی ان کو اتنے عرصے کے بعد نہ پہچان سکے۔ یہ پہچاننا بھی اللہ کی عجیب نعمت ہوتی ہے۔ اللہ جس کو چاہیں پہچاننے کی توفیق دے دیں۔

زندگی کا اصل مقصد:

انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو دنیا میں رب کو پہچانتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو دنیا میں رب کو ہی نہیں پہچانتے۔ حالانکہ یہ معرفت، ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے۔ ہمیں اسی لیے پیدا کیا گیا ہے کہ ہم اپنے مالک کو پہچانیں۔ حدیث قدسی میں ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

"میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں، پس میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا"

معرفت کے حروف کے معارف:

معرفت کے لفظ کے بارے میں علما نے بہت عجیب بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے

ہیں کہ معرفت کے لفظ میں پانچ حروف ہیں اور ہر ہر حرف آدمی کے ایک ایک وصف کو ظاہر کرتا ہے۔

''م'' سے مطیع

''ع'' سے عبد

''ر'' سے راغب

''ف'' سے تفویض

''ت'' سے ترکِ لذاتِ دنیا

جس بندے کے اندر یہ صفات ہوں اس کو ''عارف'' کہتے ہیں۔

معرفت کا نور

معرفت کا نور ایک عجیب چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کے دل میں یہ نور ڈال دیں، اس کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی پہچان ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ نور اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے۔

نور مانگنے کی مسنون دعائیں:

اللہ کے حبیب ﷺ فجر کی نماز کے لیے جب بھی گھر سے نکلتے تھے تو راستے میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّ عَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّ عَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّ خَلْفِي نُوْرًا وَّ اجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا))

''اے اللہ! تو میرے دل میں نور عطا کر دے، میری آنکھوں میں نور، اور میرے کانوں میں نور پیدا فرما دے، اور میری دائیں جانب بھی اور بائیں جانب بھی نور کر دے، میرے پیچھے بھی اور آگے بھی نور پیدا کر دے، (غرض) تو مجھے سر تا پا نور بنا دے''

ایک دعا میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَفِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لَحْمِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ دَمِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا))

''اور میرے پٹھوں میں نور، گوشت پوست میں نور، میرے کانوں میں نور، بالوں میں نور اور کھال میں نور بھر دے۔''

ایک اور دعا میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا))

''اور تو میری زبان میں نور عطا کر دے، میری جان میں نور پیدا کر دے اور تو مجھے بہت بڑا نور عطا فرما دے''

بلکہ ایک دعا میں تو فرمایا:

((وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا))

''اور تو مجھے سراپا نور بنا دے''

معرفت کے نور کا اظہار:

معرفت کے نور کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر:

- ......حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ریش مبارک میں نور تھا
- ......حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں نور تھا۔ یہ معجزہ تھا کہ جب وہ بغل سے ہاتھ

نکالتے تھے تو وہ سفید ہوتا تھا۔

○......حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے پہ نور تھا، اور

○......اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے بدن میں ہی نور تھا۔اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور پُرنور بھی کہتے ہیں۔

اس نور کے صدقے انسان کو دنیا و آخرت میں راحت ملتی ہے۔مثال کے طور پر:

☆......حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے بچے

☆......حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا سے بچے

☆......حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے نکلے

☆......اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نکل کر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔

☆......اور اسی نور کے سبب مومن بھی دنیا سے نکل کر جنت کے اندر پہنچے گا۔

قرآن مجید میں کن چیزوں کو نور کہا گیا؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کو نور کہا:

◉......اپنی مبارک ذات کو......ارشاد فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾

◉......قرآن مجید کو......ارشاد فرمایا:

﴿نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾

◉......تورات کو......ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ﴾

◉......دن کو......ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ﴾

⊙ ......توحید کو...... ارشاد فرمایا:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ﴾

⊙ ......اسلام کو...... ارشاد فرمایا:

﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَّبِّهِ﴾

⊙ ......ایمان کو...... قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے:

﴿انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا﴾

⊙ ......چاند کو...... ارشاد فرمایا:

﴿جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُورًا﴾

⊙ ......معرفت کو...... ارشاد فرمایا:

﴿مَثَلُ نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾

فائدہ 56

تن کی دنیا اور، من کی دنیا اور ہے

باقی سارے نور ظاہر ہیں اور معرفت کا نور پوشیدہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کا تعلق من کی دنیا کے ساتھ ہے۔ تن کی دنیا کی چیزوں کی اپنی اہمیت ہوتی ہے اور من کی دنیا میں معرفت کی اپنی اہمیت ہے۔

مثال کے طور پر:

⊙ ......تن کی دنیا میں زمین میں ہر چیز اگتی ہے اور انسان کے من میں معرفت کی وجہ سے نیکی کی توفیق اگتی ہے۔ اس لیے عارف کو نئے نئے اعمال کی توفیق ملتی رہتی ہے۔

- ......تن کی دنیا میں ہیرے اور موتی کے خزانے ہیں اور من کی دنیا میں معرفت کے نور کے خزانے ہیں۔
- ......تن کی دنیا میں مشک کی خوشبو پھیلتی ہے اور من کی دنیا میں معرفت کا نور بھی پھیلتا ہے۔
- ......تن کی دنیا میں عنبر سے عقل بڑھتی ہے اور من کی دنیا میں معرفت سے فقاہت بڑھتی ہے۔
- ......تن کی دنیا میں کافور بدن کو ٹھنڈا کرتا ہے اور من کی دنیا میں معرفت مومن کے دل کو ٹھنڈا کرتی ہے۔
- ......تن کی دنیا کو اللہ نے ریحان اور گل و لالہ سے مزین کیا اور من کی دنیا کو اللہ نے معرفت کے نور سے مزین کیا۔
- ......تن کی دنیا میں ہوا چیزوں کو اڑا لے جاتی ہے اور من کی دنیا میں معرفت انسانوں کو روحانی معراج عطا فرماتی ہے۔
- ......تن کی دنیا میں آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے اور من کی دنیا میں معرفت انسان کی خواہشِ نفسانی کو جلا دیتی ہے۔
- ......تن کی دنیا میں ستاروں سے راستہ معلوم ہوتا ہے اور من کی دنیا میں انسان کو معرفت سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کا راستہ معلوم ہوتا ہے۔
- ......تن کی دنیا میں جس طرح انسان کی نجاست سے دریا ناپاک نہیں ہوتا، اسی طرح من کی دنیا میں انسان کے گناہ سے معرفت کا نور ناپاک نہیں ہوتا۔

سب سے بڑی نعمت یہ کہ انسان اس معرفت کے ذریعے اپنے رب کو پہچان لیتا ہے۔

اِئْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّکُمْ

''(آئندہ) اپنے باپ شریک بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا''

حضرت یوسف علیہ السلام کی ذہانت:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان بھائیوں کی زبان سے پہلے کہلوا لیا تھا کہ پیچھے باپ کے پاس بھی ان کا ایک بھائی موجود ہے، لہٰذا انہوں نے اپنی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے ان کی اپنی بات کو ہی بنیاد بنا لیا اور فرمایا کہ جو تم یہ کہہ رہے ہو کہ تمہارا ایک بھائی پیچھے باپ کے پاس بھی ہے، اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو اپنے اس بھائی کو بھی اگلی دفعہ لے کر آنا، میں دوبارہ تم کو غلہ دوں گا، تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ میں وزن بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی بھی خوب کرتا ہوں۔

خوش معاملگی کا اظہار:

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا احسان نہیں جتایا...... کیوں؟......اس لیے کہ

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی

احسان نہیں جتایا، بلکہ صرف اتنا کہا کہ میں وزن بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی بھی خوب کرتا ہوں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر مدح مطلوب نہ ہو تو اپنی خوش معاملگی کا اظہار منع نہیں ہے۔

ترغیب اور ترہیب:

ایک طرف تو حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں بھائی کو لانے کا حکم دے دیا۔ اس کو ''ترغیب'' کہتے ہیں۔ یعنی اپنے بھائی کو بھی لے آنا اور تمہیں اس طرح غلے کا ایک

اور اونٹ بھی مل جائے گا۔اور دوسری طرف ترہیب سے بھی کام لیا اور فرمایا: اگر تم اس کو لے کر نہیں آؤ گے تو نہ میں تمہیں کوئی غلہ دوں گا اور نہ ہی تم میرے قریب آنا۔اب وہ پھنس گئے کہ بتا بھی خود بیٹھے تھے اور اب انہوں نے اس کو لانے کی شرط بھی لگادی۔ چنانچہ وہ کہنے لگے: اچھا! ہم اس کے والد کو اس کے بارے میں بہلانے کی کوشش کریں گے کہ وہ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں، اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔

اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ

''ان کا مال انہی کے کجاووں میں رکھ دیں''

بھائیوں کے پیسے واپس ان کے غلے میں:

جب بھائی واپس جانے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کام کرنے والوں کو کہہ دیا کہ انہوں نے جو پیسے دیے تھے، وہ پیسے ان کے غلے میں ہی ڈال دینا۔

اس کی دو وجوہات تھیں۔

(ا)...... جب یہ واپس جا کر پیسوں کو دیکھیں گے تو خوش ہوں گے کہ غلہ مفت میں مل گیا۔

(۲)...... ممکن ہے کہ یہ اگلی مرتبہ آنا چاہیں اور آنے کے لیے ان کے پاس پیسے ہی نہ ہوں۔اس لیے پیسے پہلے ہی دے دیے، تاکہ دوبارہ نہ آنے کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔ یہ ہوتی ہے حکمت، کہ ایک طرف تو ان کو آنے کی ترغیب بھی دے دی، دوسری طرف نہ آنے پر ترہیب بھی سنا دی اور تیسری طرف ان کے آنے کے اسباب بھی مہیا کر دیے۔ان تینوں اقدامات سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ذہانت اور ٹیلنٹ کا اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی اللہ نے ان کو وہ دماغ دیا تھا جو تخت پر بیٹھنے والوں کے پاس ہونا چاہیے۔

فَلَمَّا رَجَعُوٓا إِلَىٰٓ أَبِيهِمْ قَالُوا يَـٰٓأَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ
فَأَرْسِلْ مَعَنَآ أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ
ءَامَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَآ أَمِنتُكُمْ عَلَىٰٓ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ
خَيْرٌ حَـٰفِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّٰحِمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَـٰعَهُمْ
وَجَدُوا بِضَـٰعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَـٰٓأَبَانَا مَا نَبْغِى ۖ هَـٰذِهِۦ
بِضَـٰعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ
بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُۥ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ
مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِى بِهِۦٓ إِلَّآ أَن يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّآ ءَاتَوْهُ
مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾

[چنانچہ جب وہ اپنے والد کے پاس واپس پہنچے تو انہوں نے کہا: ''ابا جان! آئندہ ہمیں غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے، لہٰذا آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، تاکہ ہم (پھر) غلہ لاسکیں، اور یقین رکھیے کہ ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔'' والد نے کہا ''کیا میں اس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر پہلے کیا تھا؟ خیر! اللہ سب سے بڑھ کر نگہبان ہے، اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔'' اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا مال بھی ان کو لوٹا دیا گیا ہے۔ کہنے لگے: ''ابا جان! ہمیں اور کیا

چاہیے؟ یہ ہمارا مال ہے جو ہمیں لوٹا دیا گیا ہے۔ اور (اس مرتبہ) ہم اپنے گھر والوں کے لیے اور غلہ لائیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لے کر آئیں گے۔ (اس طرح) یہ زیادہ غلہ بڑی آسانی سے مل جائے گا۔ والد نے کہا: ''میں اس (بنیامین) کو تمہارے ساتھ اس وقت تک ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک تم اللہ کے نام پر مجھ یہ عہد نہ کرو کہ اسے ضرور میرے پاس واپس لے کر آؤ گے، اِلَّا یہ کہ تم (واقعی) بے بس ہو جاؤ۔''۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنے والد کو یہ عہد دے دیا تو والد نے کہا: ''جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں، اس پر اللہ نگہبان ہے'']

فائدہ 57

نافرمان اولاد کے بارے میں کبھی مایوس نہ ہوں

یہاں پر نکتے کی ایک بات سمجھیے !...... بسا اوقات والد کو ایسی صورت حال پیش آجاتی ہے کہ اولاد نافرمان ہو جاتی ہے۔ اس وقت بہت سے والدین یہ غفلت کرتے ہیں کہ

...... یا تو ان سے بولنا چھوڑ دیتے ہیں۔

...... یا ان کو گھر سے نکال دیتے ہیں۔

...... یا پھر پوچھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

یہ تینوں صورتیں غلط ہیں۔

اولاد سے بولنا چھوڑ دینا...... یہ غلط ہے۔

اولاد کو گھر سے نکال دینا...... یہ بھی غلط ہے۔

اولاد کو پوچھنا، سمجھانا چھوڑ دینا...... یہ بھی غلط ہے۔

کرنا کیا چاہیے؟ بچوں کو نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔اس لیے کہ

﴿فَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''نصیحت کیجیے، نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے''

بھئی! اگر وہ ایک وقت میں بات نہیں سن رہے تو وہ دوسرے وقت میں سن لیں گے۔آج ان کا سننے کا موڈ نہیں تو کل بن جائے گا۔پانی کا قطرہ بار بار گرتا رہے تو وہ بھی پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے، یہ تو انسان ہیں، بار بار ان سے بات کریں گے تو پھر اللہ رب العزت ان کے دلوں پر بھی اثر ڈال دیں گے۔

آپ حیران ہوں گے کہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوجہل کے دروازے پر دعوت دینے کے لیے تین ہزار مرتبہ تشریف لے گئے تھے۔میں خود یہ بات پڑھ کر حیران ہو گیا کہ دین کے اس دشمن کو اتنی کثرت سے جا کر دعوت دی۔اللہ اکبر......!

بار بار سمجھاتے رہنا چاہیے، جلدی حوصلہ چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔پیار کا تعلق رکھیں، بات چیت کا سلسلہ جاری رکھیں۔

دیکھیں! حضرت یعقوب علیہ السلام کا عمل ہمارے لیے ایک حجت ہے۔وہ سمجھ رہے تھے کہ ان بھائیوں نے چھوٹے بھائی (حضرت یوسف علیہ السلام) کے ساتھ کوئی نہ کوئی گڑ بڑ کی ہے۔

Something is seriously wrong somewhere.

مگر انہوں نے ان سے بولنا تو نہیں چھوڑا۔بس اپنے دل میں ہی غم رکھا۔دعا

بھی کرتے رہے اور بچوں کو سمجھاتے بھی رہے۔ حتیٰ کہ اب جب انہوں نے دوسرے بھائی کے بارے میں کہا کہ اس کو ہمارے ساتھ بھیجیں تو انہوں نے بھیجنے سے سو فیصد انکار تو نہیں کیا۔ پھر بھی ان کی بات مان لی۔ مگر بات ماننے کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھا دیا۔ فرمایا: اچھا میرے بیٹو! تم بھی تو میرے بیٹے ہو، میں اس کو تمہارے ساتھ بھیج تو دیتا ہوں، مگر اب میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں۔...... ایسا کیوں کہا؟...... اس لیے کہ ان کے دل میں بھی یہ احساس ہو کہ ہم والد سے کون سا وعدہ کر کے آئے ہیں۔ ہم اپنے والد سے کیسی کمٹمنٹ کر کے آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے وعدہ لیا اور اس پر اللہ کو گواہ بنایا۔ اور صاف ظاہر ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہوتا ہے وہ اس بات کا تو خیال کرتا ہے کہ میں خدا کو اس پر گواہ بنا کے آیا ہوں۔

یہاں سے ہمیں یہ نکتہ ملا کہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، بات چیت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھنا چاہیے اور اگر بات چیت کا موقع ملے تو انہیں اللہ تعالیٰ کے اور زیادہ قریب کرنا چاہیے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس بات چیت کے دوران ایک خاص بات کی۔ فرمایا:

﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا﴾

''خیر! اللہ سب سے بڑھ کر نگہبان ہے''

بھئی! ہم تو اسباب اختیار کرنے والے لوگ ہیں، مگر اصل محافظ تو اللہ ہے نا۔

جب بھائی دوبارہ غلہ لینے کے لیے چلنے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو ایک نصیحت کی۔ کیا نصیحت کی؟

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

[اور (ساتھ ہی یہ بھی) کہا: ”میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، میں اللہ کی مشیت سے تمہیں نہیں بچا سکتا، حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔ اسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور جن جن کو بھروسہ کرنا ہو، انہیں چاہیے کہ اسی پر بھروسہ کریں۔“ اور جب وہ (بھائی) اسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح ان کے والد نے کہا تھا، تو یہ عمل اللہ کی مشیت سے ان کو ذرا بھی بچانے والا نہیں تھا، لیکن یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جو انہوں نے پوری کر لی۔ بے شک وہ ہمارے سکھائے ہوئے علم کے حامل تھے، لیکن اکثر لوگ (معاملے کی حقیقت) نہیں جانتے۔]

اُدْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ

”تم مختلف دروازوں سے داخل ہونا“

متفرق دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو متفرق دروازوں سے داخل ہونے کے

لیے کیوں کہا؟ اس کی تفصیل بتانا ضروری ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ ان کے بیٹے نوجوان، صحتمند اور خوبصورت ہیں۔ اگر وہ ایک ہی دروازے سے داخل ہوں گے تو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں گے۔ ممکن ہے کہ کوئی حسد کرنے والا ان کے ساتھ حسد کرنے لگ جائے۔ کوئی یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ اس سے پہلے بادشاہ نے ان کو جو اتنا قرب اور اعزاز واکرام دیا، وہ کیوں دیا؟ اس طرح کوئی دشمنی بھی کر سکتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے جب جائیں تو لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بنیں اور کسی کی نظر میں نہ آئیں۔ یہ ایک ظاہری احتیاط تھی جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بتائی۔

نظر کا لگ جانا

نظر کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

((اَلْعَیْنُ حَقٌّ)) ''نظر کا لگ جانا، برحق ہے''

ایک اور حدیث مبارکہ ہے:

((اِنَّ الْعَیْنَ لَتَدْخُلُ الرَّجُلَ الْقَبَرَ وَ الْجَمَلَ الْقِدْرَ))

''آدمی کو نظر قبر میں پہنچا دیتی ہے اور اونٹ کو نظر ہنڈیا میں پہنچا دیتی ہے''

نظرِ بد کا واقعہ:

ایک مشہور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا نام سہل بن حنیف تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے غسل کرنے کے لیے تہبند باندھا اور غسل کرنے لگے..... نہانے والے بندے کا ناف سے اوپر کا حصہ تو ننگا ہوتا ہے

......غسل کرنے کے دوران ایک اور صحابی عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو وہ ان کو دیکھ کر بڑے حیران ہوئے۔ رنگ گورا، خوبصورت اور بہت ہی اچھے مسلز۔ انہوں نے ان کو کہہ دیا: سہل! میں نے ایسا خوبصورت جسم زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔

ان کا یہ کہنا تھا کہ سہل کی طبیعت خراب ہونے لگ گئی۔ وہ بیمار ہو گئے۔ معاملہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام تک جا پہنچا...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ ایک بڑی خوبصورت عادت تھی کہ جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ اسے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں آکر بیان کر دیتے تھے...... جب انہوں نے آکر بتایا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور فرمایا: تو نے تو ان کو قتل ہی کرنا تھا، اگر تجھے کوئی اچھی چیز لگی تھی تو چاہیے تھا کہ یہ کہہ دیتا: بَارَكَ اللّٰه اللہ تمہیں اس میں برکت عطا فرمائے۔ یا ما شاء الله کہہ دیتے۔

یہاں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ بات سمجھائی کہ جس بندے کو کوئی چیز پسند آئے اور وہ دیکھ کر اگر یہ کہہ دے: بَارَكَ اللّٰهُ ’’اللہ تمہیں اس میں برکت عطا فرمائے۔‘‘ یا مَاشَاءَ اللّٰهُ کہہ دے تو اس طرح دوسرے بندے کو نظر نہیں لگتی۔ اور اگر فقط تعجب کی نظر سے دیکھے گا تو پھر دوسرے کو نظر لگ جائے گی۔

اس کے بعد نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اب اس کا علاج یہ ہے کہ عامر بن ربیعہ وضو کریں اور جو اُن کے وضو کا پانی ہو، اس سے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ (جن کو نظر لگی) وہ غسل کر لیں۔ چنانچہ جب سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے غسل کیا تو اللہ رب العزت نے ان سے وہ بیماری دور فرما دی۔

اس حدیث مبارکہ سے ہمیں یہ علاج ملا کہ اگر کسی کی نظر لگ جائے تو اس کو وضو کرایا جائے اور وہ پانی دوسرے بندے پر ڈالا جائے یا وہ غسل کر لے، اس طرح اللہ تعالیٰ نظر بد کے اثرات کو ہٹا دیں گے۔

نظرِ بد کے بارے میں چند مسائل:

یہاں پر چند مسائل سمجھ لیجیے:

⊙......اگر کسی کے دل میں یہ بات ہو کہ اس کے پاس جو نعمتیں ہیں، اگر وہ کسی کو معلوم ہو جائیں گی تو وہ حسد کرے گا، تو ایسی صورت حال میں لوگوں سے اپنی نعمتوں کا چھپانا جائز ہے، بلکہ بہتر ہے۔

اصل تو یہ ہے کہ نعمت کا اظہار کرنا چاہیے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾

لیکن جب دل میں یہ بات ہو کہ اس نعمت کے اظہار سے لوگ حسد کریں گے، یا لوگوں کی نظر مجھے لگ سکتی ہے، تو ایسی صورت میں نعمت کا چھپانا اعلیٰ ہے۔

⊙......نظر بد سے بچنے کے لیے تدبیر کرنا، شرعاً جائز ہے......تدبیر کیسے؟......جیسے ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد کمزور ہوتی تھی، ان کو جلدی بخار ہو جاتا تھا تو ان کی بیوی نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ جلدی بیمار ہو جاتے ہیں، کیا میں ان کو کچھ پڑھ کر دم کر دیا کروں؟ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں! کر دیا کرو۔ قرآن پاک کی آیات ہوں، یا حدیث پاک کے کچھ کلمات ہوں، ان کو پڑھ کر دم کرنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا ہے۔

⊙......جس کی نظر لگے، اگر وہ قریب ہو تو اسے بتا دینا بھی بہتر ہے......ہم نے دیکھا ہے کہ کئی دفعہ چھوٹے بچوں کو ان کی ماں کی بھی نظر لگ جاتی ہے۔ باپ کی بھی نظر لگ جاتی ہے۔ بچے پیارے ہوتے ہیں، پھول کی طرح ہوتے ہیں، جب وہ تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ان کی بھی نظر لگ جاتی ہے......ایسی صورت میں اس کو بتا دیا جائے کہ تم بچے کو دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کر رہی ہو، تمہیں بچہ بہت پیارا لگ رہا ہے، لہٰذا تم

اب ماشاء اللہ کہہ دو۔

کسی اچھی چیز کو دیکھ ماشاء اللہ کہنے کی عادت بنانی چاہیے۔

◉......اگر بندے کو کسی کی کوئی چیز اچھی لگے......مثال کے طور پر: بچہ بہت پیارا لگا ......اور اسے دیکھنے پر تعجب ہوا تو شریعت کہتی ہے کہ چونکہ اس کی نظر لگنے کا احتمال ہے، اس لیے اب اس پر ماشاء اللہ کا پڑھنا واجب ہو گیا۔ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اس سے بالکل بے فکر ہیں، ماشاء اللہ پڑھنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ یہ الفاظ ہر وقت یاد ہونے چاہئیں۔

......کسی کا گھر اچھا لگا

......کسی کا لباس اچھا لگا

......کسی کی شخصیت اچھی لگی

......کسی کا بچہ اچھا لگا

......کسی کی نعمت اچھی لگی

تو مَاشَاءَ اللّٰہ اور بَارَکَ اللّٰہُ کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

◉......جس طرح نظر لگ سکتی ہے، اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو بندے کو محفوظ بھی کر سکتے ہیں۔ اس لیے نظر پر بھروسہ نہیں، بلکہ اللہ رب العزت کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اگر ساری دنیا نقصان دینے کے لیے اکٹھی ہو جائے تو وہ اس وقت تک نقصان نہیں دے سکتی، جب تک کہ اللہ نہ چاہیں، اور اگر ساری دنیا نفع پہنچانے کے لیے اکٹھی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نہ چاہیں، تو دنیا نفع نہیں پہنچا سکتی، قلم بند ہو چکا ہے اور تقدیر کا لکھا خشک ہو چکا ہے۔

چنانچہ نظر کا لگ جانا برحق ہے۔اس سے بچنے کی کوشش میں اعمال بھی کرنے چاہئیں،مگر گھبرانا بھی نہیں چاہیے۔اس لیے کہ نفع ونقصان اللہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ نظر ہمیشہ اللہ کی ذات پر رکھنی چاہیے۔

نظر لگنے کا علاج:

نظر لگنے کا علاج کیا ہے؟

⊙......اس سلسلے میں نبی علیہ السلام نے چند دعائیں سکھائی ہیں،اگر ان دعاؤں کو انسان پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ محفوظ فرماتے ہیں۔

(۱)......((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ))

(۲)......((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَآمَّةٍ وَّ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّآمَّةٍ))

اگر ان مسنون دعاؤں کو پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ نظر بد سے محفوظ فرمادیں گے۔

⊙......معوذتین،یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھنے سے بھی بندہ نظر بد سے محفوظ رہتا ہے۔

⊙......سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بچوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ جب ان کو نہلاؤ اور کپڑے پہناؤ تو ان کی ٹھوڑی پر سرمے کا ایک نقطہ لگا دیا کرو۔

⊙......ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ حفاظت کے لیے ایک حصار بتایا کرتے تھے اس کو روزانہ دن میں ایک مرتبہ اور رات میں ایک مرتبہ کر لینا چاہیے وہ حصار کیا ہے؟

اول آخر درود شریف،اور درمیان میں سورۃ فاتحہ،آیت الکرسی اور چاروں قل۔

ان کو پڑھ کر اپنے اردگرد، بچوں کے اردگرد اور اپنے گھر کے اردگرد حصار بنادے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس بندے کو اس حصار کی برکت سے موت کے سوا کوئی مصیبت نہیں آسکتی۔

عذابِ قبر میں تخفیف:

بلکہ ایک دن تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے یہ بات ارشاد فرمائی: ہمارے بعض مشائخ نے اس حصار کو پڑھ کر فوت شدہ لوگوں پر تصور میں ہی حصار کیا اور اللہ نے اس عمل کی برکت سے ان کے قبر کے عذاب کو اس رات کے لیے معاف فرما دیا۔

اگر عورتیں اس طرح کی چند آیات اور احادیث کی دعائیں یاد کر لیں تو ان کو کسی عامل کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

عملیات والوں کا کام:

آج کل عملیات کا کام کرنے والوں کا کاروبار بڑے نفع میں جا رہا ہے۔......
جیسے ایک بھکاری دونوں ہاتھوں میں کشکول لے کر جا رہا تھا کسی نے کہا: بھکاری تو مانگنے کے لیے ایک ہاتھ میں کشکول پکڑتا ہے اور تم دونوں ہاتھوں میں کشکول پکڑے جا رہے ہو۔ وہ کہنے لگا: ہاں! میں بھی ایک ہی ہاتھ میں پکڑا کرتا تھا، اس سے میری کمپنی کو بہت نفع ہوا، اس لیے اب میں نے ایک برانچ اور کھول لی ہے......لگتا ہے کہ آج کل عملیات والوں نے بھی دو دو برانچیں کھولی ہوئی ہیں۔ جو بندہ بھی ان کے پاس آئے گا وہ کہیں گے: تیرے اوپر اثر ہو گیا ہے، کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ ان کے بھی ذہن میں پہلے ہی تفصیل موجود ہوتی ہے کہ

......ہاں! چچا نے کچھ کر دیا ہے

...... ہاں! پھوپھو نے کر دیا ہے

...... ہاں! بڑے بھائی نے ...... بلکہ بڑے بھائی کی بیوی نے کچھ کیا ہے۔

وہ اصل میں کرتے کیا ہیں؟

﴿وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾

''جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ ان کو توڑ دیتے ہیں''

ہمیں اس بات کی آج تک سمجھ نہیں آئی کہ وہ یہ تو بتاتے ہیں کہ تیرے اوپر کسی نے کچھ کر دیا ہے، مگر اس کا علاج نہیں کرتے۔ بلکہ جب کوئی کہتا ہے کہ علاج کرو تو وہ کہتے ہیں کہ اپنے پیر صاحب کے پاس جاؤ۔ تو بھئی! کیا فقط Diagnostic centre کھولا ہوا ہے؟ کہ جو آیا اسی کو کہہ دیا کہ تمہارے اوپر اثر ہے۔ کیا ضرورت ہے کسی کو کنفیوز کرنے کی؟

حیرت کی بات ہے کہ تہجد گزار، نمازی اور پرہیز گار لوگ ان کے پھندے میں آ جاتے ہیں۔ ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ ایک نیک نمازی پرہیز گار، تہجد گزار آدمی فون پر کہنے لگے: جی! میرے اوپر کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ میں نے کہا: خدا کا خوف کرو، ایک انسان اتنا نیکوکاری کی زندگی گزارتا ہو، قرآن کا حافظ ہو اور شریعت و سنت کا اہتمام کرنے والا بندہ ہو، اگر اس کے اوپر عملیات کا اثر ہونا ہے تو پھر پیچھے کیا بچا؟

بھئی! ان چیزوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اصل میں ہوتا یہ ہے کہ چھوٹی موٹی بدنی بیماری ہوتی ہے اور جب وہ اس کو کہہ دیتے ہیں کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے تو پھر وہ بندہ نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ اگر پہلے مریض نہیں ہوتا تو اب پکا مریض بن جاتا ہے۔ جی ہاں! بندے کے اوپر نفسیاتی اثر ہوتا ہے۔ اس لیے عملیات

والوں کے پاس ہرگز نہ جائیں ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

''کامل بننا، عامل نہ بننا''

عملیات والوں کے پیچھے بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں، بس! اللہ پر بھروسہ کریں اور جو آیات اور احادیث ہمیں دین نے بتائی ہیں ان کو پڑھیں، دعاؤں کو پڑھنا شروع کر دیں، اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے ہمیں عملیات والوں کے برے عمل سے خود محفوظ فرما دیں گے اور کسی کے پاس جانے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔

فائدہ 58

اخلاص بھری نظر کا بھی اثر ہوتا ہے

ایک نکتہ اور بھی سنیے !......بھئی ! جس نظر کے اندر ہوس ہے ......حرص ہے......حسد ہے......عداوت ہے۔ اگر وہ نظر اپنا اثر دکھا سکتی ہے تو جس نظر کے اندر محبت ہو......شفقت ہو......اخلاص ہو......تو پھر وہ نظر اپنا اثر کیوں نہیں دکھا سکتی۔ ہمارے بزرگوں کے دلوں میں اخلاص ہوتا ہے......محبت ہوتی ہے......شفقت ہوتی ہے......اور ان کی نظر بھی اسی طرح اپنا اثر دکھا دیتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ بری نظر بندے کو بیمار کر دیتی ہے اور اچھی اور اخلاص بھری نظر بندے کو گناہوں سے نجات دے دیتی ہے۔ اللہ کرے کہ ہم بھی کسی کی نظر میں رہیں۔ (آمین)

آنکھوں میں بس گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

حدیث پاک میں ہے کہ اگر تقدیر کو کوئی چیز بدل سکتی ہے تو وہ نگاہ ہے جو تقدیر کو

بھی بدل دیتی ہے۔ اللہ رب العزت نے نگاہ میں اتنی تاثیر رکھی ہے۔

آج کل تو ہپناٹزم والوں نے سارا مسئلہ ہی ثابت کر کے دکھا دیا ہے۔ وہ دوسرے بندے کو ہپناٹائز کرتے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں وہ ان کی بات مان رہا ہوتا ہے۔ آج کے زمانے میں اس کا نام ''میٹافزکس'' رکھا گیا ہے۔

وہ لوگ ہپناٹائز کر لیتے ہیں اور اللہ والے بندوں کے دلوں پر نگاہ ڈال کر ان کو شیطان کی غلامی سے نکال کر اللہ کے بندے بنا دیتے ہیں۔ اس لیے کہ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

اللہ والوں کے سامنے بیٹھنے کا اہتمام:

جب ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں لوگ آ کر بیٹھتے تھے تو آپ اپنے مہمانوں کو فرماتے تھے کہ دائیں اور بائیں طرف مت بیٹھو، سامنے بیٹھو...... اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ وہ فرماتے تھے:

''اللہ کرے کہ تم کسی کو دیکھو اور اللہ کرے کہ کوئی تمہیں دیکھے۔''

یعنی بیان کے دوران اگر تم دیکھو گے تو تمہارے دلوں پر بھی اثر ہوگا اور اگر کسی (اللہ والے) نے تمہیں دیکھ لیا تو اللہ اس کی نظر میں بھی رحمت اور برکت ڈال دیں گے اور اس کا بھی اثر ہو جائے گا۔ اس لیے سامنے بیٹھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

یہ وہی احتیاط تھی:

بہرحال! نظر بد سے بچنے کے لیے حدیث پاک میں جو اعمال بتائے گئے ہیں وہ کرنے چاہئیں اور احتیاط کرنی چاہیے۔ یہ وہی احتیاط تھی جو حضرت یعقوب D نے کی اور فرمایا: اے بیٹو! جب تم جاؤ تو ایک دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف

دروازوں سے داخل ہونا، تاکہ کسی کی نظر بھی نہ لگے اور کوئی تمہارا حاسد اور دشمن بھی نہ بنے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے ہونا ہے وہ ہو کے رہنا ہے۔ یعنی اگر کوئی نقصان ہونا ہے تو یہ احتیاط اس کو روک نہیں سکتی۔ مطلب یہ نکلا کہ یہ احتیاط، سبب کے درجے میں ہوتی ہے اور اسے اختیار کرنا چاہیے۔ مگر نظر اللہ کی ذات پر رکھنی چاہیے۔

وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ

''اور جن کو بھروسہ کرنا ہو، انہیں چاہیے کہ اسی پر بھروسہ کریں''

توکل کی حقیقت

توکل، اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ذرا اس کی بھی تفصیل سن لیجیے!

⊙......امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ توکل کا یہ معنی لکھتے ہیں:

اَلتَّوَكُّلُ اِظْهَارُ الْعَجْزِ وَالْاِعْتِمَادُ عَلٰى غَيْرِكَ

⊙......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ قَطْعُ الْاِسْتِشْرَافِ بِالْاَيَاسِ مِنَ الْخَلْقِ

''توکل یہ ہے کہ مخلوق سے امید ٹوٹ جائے اور اللہ سے امید لگ جائے۔''

⊙......شفیق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوَكُّلُ طَمَانِيَةُ الْقَلْبِ بِمَوْعُوْدِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ

''توکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر انسان کا دل اطمینان پالے۔''

⊙......ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ تَفْوِيْضُ الْاَمْرِ اِلَى اللّٰهِ

''اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دینا۔''

⊙......ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

اَلتَّوَكُّلُ هُوَ اِنْطِرَاحُ الْقَلْبِ بَيْنَ يَدَىِ الرَّبِّ

''توکل یہ ہے کہ اپنے دل کو اللہ رب العزت کے حضور پیش کر دیا جائے''

⊙......ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوَكُّلُ اِضْطِرَابٌ بِلَا سُكُوْنٍ وَ سُكُوْنٌ بِلَا اِضْطِرَاب

⊙......ابو یعقوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوَكُّلُ عَلَى اللّٰهِ بِكَمَالِ الْحَقِيْقَةِ مَا وَقَعَ لِاِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا

⊙......امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوَكُّلُ هُوَ اَنْ يُّرَاعِيَ الْاِنْسَانُ الْاَسْبَابَ الظَّاهِرَةَ وَ لٰكِنْ لَّا يُعَوِّلُ بِقَلْبِهٖ عَلَيْهَا

''توکل یہ ہے کہ انسان ظاہری اسباب اختیار کرے، مگر ان کو مؤثر نہ سمجھے، بلکہ مؤثر اللہ کی ذات کو سمجھے۔''

⊙......ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوَكُّلُ تَرْكُ تَدْبِيْرِ النَّفْسِ وَ الْاِنْخِلَاعُ مِنَ الْحَوْلِ وَ الْقُوَّةِ

توکل کی خوبیاں

توکل کی برکات بہت زیادہ ہیں......امید ہے کہ سن کر آپ بھی چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہمیں بھی عطا فرما دے......توکل کے اندر تیرہ خوبیاں ہیں:

پہلی خوبی

تَحْقِيقُ الْإِيْمَانِ

''ایمان متحقق ہوجاتا ہے''

توکل کرنے والے کا ایمان ثابت ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''اور اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ پر توکل کرو''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ توکل کرنے والے کا ایمان ثابت ہوجاتا ہے۔

دوسری خوبی

كِفَايَةُ اللّٰهِ الْمُتَوَكِّلَ جَمِيْعَ شُئُوْنِهٖ

''جو متوکل ہوتا ہے اس کے ہر کام میں اللہ کافی ہوتا ہے''

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾

''اور جو توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے''

تیسری خوبی

مِنْ اَقْوَى الْاَسْبَابِ فِيْ جَلْبِ الْمَنَافِعِ وَ دَفْعِ الْمُضَارِّ

''منافع حاصل کرنے کے لیے نقصان دہ چیزیں رد کرنے کے لیے بہترین طریقہ توکل ہے''

چنانچہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جارہا تھا تو انہوں نے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ پڑھا تھا اور جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا گیا کہ غزوہ خندق میں بڑے لوگ آرہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

اس وقت کہا تھا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْل﴾۔اور اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور فرمایا:

﴿وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا﴾

''اور اللہ نے لوٹا دیا ان کافروں کو ان کے غیض وغضب کے ساتھ اور ان کے پلے کچھ بھی نہ آیا ''

چوتھی خوبی:

يُوْرِثُ مَحَبَّةَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِلْعَبْدِ

''توکل کرنے والے بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ متوکلین سے محبت فرماتے ہیں''

پانچویں خوبی:

يُوْرِثُ قُوَّةَ الْقَلْبِ وَ شُجَاعَتَهٗ وَ ثُبَاتَهٗ وَ تَحْدِيَهٗ لِلْاَعْدَاءِ وَ يُوْرِثُ الْقُوَّةَ الرُّوْحِيَةَ

حدیث مبارکہ میں ہے:

((وَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَكُوْنَ اَقْوَى النَّاسِ فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ))

''اور جو چاہے کہ میں انسانوں میں سے سب سے زیادہ قوی ہو جاؤں تو اس کو اللہ پر توکل کرنی چاہیے''

چھٹی خوبی

يُقَوِّي الْعَزِيْمَةَ وَ الثُّبَاتَ عَلَى الْاَمْرِ

''جو توکل کرتا ہے اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو جاتی ہے''

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾

ساتویں خوبی:

يُوْرِثُ الصَّبْرَ وَ التَّحَمُّلَ

''توکل کرنے والے کو صبر اور قوت برداشت حاصل ہو جاتی ہے''

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرتے ہیں:

﴿وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلَى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾

آٹھویں خوبی:

يُوْرِثُ النَّصْرَ وَ التَّمْكِيْنَ

توکل کرنے پر اللہ کی مدد ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾

نویں خوبی:

يَقِي مِنْ تَسَلُّطِ الشَّيْطَانِ

''توکل کرنے والے کو شیطان کے تسلط سے حفاظت مل جاتی ہے''

حدیث شریف میں ہے:

((إِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَابِ بَيْتِهِ كَانَ مَعَهُ مَلَكَانِ مُوَكَّلَانِ بِهِ فَإِذَا

قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ قَالَا هُدِيتَ فَإِذَا قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ قَالَا وُقِيتَ فَإِذَا قَالَ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ قَالَا: كُفِيتَ قَالَ فَيَلْقَاهُ قَرِينَاهُ فَيَقُولَانِ ؛ مَاذَا تُرِيدَانِ مِنْ رَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَ وُقِيَ وَ كُفِيَ))

''جب بندہ اپنے گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں، جب وہ نکلتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ کہتا ہے تو وہ کہتے ہیں: تجھے ہدایت مل گئی۔ اور جب وہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہتا ہے، تو وہ کہتے ہیں: ''تو بچ گیا'' پھر وہ ﴿تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ﴾ کہتا ہے تو وہ کہتے ہیں: ''تجھے کفایت مل گئی'' فرمایا کہ پھر وہ دونوں فرشتے آپس میں بات کرتے ہیں کہ تم اس بندے سے کیا چاہتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیں، اللہ تعالیٰ بچالیں اور اللہ اس کے لیے کافی ہو جائیں''

معلوم ہوا کہ یہ کلمات گھر سے نکلتے ہوئے پڑھنا کتنے ضروری ہیں۔ یہ آسان سے بھی ہیں۔ لہٰذا ان کو پڑھنے کی عادت بنالیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ بندے کے لیے کافی ہو جائیں گے اور شیطان اس کا پیچھا ہی چھوڑ جائے گا۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ گھر کے حالات اچھے نہیں، ایک دوسرے کے ساتھ بحث و تکرار ہوتی رہتی ہے، وہ اس عمل کو کر کے تو دیکھیں۔ دیکھنا! کیسے راحت ملتی ہے۔ بھئی! جب بندہ گھر میں داخل ہونے کی دعا نہیں پڑھے گا تو وہ تو گویا خود شیطان کو انگلی پکڑ کر گھر لے جاتا ہے۔ جب یوں انگلی پکڑ کر شیطان کو گھر لے کر جائیں گے تو پھر تو وہ اپنی شیطانیت ضرور دکھائے گا۔ بچوں پر اثر کرے گا، یا بیوی پر اثر کرے گا، یا لے جانے والے پر اثر کرے گا۔ دراصل احادیث میں آنے والی دعائیں ہمارے لیے محفوظ قلعے کی مانند ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان کو یاد کریں اور ان کو پڑھا کریں اور

شیطان بدبخت سے محفوظ ہو جائیں۔

دسویں خوبی:

يُوْرِثُ الرِّزْقَ

''توکل کرنے والے کو اللہ رزق عطا فرما دیتا ہے''

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ اَنَّكُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْكُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَ تَعُوْدُوْا بِطَانًا))

''اگر تم اللہ پر ایسے توکل کرو جیسے توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تمہیں اس طرح روزی دے گا جیسے وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے، وہ خالی پیٹ گھر سے نکلتے ہیں اور بھرے پیٹ واپس لوٹتے ہیں۔''

جس طرح پرندے خالی پیٹ جاتے ہیں اور بھرے پیٹ آجاتے ہیں، توکل کرنے والوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ ابھی تک تو حال یہ ہے کہ جب ہم گھر سے نکلتے ہیں تو پیٹ بھرے نکلتے ہیں، ناشتہ کر کے، اور جب شام کو گھر واپس آتے ہیں تو خالی پیٹ آتے ہیں۔ بلکہ پہلے سے ہی بیوی کو فون کر رہے ہوتے ہیں کہ میرے آنے سے پہلے دستر خوان لگا رکھو، بڑی بھوک لگی ہوئی ہے۔

گیارہویں خوبی:

دُخُوْلُ الْجَنَّةِ بِوُجُوْهٍ مُضِيْئَةٍ عَلَى صِفَةِ الْقَمَرِ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا تُضِيْءُ وُجُوْهُهُمْ اِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ))

بارہویں خوبی:

هُمْ اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ

''متوکل بندوں کو اللہ جنت میں پہلے داخل فرمائیں گے''

تیرہویں خوبی:

وَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ

''اور متوکل بندوں کو اللہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل فرما دیں گے''

اسباب اختیار کرنا اور معاملہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دینا، توکل کہلاتا ہے۔ اور توکل اختیار کرنے والا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔

﴿وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ رضی اللہ عنہم پر جو فضیلت حاصل تھی، وہ نماز اور روزے کی کثرت کی وجہ سے نہیں تھی۔ بلکہ حدیث مبارکہ میں ہے:

((مَا سَبَقَكُمْ اَبُوْ بَكْرٍ بِكَثْرَةِ الصَّلٰوةِ وَلَا صِيَامٍ وَلٰكِنْ بِشَيْءٍ وَقَرَ فِيْ قَلْبِهٖ))

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز اور روزے کی کثرت کی وجہ سے باقی صحابہ سے سبقت نہیں لے گئے تھے، بلکہ یہ اس نعمت کی وجہ سے تھا جو اللہ نے ان کے دل میں عطا فرمائی تھی''

وہ ایمان اور توکل والی نعمت تھی جس کی وجہ سے ان کو سب پر فضیلت حاصل ہو گئی تھی۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اللہ کی ذات پر توکل کریں۔ ویسے جو بندہ اللہ پر توکل کرتا ہے، اس کے ساتھ اللہ کا معاملہ خصوصیت کا ہوتا ہے۔ ہمیں اس کا ایک مرتبہ تجربہ بھی ہوا ہے۔

ایک توکلی کا شاہانہ حج:

ایک مرتبہ ہم نے بیرون ملک سے ارادہ کیا کہ یہاں سے حج پہ جاتے ہیں۔ یہ سن کر کئی سارے ڈاکٹر لوگ بھی ساتھ تیار ہو گئے۔ کوئی پی ایچ ڈی ڈاکٹر اور کوئی ایم بی بی ایس ڈاکٹر۔ تقریباً پچاس بندوں کا گروپ تیار ہو گیا۔

وہ لوگ بڑی پلاننگ کرنے والے تھے۔ مثال کے طور پر:

......ہر ایک نے بڑے سائز کا ایک ایک بیگ خریدا

......اس میں اتنے اتنے جوڑے رکھے

......اتنے جوتے رکھے

......اتنی جرابیں رکھی ہیں

......اتنے پیسوں کا چیک لے کر جائیں گے

......ٹریولر چیک بنوایا، بلکہ

......اپنے نام کا الگ چیک بنوایا

......بیوی کے نام کا الگ بنوایا

......بیٹے کے نام کا الگ بنوایا، اور

......اور بیٹی کے نام کا الگ بنوایا۔

تاکہ ضرورت کے وقت سب بچوں کے پاس پیسے ہوں۔ اتنے محتاط اور اتنی تیاریاں۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی چیز جس کی ضرورت پڑ سکتی تھی، انہوں نے اپنے بیگ میں ڈال لی۔

وہاں ایک آدمی اور بھی تھا۔ وہ اتنا زیادہ لکھا پڑھا بھی نہیں تھا۔ وہ ایسا اللہ کا بندہ تھا کہ اس کی طبیعت میں سستی تو تھی، لیکن وہ ایک ''توکلی'' بندہ تھا۔ لوگ بھی اس کو

توکلی کہتے تھے۔اس لیے کہ جب بھی کوئی بات ہوتی تو وہ صاف کہہ دیا کرتا تھا: بھئی! میرا اللہ پر بھروسہ ہے، مجھے کچھ پروانہیں۔کوئی کام ہوتا، یا کاروبار ہوتا، لوگ کچھ باتیں کر رہے ہوتے تھے اور وہ درمیان میں کہہ دیتا تھا: بھئی! میرا اللہ پر بھروسہ ہے۔

اس توکلی صاحب نے بھی حج کا ارادہ کرلیا۔یہ سن کر ایک ڈاکٹر صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے: حضرت صاحب! آپ کے ساتھ سب لکھے پڑھے لوگ جارہے ہیں اور یہ ایک ایسا بندہ ہے جو بہت ہی سست ہے اور اکثر توکل کا نام لیتا رہتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس ایک بندے کی وجہ سے ہم سب وہاں پریشان ہوں، اس لیے آپ اس سے کہہ دیں کہ وہ نہ جائے۔میں نے کہا: بھئی! میں اس کو اللہ کے گھر جانے سے کیسے منع کرسکتا ہوں۔آپ لوگ اللہ سے دعا مانگیں کہ سفر عافیت سے پورا ہو جائے۔بہرحال! سب نے اپنی ٹکٹیں بنوالیں اور تیار ہوگئے۔

جس دن جانا تھا اس دن باقی لوگوں نے آٹھ نو گھنٹے پہلے ائیرپورٹ پر جا کر اپنا سامان بھی پہنچادیا اور بورڈنگ پاس بھی لے کر گھر آگئے اور سوچنے لگے کہ ہم دو گھنٹے پہلے جہاز میں پہنچ جائیں گے اور پھر آگے چلے جائیں گے۔اس طرح ہمیں موقع پر سامان لے جانے کی پریشانی نہیں ہوگی۔

جب ہم گئے تو ہم نے بھی بورڈنگ پاس وغیرہ لے لیے۔اس وقت ایک ڈاکٹر صاحب نے مجھے کہا: حضرت! وہ توکلی کب آئے گا؟ میں نے کہا: بھئی! مجھے پتہ نہیں، اللہ کرے وہ جلدی آجائے۔

ہم انتظار کرتے رہے، کرتے رہے۔حتیٰ کہ جب فلائیٹ چلنے میں ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا تو سب نے کہا کہ ہم یہاں تو نہیں کھڑے ہوسکتے۔امیگریشن بھی

کروانی ہے اور آگے بھی جانا ہے۔ چنانچہ وہ سب آگے چلے گئے۔ میں نے کوشش تو کی کہ اس کا انتظار کروں، لیکن صرف سوا گھنٹہ فلائٹ میں رہ گیا تھا، چنانچہ میں بھی آگے چلا گیا۔ وہاں سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ آج وہ وقت پر نہیں پہنچ سکے گا اور سفر نہیں کر سکے گا۔

ائیر پورٹ کا قانون ہے کہ اگر فلائیٹ سے ایک گھنٹہ پہلے مسافر پہنچ جائے تو وہ اس کو لے جاتے ہیں اور جب ایک گھنٹہ باقی رہ جائے تو وہ کاؤنٹر ہی بند کر دیتے ہیں، چنانچہ وہ پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے کہ اب تو پیچھے مسافر بھی کوئی نہیں آ رہا۔

لو جی! وہ توکلی آخری پانچ منٹ میں آیا، اس نے اپنا سامان بک کروایا، بورڈنگ پاس بھی لے لیا اور وہ سیدھا میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے پیار سے پوچھا: بھئی! خیر تو تھی؟ کہنے لگا: حضرت! مجھ پر میرے اللہ کا بڑا کرم ہے، بڑا فضل ہے، میں اپنے اللہ سے بہت خوش ہوں، میرے اوپر اللہ کی بڑی مہربانی ہے...... خیر! جیسے وہ پہلے کہتا تھا، اس نے وہ کہنا شروع کر دیا۔

پھر وہ مجھے کہنے لگا: جی آج مجھ پر اللہ کا بڑا کرم ہوا ہے۔ میں نے کہا: کیا؟ وہ کہنے لگا: جب ایک گھنٹہ دس منٹ باقی تھے تو اس وقت چانس والے کچھ بندے آ گئے اور کاؤنٹر پر موجود عورت نے ان کو بورڈنگ پاس دے دیے۔ اس طرح فلائیٹ فل ہوگئی۔ جب میں آیا تو پانچ منٹ رہتے تھے۔ میں نے اسے ٹکٹ دیا تو وہ کہنے لگی: جی! اکانومی تو فل ہو چکی ہے۔ میں نے کہا: ایک گھنٹے کا قانون ہے اور میں پانچ منٹ پہلے آیا ہوں۔ اس نے کہا: اچھا! میں اپنے سپر وائزر سے پوچھتی ہوں۔ چنانچہ جب اس نے سپر وائزر سے پوچھا تو اس نے کہا: اگر وہ پانچ منٹ پہلے آ گیا ہے تو پھر ہم اس کو ناں تو نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا: میں تو سمجھی تھی کہ اب کوئی نہیں آ رہا تو میں نے چانس

والوں کو بورڈنگ پاس دے دیا ہے۔ چنانچہ سپروائزر نے کہا: اچھا! تم ایسا کرو کہ اس کو فرسٹ کلاس میں جگہ دے دو۔ وہ توکلی کہنے لگا: حضرت صاحب! مجھے تو فرسٹ کلاس میں اپ گریڈ کر دیا گیا ہے۔ اب جتنے لکھے پڑھے تھے وہ سب اکانومی کلاس میں جارہے ہیں اور وہ توکلی ہاتھ میں بورڈنگ پاس لیے فرسٹ کلاس میں جارہا ہے۔ چنانچہ اب سارے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے کہا: میں کیا کر سکتا ہوں، یہ تو اس کے ساتھ اللہ کا معاملہ ہے۔...... وہ آگے فرسٹ کلاس کی سیٹ پر بیٹھا ہے اور سفر کر رہا ہے ...... پیسے دیے تھے اکانومی کلاس کے اور سفر کر رہا ہے فرسٹ کلاس میں ...... ماشاءاللہ! سفر بھی اتنا لمبا تھا کہ ہمیں پہنچنے میں سولہ گھنٹے لگنے تھے۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ جب جہاز جدہ میں جا کر رکا تو وہاں بھی عجیب معاملہ بنا۔ وہاں پر قانون یہ ہے کہ جو فرسٹ کلاس کی سواریاں ہوتی ہیں ان کو وہ الگ دروازے سے پہلے اتار کر بس میں جلدی پہنچا دیتے ہیں اور جو سواریاں اکانومی کی ہوتی ہیں ان کو بسیں بعد میں لے کر آتی ہیں۔

فرسٹ کلاس میں تو دو چار بندے تھے۔ یہ توکلی بھی انہی میں سے تھا۔ وہ جہاز سے اترے اور سامنے ائیر کنڈیشنڈ بس کھڑی تھی، اس میں بیٹھے اور وہ سیدھا لاؤنج میں پہنچ گئے۔

لاؤنج کے اندر جہاں پاسپورٹ دیکھتے ہیں، وہاں قانون یہ ہے کہ ایک جہاز کی سواریاں آتی ہیں تو ان کو روک لیتے ہیں۔ جب اگلی سواریاں فارغ ہو جاتی ہیں تو پھر ان کی باری آتی ہے۔

جب یہ وہاں پہنچے تو جو اُن سے پہلی فلائیٹ آئی ہوئی تھی، اس کی بس ایک دو سواریاں رہتی تھیں۔ یہ دو چار بندے تھے، یہ بھی انہی کے ساتھ آ کر مل گئے اور دوسری

سواریوں کے پہنچنے سے پہلے یہ امیگریشن سے پاس ہو کر آگے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

جب ہم سب پہنچے تو ہمیں انہوں نے کہا: جی! آپ لوگ یہاں بیٹھیں، انتظار کریں اور تھوڑی دیر بعد آپ کے پاسپورٹ چیک کرتے ہیں۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ اسی وقت اذان ہوگئی...... سعودی عرب میں جب اذان ہو جاتی ہے تو سارا عملہ کام چھوڑ کر پہلے نماز پڑھتا ہے...... چنانچہ عملہ کاؤنٹر سے اٹھ کر چلا گیا۔ ساری سواریاں کھڑی ہیں، بیٹھنے کی کوئی جگہ بھی نہیں۔ اور ہمارے ساتھ والے سب ڈاکٹر حضرات نے جب آگے دیکھا تو وہ حیران ہو گئے کہ وہ توکلی آگے کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اب وہ مجھے کہنے لگے: جی! وہ نکل کیسے گیا؟ میں نے کہا: بھئی! اس کا اللہ کے ساتھ معاملہ ہے، ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ہم نے پورا راستہ یہی دیکھا کہ وہ ڈاکٹر لوگ جو اپنی عقلوں اور پیسوں کو استعمال کر کے انتظامات کر کے گئے تھے وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے پھرے اور وہ شخص جس کی توکل اللہ پر تھی اور اتنے زیادہ انتظامات بھی نہیں کیے تھے، اللہ نے اس کو شاہی حج کروا دیا۔ اللہ اکبر کبیرا

﴿مَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾

بھائیوں کی دوبارہ آمد:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نصیحت کے مطابق شہر میں داخل ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے، تو اس بارے میں قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ
فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ
جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ
إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا
نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾
قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا
سَارِقِينَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٤﴾ قَالُوا
جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي
الظَّالِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا
مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ ۚ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ
فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۗ وَ
فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾

[اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے (سگے) بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس خاص جگہ دی (اور انہیں) بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں، لہٰذا تم ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہونا جو یہ (دوسرے بھائی) کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی پینے کا پیالہ اپنے سگے بھائی کے کجاوے میں رکھوا دیا، پھر ایک منادی نے پکار کر کہا: ''اے قافلے والو! تم چور ہو'' انہوں نے ان کی طرف مڑ کر پوچھا: ''کیا چیز ہے جو تم سے گم

ہوگئی ہے؟'' انہوں نے کہا: ''ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا، اور جو شخص اسے لا کر دے گا، اس کو ایک اونٹ کا بوجھ (انعام میں) ملے گا، اور میں اس (انعام کے دلوانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں''۔ وہ (بھائی) بولے: ''اللہ کی قسم! آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے تھے، اور نہ ہی ہم چوری کرنے والے لوگ ہیں''۔ انہوں نے کہا: ''اگر تم لوگ جھوٹے (ثابت) ہوئے تو اس کی کیا سزا ہوگی؟'' انہوں نے کہا: ''اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں سے وہ (پیالہ) مل جائے، وہ خود سزا میں دھر لیا جائے۔ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، ہم ان کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں''۔ چنانچہ یوسف نے اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی شروع کی، پھر اس پیالے کو اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے میں سے برآمد کرلیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی۔ اللہ کی یہ مشیت نہ ہوتی تو یوسف کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتے، اور ہم جس کو چاہتے ہیں، اس کے درجے بلند کردیتے ہیں، اور جتنے علم والے ہیں، ان سب کے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے''۔]

إِنِّىٓ أَنَا۠ أَخُوكَ

''میں تمہارا بھائی ہوں''

بنیامین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات:

جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے سگے بھائی بنیامین کو پہچان لیا...... انہوں نے اپنے بھائی کو آسانی سے کیسے پہچان لیا؟...... اس کی

وجہ یہ تھی کہ پچھلی دفعہ باقی تو سب بھائی آئے تھے مگر بنیامین نہیں آیا تھا، اس لیے جو نیا بندہ ان کے ساتھ آیا تھا، بلا شبہ وہ بنیامین ہی تھا۔لہٰذا وہ اسے دیکھ کر فوراً پہچان گئے: یہی میرا حقیقی بھائی بنیامین ہے۔اس کے بعد موقع پا کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے سامنے یہ بات ظاہر بھی کر دی: میں اور آپ سگے بھائی ہیں۔اسی لیے ان بھائیوں نے تمہارے ساتھ نامناسب (Rough & tough) رویہ رکھا ہوا ہے اور راستے میں بھی تمہیں جھڑکتے آئے ہیں۔چنانچہ بہتر یہ ہے کہ تم میرے پاس ہی رہ جاؤ۔باقی رہی یہ بات کہ اس کا طریقہ کیا ہونا چاہیے، اس کے بارے میں مَیں خود کوئی حیلہ بنالوں گا۔چنانچہ بنیامین نے NOC دے دیا اور کہہ دیا: ہاں! میں آپ کے پاس رہ جاؤں گا۔

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ

''اے قافلے والو! تم چور ہو''

بنیامین کو پاس ٹھہرانے کا حیلہ:

جب بنیامین نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہہ دیا کہ میں آپ کے پاس رہ جاؤں گا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک ترکیب اپنائی۔وہ یہ کہ انہوں نے اپنے بھائی بنیامین کے اونٹ پر غلہ بھی لدوا دیا اور جو غلہ ماپنے والا پیالہ تھا وہ بھی اس غلے کے اندر رکھوا دیا۔

بھائی غلہ لے کر چل پڑے۔مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد پیچھے سے آواز آئی: اے قافلے والو! تم بادشاہ کا پیالہ چوری کر کے جا رہے ہو، جو شخص اس کو لا کر دے گا اس کو انعام کے طور پر غلے کا ایک اضافی اونٹ بھی دیا جائے گا۔

لیکن انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم یہاں کوئی فساد مچانے کے لیے تو نہیں آئے، ہم نے کوئی چوری نہیں کی۔ پھر پوچھنے والوں نے پوچھا: اگر تم اپنی بات میں جھوٹے نکلے تو تمہاری سزا کیا ہوگی؟ وہ کہنے لگے: اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے اسباب میں سے وہ پیالہ برآمد ہو، بادشاہ اس آدمی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ

''یوسف نے اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی لی''

بنیامین کے سامان سے پیالے کی برآمدگی:

تلاشی لینے کے لیے سب سے پہلے دوسرے بھائیوں کا سامان چیک کیا تاکہ ان کو کوئی شک نہ گزرے کہ غلے میں پیالہ خود ڈالا تھا۔ چنانچہ بعد میں بنیامین کے سامان سے پیالہ نکل آیا۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ

''اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کی خاطر یہ تدبیر کی''

کاملین کے افعال اللہ کے افعال کے مظہر ہوتے ہیں:

یعنی کاملین کے افعال، اللہ کے افعال کے مظہر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ یہ کام ہم نے کیا۔ حالانکہ کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے تھا۔ سبحان اللہ! یہ تو وہی بات ہے جیسے حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب بندہ میرا مقرب بن جاتا ہے تو میں آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے

اور میں کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ یہ بندے کے لیے کتنا بڑا اعزاز ہے کہ مالک الملک اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں۔

مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ

''یوسف کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتے''

فائدہ 59

مصلحت کے تحت حیلہ کرنا جائز ہے

حضرت یوسف علیہ السلام نے غلے میں پیالہ ڈالنے والی ترکیب کیوں کی؟ اس لیے کہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق چور کی یہ سزا تھی کہ اس چور کو مالک اپنے پاس اس مال کی چوری کے بدلے میں رکھ سکتا تھا۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں حیلہ کیا اور اس حیلے کی وجہ سے اس پر چوری ثابت ہوگئی۔ چنانچہ جب چوری ثابت ہوگئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا، کیونکہ بھائی خود بھی شریعت ابراہیمی کے مطابق چور کی یہ سزا پہلے ہی بتا چکے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم یوسف علیہ السلام کو یہ بات نہ سمجھاتے تو وہ کبھی بھی ان کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی جائز مصلحت ہو تو حیلہ کرنے کی اجازت ہے۔

توریہ کسے کہتے ہیں؟

توریہ اسے کہتے ہیں کہ انسان مصیبت سے بچنے کے لیے کوئی ایسی ذومعنی بات

کردے کہ جس کا مفہوم تو کچھ اور ہو مگر سمجھنے والا کچھ اور سمجھے۔یعنی بات تو سچ ہو مگر ایسے انداز سے کی جائے کہ اگلا بندہ کوئی اور مطلب سمجھے۔شریعت نے اس توریہ کو جائز قرار دیا ہے۔

توریہ کی چند مثالیں:

اس کی مثالیں بھی سن لیجیے:

◉...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم ایک فنکشن منانے کے لیے شہر سے باہر جاتی تھی اور سارا دن لہو ولعب میں مشغول رہتی تھی۔ایک مرتبہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: جی! آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ وہ جواب میں بہانہ تو کر نہیں سکتے تھے، اس لیے انہوں نے فرمایا:

اِنِّی سَقِیْمٌ ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے''

اب ظاہر میں وہ یہ سمجھے کہ ان کو شاید کوئی بدنی بیماری ہے۔مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منشا یہ تھی کہ وہاں جا کر میری طبیعت ویسے ہی بیزار ہوتی ہے۔اس لیے کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں نہیں جاتا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سَقِیْمٌ کا لفظ استعمال کیا۔سمجھنے والوں نے اس سے بدنی بیماری مراد لی اور آپ کی اس سے مراد روحانی بیماری تھی، یعنی ان کاموں میں لگ کر مجھے روحانی کوفت ہوتی ہے، اس لیے میں نہیں جا سکتا۔

◉...... جب قوم فنکشن میں شمولیت کے لیے چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑا اٹھایا اور اپنی قوم کے سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔قرآن مجید میں ہے:

﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا﴾

''ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سوائے بڑے کے''

اور اس کے بعد کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا اور چلے گئے۔

جب قوم کے لوگ واپس آئے تو پوچھنے لگے کہ یہ کام کس نے کیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جس سے کلہاڑا برآمد ہوا ہے اسی نے کیا ہے۔

﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾

''بلکہ یہ کام تو ان کے بڑے نے کیا ہے''

◎......حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جا رہے تھے......وقت کا بادشاہ ظالم تھا۔ اس نے اپنی پولیس کو کہا ہوا تھا کہ جہاں کوئی خوبصورت عورت ملے، جو اپنے خاوند کے ساتھ ہو، اسے پکڑ کر میرے پاس لے آنا، میں اسے ایک رات اپنے پاس رکھوں گا......بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو اللہ نے بہت حسن و جمال عطا کیا ہوا تھا۔ سپاہیوں نے جب ان کو دیکھا تو پکڑ لیا۔ جب انہوں نے پکڑ لیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا: یہ کون ہے؟......اگر وہ بتاتے کہ یہ بیوی ہے تو وہ بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو لے جاتے۔ لہٰذا انہوں نے ان کو جواب میں کہہ دیا:

اُخْتِيْ: ''یہ میری بہن ہے''

مقصد یہ تھا کہ جو بندہ ایک ہی دین کو ماننے ولا ہوتا ہے وہ دینی بھائی ہوتا ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی ایمان کے بھائی چارے کی بنیاد پر کہہ دیا تھا کہ یہ بھی اللہ کو ماننے والی اور شرک سے بچنے والی ایمانی بہن ہے۔ جبکہ سپاہی یہ سمجھے کہ یہ دونوں بہن بھائی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ دیا۔

ان واقعات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کہنے کا مقصد کچھ تھا اور سمجھنے والوں نے

کچھ سمجھا۔

⊙......جب نبی علیہ السلام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کے سفر پر جارہے تھے تو راستے میں ایک بندہ ملا جس نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بتا دیتے کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ڈر تھا کہ کہیں وہ قریشِ مکہ کو اطلاع نہ دے دے۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت ہی خوبصورت اور تاریخی جواب دیا۔ فرمایا:

هٰذَا رَجُلٌ يَهْدِيْنِى السَّبِيْلَ

''یہ وہ ہستی ہے جو مجھے راستہ دکھاتی ہے''

اب وہ کافر سمجھا کہ یہ ظاہر کا راستہ دکھانے والا کوئی رہنما ہے، جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ یہ مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والا راستہ دکھانے والی ذات ہے۔ اللہ اکبر! بات ہی ایسی کی کہ اس بندے نے کچھ اور مطلب سمجھا اور مصیبت ٹل گئی۔

⊙......حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ فرنگی نے ان کو پھانسی کے آرڈر جاری کر دیے۔ حضرت مسجد میں کھڑے تھے کہ اسی اثنا میں پولیس وہاں پہنچ گئی۔ ایک سپاہی آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: قاسم کہاں ہے؟ حضرت جہاں کھڑے تھے وہاں سے ایک دو قدم ہٹ کر فرمانے لگے: ابھی تو یہاں تھے۔ پولیس اس طرف متوجہ ہوگئی جس طرف اشارہ کیا تھا اور حضرت فوراً واپس چلے گئے۔

توریہ اور حیلہ میں فرق:

توریہ کی طرح ایک حیلہ بھی ہوتا ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ توریہ کا تعلق قول سے ہے اور حیلہ کا تعلق فعل سے ہے۔ یعنی عمل سے ہے۔ شریعت نے اس کی بھی

اجازت دی ہے۔اس لیے کہ دینِ اسلام قیامت تک کے لیے، ہر وقت، ہر زمانے اور ہر حال کے لیے قابلِ عمل ہے۔کئی مرتبہ ایسی ضرورتیں پیش آجاتی ہیں جہاں حیلہ سے کام چلانا پڑتا ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حیلہ کے عنوان پر مستقل ایک کتاب ''کِتَابُ الْحِیَل''، لکھی۔

حیلہ کی چند مثالیں:

حیلہ کے بارے میں چند مثالیں بھی سن لیجیے:

⊙......حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ نے بیماری کے زمانے میں ان کی اتنی خدمت کی کہ خدمت کرنے کا حق ادا کر دیا۔ایک مرتبہ ان کی اہلیہ سے کوئی بھول چوک ہوگئی جس پر حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھالی۔ان کو بعد میں محسوس ہوا کہ اگر قسم توڑوں تو میاں بیوی کا تعلق بحال ہوتا ہے اور اگر تعلق بحال نہ کروں تو قسم بچا سکتا ہوں۔ چنانچہ اسی سوچ میں تھے کہ اب میں ان دونوں میں سے کون سا کام کروں۔اس لیے کہ اس وقت انہوں نے کہا تھا: میں تجھے سو کوڑے ماروں گا......اب سو کوڑے کیسے لگیں بھئی!......اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ﴾

اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن کی طرف متوجہ ہوئی اور فرمایا کہ تم سو لکڑیوں کا ایک گٹھا بنا لو اور اس گٹھے کو پکڑ کر ایک ہی دفعہ لگا دو تو اس طرح تمہاری بات بھی پوری ہو جائے گی کہ سو مارے اور اس کو تکلیف بھی نہیں ہوگی، اور تمہاری قسم بھی نہیں ٹوٹے گی۔یہ قرآن پاک کی آیت ہے جس میں حیلے کے ذریعے ایک مشکل سے نکلنے کا راستہ اللہ تعالیٰ خود بتا دیا۔

⊙......اسی طرح کا حیلہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی کیا۔آپ علیہ السلام اپنے بھائی کو رکھنا

چاہتے تھے اور ان کو بھائیوں کی مصیبت سے بچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے یہ ترتیب بنائی کہ خود ہی اپنا پیالہ ان کی گندم میں رکھ دیا اور برآمد کرنے کے بعد اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔ ان کا یہ حیلہ سو فیصد درست تھا۔

◉......ایک آدمی اپنی دکان بند کر کے نکلا تو اس نے دیکھا کہ دکان کے دروازے پر ایک عورت بیٹھی رو رہی ہے۔ اس نے پوچھا: کیا ہوا؟ وہ کہنے لگی: بس! میں بے سہارا ہوں، گھر سے بھی دور ہوں، رات آ گئی ہے، رو رہی ہوں کہ میں اب شہر میں کہاں ٹھکانہ پکڑوں، یہاں تو میرا کوئی واقف ہی نہیں ہے۔ اس نے کہا: تم میرے گھر میں آ جاؤ۔ عورت نے کہا؛ ٹھیک ہے۔ چنانچہ اب وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔

مرد اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ وہ کہنے لگی: نہیں۔ یہ سن کر مرد کا اس سے نکاح کرنے کو جی چاہا۔ چنانچہ اس نے عورت سے کہا: تم میرے ساتھ نکاح کر لو۔ عورت نے کہا: بہت اچھا۔ چنانچہ جب وہ گھر پہنچا تو اس نے قاضی کو اطلاع دی اور گواہوں کو بھی بلا لیا۔ یوں گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو گیا۔ اس کے بعد وہ عورت اس کے گھر میں تین دن تک رہی۔

تین دنوں کے بعد اس عورت کے کچھ رشتہ دار مرد اور عورتیں آ گئیں اور اس سے پوچھا: تو تین دن سے کیوں نہیں آئی، اب تم ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلو۔ خاوند نے پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ وہ کہنے لگی: یہ سب میرے رشتہ دار ہیں، اور اگر یہ مجھے یہاں سے لے کر چلے گئے تو پھر مجھے واپس نہیں آنے دیں گے، اس لیے تو کوئی ایسا معاملہ کر کہ میں نہ جا سکوں۔ اس نے کہا: میں کیسے روکوں؟ عورت نے جواب دیا: اب تو ان سے یہ کہہ دے کہ اگر یہ اس گھر سے باہر نکلی تو اس کو طلاق ہو جائے گی، اس لیے کہ جب ان کو ڈر ہو گا تو پھر وہ مجھے لے کر نہیں جائیں گے۔

چنانچہ خاوند نے کمرے سے باہر آکر ان سب کو کہہ دیا: اگر یہ اس گھر سے باہر نکلے گی تو اس کو طلاق ہو جائے گی۔ جب رشتہ داروں نے یہ سنا تو وہ کہنے لگے: اچھا! ایسی بات ہے......لہٰذا وہ اس کو لیے بغیر واپس چلے گئے۔ جب وہ واپس چلے گئے تو خاوند بڑا خوش ہوا کہ اب یہ میرے پاس رہے گی۔

خاوند تھوڑی دیر کے بعد دکان پر چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو بیوی بھی غائب اور سامان بھی غائب......وہ اپنا سامان لے کر گئی، مرد کا نہیں......اس نے جا کر پتہ کیا کہ کیا ہوا؟

اس وقت اس کو پتہ چلا کہ اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے دی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ کسی حیلے کے ساتھ دوبارہ میرا اس کے ساتھ نکاح ہو سکے۔ چنانچہ اس نے حیلے کے طور پر دوسرے مرد سے نکاح کیا اور پھر اس کو خود ترکیب بھی بتائی اور اس کی ترکیب کے مطابق جب خاوند نے اسے یہ کہا کہ اگر تو گھر سے نکلے گی تو تجھے طلاق ہو جائے گی، تو خاوند کے دکان پر جانے کے بعد وہ گھر سے نکل گئی، جس سے طلاق واقع ہوگئی اور اس طرح وہ اپنے پہلے خاوند کے لیے جائز ہوگئی۔

ناجائز حیلہ اختیار کرنا حرام ہے:

یہاں پر ایک نکتہ سمجھیے!......جائز مقصد حاصل کرنے کے لیے جائز حیلہ اختیار کر سکتے ہیں، لیکن اگر حکمِ خدا کو توڑنے کے لیے یا حکمِ شریعت کو موڑنے کے لیے حیلہ کیا جائے تو پھر ایسا حیلہ اختیار کرنا حرام ہوگا۔ اس کی بھی مثالیں سن لیجیے:

⊙......ایک بندہ اس نیت سے سفر کرے کہ جی رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھنے پڑیں گے، اس لیے کہ مسافر کو اجازت ہے، تو روزے نہ رکھنے کے لیے ایسا حیلہ کرنا ناجائز ہے۔

◎...... یا ایسا حیلہ کرے کہ ابھی سال پورا نہ ہو کہ اپنا مال بیوی کے نام کر دے، تاکہ زکوٰۃ ادا نہ کرنی پڑے، یہ حرام ہوگا۔

◎...... بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ہفتہ کے دن مچھلیاں نہیں پکڑ سکتے۔ اب حکم خدا تو یہ تھا کہ تم مچھلیاں نہ پکڑو، مگر انہوں نے حیلہ کیا کہ ہفتے کے دن ان کو تالاب میں الگ کر لیتے تھے اور اتوار کے دن پکڑ لیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے منشائے خداوندی کو پورا کرنے کے بجائے اپنی منشا کو مقدم کیا، لہٰذا ان کا حیلہ غلط تھا۔ اس لیے اس حکم کی خلاف ورزی پر اللہ نے ان پر عذاب بھیج دیا۔

چنانچہ مقصود سمجھ لیں کہ حرام کام سے بچنے کے لیے اور جائز کام کو کرنے کے لیے اگر کوئی حیلے کی صورت اختیار کرنی پڑے، تو وہ جائز حیلہ کہلائے گا اور اگر کسی حرام کام کو کرنے کے لیے کوئی ترتیب بنائے گا تو وہ حرام حیلہ کہلائے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حیلے کی شرعی حیثیت:

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے جو حیلہ کیا وہ سو فیصد درست تھا۔ اللہ رب العزت نے خود ان کے ذہن میں یہ بات ڈالی تھی کہ اس طرح سے تم اپنے بھائی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے مطابق اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اشارۂ خداوندی کے مطابق یہ ترتیب بنائی کہ خود اپنا پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے غلے میں رکھوا دیا اور پھر برآمد کرنے کے بعد اسے اپنے پاس رکھ لیا۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا
يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا
شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٧٨﴾
قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ
اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ
اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ
قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ
اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ
فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا
كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ
الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ
جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى
عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾
قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ
تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ

إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ يَٰبَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَايْـَٔسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَايْـَٔسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٧﴾

[(بہر حال) وہ بھائی بولے: ''اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے تو (کچھ تعجب نہیں، کیونکہ) اس کا ایک بھائی اس سے پہلے بھی چوری کر چکا ہے۔'' ''اس پر یوسف نے ان پر ظاہر کیے بغیر چپکے سے (دل میں) کہا: ''تم تو اس معاملے میں کہیں زیادہ برے ہو، اور جو بیان تم دے رہے ہو، اللہ اس کی حقیقت خوب جانتا ہے۔'' (اب) وہ کہنے لگے: ''اے عزیز! اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے، اس لیے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیجیے، ہم آپ کو ان لوگوں میں سے سمجھتے ہیں جو احسان کرتے ہیں۔'' یوسف نے کہا: ''اس (ناانصافی) سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے، اس کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یقینی طور پر ہم ظالم ہوں گے۔'' چنانچہ جب وہ یوسف سے مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ ان سب میں جو بڑا تھا، اس نے کہا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر عہد لیا تھا، اور اس سے پہلے یوسف کے معاملے میں جو قصور کر چکے ہو، (وہ بھی معلوم ہے)۔ لہٰذا میں تو اس ملک سے اس وقت تک نہیں ٹلوں گا جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں، یا اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرما دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ جاؤ، اپنے والد کے پاس واپس جاؤ، اور

ان سے کہو: ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کر لی تھی، اور ہم نے وہی بات کہی ہے جو ہمارے علم میں آئی ہے، اور غیب کی نگہبانی تو ہمارے بس میں نہیں تھی۔ اور جس بستی میں ہم تھے اس سے پوچھ لیجیے، اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں، اس سے تحقیق کر لیجیے، یہ بالکل پکی بات ہے کہ ہم سچے ہیں۔'' (چنانچہ یہ بھائی یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے اور ان سے وہی بات کہی جو بڑے بھائی نے سکھائی تھی یعقوب علیہ السلام نے یہ سن کر) کہا: ''نہیں، بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنا لی ہے، اب تو میرے لیے صبر ہی بہتر ہے، کچھ بعید نہیں کہ اللہ میرے پاس ان سب کو لے آئے۔ بے شک اس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ہے۔'' اور (یہ کہہ کر) انہوں نے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے: ''ہائے یوسف!'' اور ان کی دونوں آنکھیں صدمے سے (روتے ہوئے) سفید پڑ گئی تھیں، اور وہ دل ہی دل میں گھٹے جاتے تھے۔ ان کے بیٹے کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! آپ یوسف کو یاد کرنا نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ بالکل گھل کر رہ جائیں گے، یا ہلاک ہو بیٹھیں گے۔'' یعقوب نے کہا: ''میں اپنے رنج و غم کی فریاد (تم سے نہیں) صرف اللہ سے کرتا ہوں، اور اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا کچھ سراغ لگاؤ، اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقین جانو، اللہ کی رحمت سے وہی ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔'']

فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ

''اس کا ایک بھائی اس سے پہلے بھی چوری کر چکا ہے''

چوری کے الزام پر اخوانِ یوسف کا بیان:

حضرت یوسف علیہ السلام کے باقی بھائیوں نے بنیامین پر چوری کا الزام لگنے پر اپنے دامن کو صاف بچالیا کہ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، اگر اس نے چوری کی ہے تو اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں، اس لیے کہ اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی یہ کام کیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کے الزام کی حقیقت:

بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام کیوں لگایا؟ اس بارے میں مفسرین نے تین واقعات لکھے ہیں۔

﴿۱﴾...... جب حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹے تھے، اس وقت ان کے نانا ایک بت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت یوسف علیہ السلام کو موقع ملا اور وہ اس بت کو اٹھا کر کہیں لے کر چلے گئے اور انہوں نے جا کر توڑ دیا۔ یہ گویا ان کے اوپر چوری کا الزام لگا۔

﴿۲﴾...... حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی سائل دروازے پر آتا تھا تو وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ خالی ہاتھ واپس جائے۔ چنانچہ وہ دستر خوان پر کوئی روٹی کا ٹکڑا، یا کوئی اور چیز پڑی دیکھتے تھے تو وہ اٹھا کر اس سائل کو دے دیتے تھے۔ بھائیوں نے بغیر اجازت کے روٹی اٹھا کر دینے کو بھی چوری میں شمار کرلیا۔

﴿۳﴾...... جب آپ علیہ السلام کی والدہ فوت ہوگئیں تو آپ اپنی پھوپھی کے پاس پرورش پانے لگے۔ اب پھوپھی بھی دل دے بیٹھیں اور وہ چاہتی تھیں کہ یہ مجھ سے دور نہ ہو۔ چنانچہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں واپس لینا چاہا تو پھوپھی نے ایک پٹکا

حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں میں پیچھے کی طرف اڑس دیا اور بعد میں کہا کہ میرا کپڑا چوری ہو گیا ہے، جب تلاشی لی گئی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے نکل آیا۔ اس زمانے کا قانون یہ تھا کہ جو چوری کرتا تھا اس کو وہ بندہ لے سکتا تھا۔ چنانچہ پھوپھی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس وقت تک اپنے پاس رکھا جب تک وہ زندہ رہیں۔

ان تین واقعات کی وجہ سے بھائیوں نے چوری کا الزام لگایا۔ حالانکہ یہ چوری تو نہ تھی۔ چور تو وہ خود تھے جنہوں نے زندہ بھائی کو غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ بلکہ یہ تو چوری سے بھی بڑھ کر ڈاکہ تھا۔ مگر الٹا بھائی پر الزام لگا دیا۔

فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ فِىۡ نَفۡسِهٖ

''یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا''

حضرت یوسف علیہ السلام کی حوصلہ مندی:

یہ جو وقت ہوتا ہے کہ انسان نے گناہ بھی نہ کیا اور الزام بھی لگ جائے، یہ بہت دکھ دینے والی بات ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بات سن کر کتنا غم ہوا ہوگا۔ مگر ان کا ظرف بڑا تھا، ان کا دل بہت بڑا تھا۔ بات کرنے کا موقع تو تھا مگر صبر کر کے اس بات کو برداشت کیا اور تحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

فائدہ 60

تحمل مزاجی کے بغیر کوئی بڑا نہیں بن سکتا

جتنی بھی بڑی شخصیات ہوتی ہیں، تحمل مزاجی ان کی زندگی کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی بندہ بڑا نہیں بن پاتا۔ بردباری اور حوصلہ مندی انتہائی ضروری

ہیں، اس بات کو جاننے کے باوجود کہ بھائی جھوٹی بات کر رہے ہیں ،حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ تو بھائیوں کو ملامت کی اور نہ ہی اصل بات ظاہر کی۔یعنی اپنے آپ پر کنٹرول رکھا، بے قابو نہیں ہوئے۔

ہمیں اپنے گھروں میں بھی کئی مرتبہ ایسے معاملات پیش آجاتے ہیں کہ ایک بات کرنے کا موقع بھی ہوتا ہے مگر آدمی فائدے کی خاطر حکمت کی بنا پر اس کو اپنے اوپر برداشت کرلیتا ہے۔اس کو کہتے ہیں: قہر درویش بر جان درویش۔

فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ

''اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیجیے''

حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب:

جب بھائیوں نے کہا کہ اس سے پہلے اس (بنیامین) کا بھائی بھی چوری کا مرتکب ہوا تھا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: بھئی! چوری تو ایک نے کی ہے اور تم دوسرے بھائی کا تذکرہ کر رہے ہو کہ اس نے بھی چوری کی ہے، اس سے لگتا تو یہ ہے کہ کہیں چوری تمہارا خاندانی پیشہ ہی نہ ہو۔یعنی ایک نے تو میرے سامنے چوری کی اور دوسرے کی بات آپ لوگ بتا رہے ہیں، کہیں آپ سب بھائی چوری کرنے والے تو نہیں ہیں۔چنانچہ فرمایا کہ اب تو میں تمہارے اس بھائی کو نہیں چھوڑوں گا۔

بھائیوں کا منت سماجت کرنا:

وہ جواب میں کہنے لگے: نہیں! آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیں۔اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ جس بندے نے چوری کی ہے سزا بھی

اسی کو ملنی چاہیے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرے پر تو نہیں ڈالا جا سکتا۔ دنیا میں بھی یہی دستور ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾

''اور کسی کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا''

یعنی ہر بندے کا بوجھ اس کے اپنے سر کے اوپر ہوگا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی جگہ کسی دوسرے بھائی کو اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا اور صاف فرما دیا کہ ہم یہ ظلم کیوں کریں، جس نے چوری کی ہے سزا بھی اسی کو ملنی چاہیے۔ وہ منت سماجت کرتے رہے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنی بات پر قائم رہے اور بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔

قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا

''ان سب میں جو بڑا تھا، اس نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ......''

احساسِ ذمہ داری:

چونکہ بڑے آدمی کے اندر احساسِ ذمہ داری زیادہ ہوتا ہے اس لیے ان میں سے بڑے بھائی نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور باقی بھائیوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ اور والد صاحب کو جا کر بتاؤ۔ چنانچہ باقی سب بھائی واپس چلے گئے۔

احساسِ ندامت:

اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ بڑے بھائی کی یہ بات یہ نشاندہی کر رہی ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا، اس کی کچھ نہ کچھ ندامت ضرور تھی۔ اس وقت تو انہوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا اور کھوٹے سکوں کے بدلے

بیچ بھی دیا تھا، مگر اب وہ اس بات کو دوہرانا نہیں چاہتے تھے کہ ہم والد کے سامنے پھر شرمندہ ہوں، اس لیے بڑا بھائی وہاں جم کر بیٹھ گیا کہ میں یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ تو بڑے بھائی کا یہ کہنا کہ میں یہاں سے نہیں ہلوں گا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے اس پہلے والے عمل پر اندر ہی اندر ندامت محسوس کیا کرتے تھے۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ

''اب تو میرے لیے صبر ہی بہتر ہے''

حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر:

جب انہوں نے آکر اپنے والد کو یہ بات بتائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب میں صبر ہی کرتا ہوں۔

صدمے کو ایسا برداشت کرنا کہ اس میں شکوہ نہ ہو ''صبر جمیل'' کہلاتا ہے۔ بندہ زبان سے کچھ نہ بولے۔ ہاں! اگر آنکھ سے آنسو ٹپک پڑیں تو وہ صبر کے منافی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ

اِنَّ الْبُكَاءَ لَايُنَا فِي الصَّبْرَ

''رونا صبر کے منافی نہیں ہے''

کیونکہ رونا انسان کے بس میں ہی نہیں ہوتا۔

صبر کرنے پر اجر و ثواب:

صبر کرنے پر انسان کو اجر بہت ملتا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ جو مقدر میں ہے وہ تو پیش آنا ہی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

((مَنْ مَلَاَ قَلْبَهٗ مِنَ الرِّضَا بِالْقَدْرِ مَلَاَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ غِنًى وَّ اَمْنًا وَّ

قِنَاعَةً وَّ فَرَّغَ قَلْبَهُ لِمَحَبَّتِهٖ وَالْاِنَابَةِ اِلَيْهِ وَ التَّوَكُّلِ عَلَيْهِ وَ مَنْ فَاتَهُ حَظُّهُ مِنَ الرِّضَا اِمْتَلَاَ قَلْبُهُ بِضِدِّ ذَالِكَ وَ اشْتَغَلَ عَمَّا فِيْهِ سَعَادَتُهُ وَ فَلَاحُهُ))

''جوشخص اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو غنا، امن وسکون اور قناعت سے بھر دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اپنی محبت انابت اور توکل کے لیے فارغ کر لیتے ہیں۔ اور وہ شخص جو رضا میں سے اپنا حصہ کھو بیٹھتا ہے (یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آنے والے حالات پر ناراض ہوتا ہے اور بے چینی کا اظہار کرتا ہے) اللہ تعالیٰ اس کے الٹ کیفیات اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں اور اس کو ایسے کاموں میں مشغول کر دیتے ہیں جن میں اس کی سعادت اور فلاح نہیں ہوتی''

اچھا انسان وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آنے والے نامساعد حالات میں بھی صبر کرتا رہے۔ اور صبر سے کتنا اجر ملتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب اجر عطا فرمادیتے ہیں''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر کی ایک بہترین مثال قائم کر دی۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا

''کچھ بعید نہیں کہ اللہ میرے پاس ان سب کو لے آئے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کا پُرامید ہونا:

حضرت یعقوب علیہ السلام ان سب حالات کے باوجود مایوس نہیں تھے۔ چنانچہ فرمایا

کہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ان تمام بیٹوں کو واپس لوٹائیں گے۔ گویا ان کو یقین تھا کہ ابھی تک حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی، بنیامین بھی زندہ سلامت ہے اور تیسرا جو مرضی سے وہاں رہ گیا تھا، وہ بھی واپس آجائے گا۔

قَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ

''(یعقوب) کہنے لگے: ہائے یوسف''

مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ پڑھنا:

اس امت کو اللہ تعالیٰ نے بعض نعمتیں ایسی دی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملیں۔ جیسے: ......﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾...... یہ آیت پہلی امتوں کو عطا نہیں کی گئی۔ چنانچہ اس امت کو اگر کوئی صدمہ، مشکل یا کوئی مصیبت پیش آئے، یا کسی بندے کی وفات ہو جائے تو چاہیے کہ یہ آیت پڑھی جائے۔

چراغ بجھ جانے پر انا للہ پڑھنا:

ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس تشریف فرما ہیں۔ چراغ جل رہا ہے۔ ہوا کا جھونکا آیا اور چراغ بجھ گیا۔ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آیت تو اس وقت پڑھتے ہیں جب کوئی فوت ہو جاتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا: حمیرا! جب کوئی بندہ فوت ہو جائے تو اس وقت بھی اس کو پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اور مؤمن کا چراغ گل ہو جائے اور اس وقت بھی وہ یہ آیت پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر عطا فرما دیتے ہیں۔ اب اگر تیل کا چراغ بجھ جانے پر اتنا

ثواب ملتا ہے تو کسی عزیز کی زندگی کا چراغ بجھ جائے تو اس پر کتنا ثواب ملے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صاحبزادے کی موت کا غم:

دل کے اندر غم کا ہونا، یہ ایک فطری سی چیز ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دفن فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو تھے۔ پوچھنے والوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی رو رہے ہیں؟ فرمایا:

((اَلْقَلْبُ يَحْزُنُ وَ الْعَيْنُ تَدْمَعُ وَ اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَاإِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ))

”دل مغموم ہے، اور آنکھیں رو رہی ہیں، اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی کے اندر بڑے مغموم ہیں“

نواسے کی موت کا غم:

حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک نواسے (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور صاحب زادی کے بیٹے) بیمار ہو گئے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس اس وقت پہنچے جب نزع کی حالت تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نزع کی حالت میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں سے آنسو آ گئے۔

دو گھونٹ:

اللہ رب العزت کو دو گھونٹ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ ایک غصے کا گھونٹ پی جانا اور ایک صبر کا گھونٹ پی جانا۔ جس بندے کو یہ دو نعمتیں مل جائیں وہ سمجھ لے کہ اللہ رب العزت نے مجھے بہت بڑی نعمت عطا فرما دی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اظہارِ غم:

حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کو جدا ہوئے تقریباً چالیس سال گزر چکے تھے۔گویا انہوں نے چالیس سال تک غم برداشت کیا۔اور چالیس سال کے بعد زبان سے صرف اتنا کہا ﴿یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ﴾ یہ ان کے صبر کی ایک بہترین مثال ہے۔

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ

''اوران کی دونوں آنکھیں صدمے سے (روتے ہوئے) سفید پڑ گئی تھیں''

حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کا سفید ہونا:

حضرت یعقوب علیہ السلام اس بات پر اتنے غم زدہ ہوئے کہ ان کی دونوں آنکھیں روتے روتے سفید ہوگئی تھیں۔جیسے جب سفید موتیا آنکھوں پر آجاتا ہے تو نظر آنا بند ہو جاتا ہے ایسے ہی رورو کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر گویا موتیا آ گیا تھا۔ اتنے روئے تھے کہ بینائی چلی گئی تھی۔

مسلسل چالیس سال رونے کی وجہ:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیٹے کی جدائی صدمے کی بات تو ہے لیکن اتنا صدمہ کہ والد چالیس سال تک روتے رہے، حالانکہ والد بھی شان والے اللہ کے نبی تھے۔اور رونے کی بھی انتہا کر دی کہ آنکھیں ہی سفید ہوگئیں ۔یہ تو بہت ہی عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی علما نے تحقیق کی ہے ۔سب سے بہترین تحقیق امام ربانی مجدد الف

ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر عام بیٹوں میں سے کوئی بیٹا ہوتا تو اس حد تک ان کے والد نہ روتے۔ کیونکہ بیٹے فوت بھی ہو جاتے ہیں، گم بھی ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے انسان چھ مہینے، سال دو سال غمزدہ بھی رہتا ہے اور بالآخر بھول جاتا ہے۔ مگر حضرت یعقوب علیہ السلام تو چالیس سال تک نان سٹاپ (مسلسل) روتے رہے۔

اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے جنت کی قسم کا حسن دیا تھا۔ یعنی جنتی حسن کا کچھ حصہ دے دیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کو دیکھنے والی عورتوں نے کہا تھا:

﴿مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾

یہاں مَلَكٌ كَرِيْمٌ کا لفظ بتا رہا ہے کہ وہ کوئی عام حُسن نہیں تھا، بلکہ کوئی انوکھی چیز تھی۔

اس کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام یہ بھی جانتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ایک نعمت کو بھی حاصل کرے گا کہ اللہ تعالیٰ میرے اس بیٹے کو بھی اس کے آباء کی طرح نبوت سے سرفراز فرمائیں گے۔ اس لیے اس بیٹے کا اپنے سے دور ہو جانا شاق گزر رہا تھا اور وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ نعمت مجھ سے دور ہو گئی ہے۔ تو اللہ کی اس نعمت کے دور ہونے کی وجہ سے اتنے غمزدہ ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں۔

جہاں محبت، وہاں حزن:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں محبت ہوتی ہے، وہاں حزن بھی ہوتا ہی ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾

اور غارِ ثور میں فرمایا:

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾

''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے''

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

''میں اپنے رنج اور غم کی فریاد (تم سے نہیں) صرف اللہ سے کرتا ہوں''

رنج وغم کی فریاد اللہ کے سامنے

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے صدمے کی وجہ سے روتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی ختم ہوگئی تو بیٹے ان سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ تو یوسف کو یاد کرنا کبھی نہیں چھوڑیں گے، بلکہ لگتا یہ ہے کہ اس کی یاد میں گھل گھل کر آپ جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ ان کی یہ بات سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے اس رنج وغم کی فریاد تم سے تو نہیں کر رہا، میں تو اللہ سے فریاد کر رہا ہوں۔

واقعی! صبر کرنے والے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ اپنے دل کا غم اپنے پروردگار کے سامنے ہی بیان کرتے ہیں۔

فائدہ 61

جب بھی اللہ کو کسی نے پکارا، اللہ نے مقصود عطا کیا

ایک بات ذہن میں رکھنا کہ جب بھی کسی نے اللہ تعالیٰ کو پکارا، یا اللہ تعالیٰ نے کسی کو پکارا تو ہمیشہ اس کو مقصود حاصل ہوا، اس نے راحت پائی اور اسے کامیابی

حاصل ہوئی۔

مثال کے طور پر:

○......اللہ تعالیٰ حضرت ابرہیم علیہ السلام کو پکارتے ہیں:

﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ﴾

دیکھیں! یہاں اللہ تعالیٰ ندا دے رہے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں سے کامیاب بھی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾

○......حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ﴾

○......حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں:

﴿وَزَكَرِيَّا اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾

پھر اللہ رب العزت نے ان کو بیٹا عطا فرمایا۔

○......بی بی مریم کو ندا آئی:

﴿فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا اَلَّا تَحْزَنِيْ﴾

پھر کیا ہوا؟ بی بی مریم کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی عورتوں سے چن لیا۔

○...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا﴾

آگے فرمایا:

﴿وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ ہمیں تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑنا چاہیے۔

نماز میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رونا:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب اس آیت کو پڑھتے تھے تو وہ رو پڑتے تھے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے:

اَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ قَرَاَ فِیْ صَلَاۃِ الْفَجْرِ سُوْرَۃُ یُوْسُفَ فَلَمَّا جَاءَ اِلٰی قَوْلِہٖ وَ عَلَا: ﴿اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ﴾ صَارَ لَہٗ نَشِیْجٌ یُسْمَعُ مِنْ خَلْفِ الصُّفُوْفِ

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز میں سورۂ یوسف تلاوت کی۔ جب وہ اس آیت ﴿اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیٓ اِلَی اللّٰہِ﴾ پر پہنچے تو اس وقت ان کے رونے کی آواز سنی''

گویا انہوں نے بھی اپنے حال کو اللہ کے سامنے پیش کیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اظہارِ غم:

ایک مرتبہ منافقین نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا اور جگہ جگہ اس کا چرچا کر دیا۔ اس وقت آپ اپنے والد کے گھر تشریف لے آئیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ روایت میں آیا ہے کہ

خَرَجَ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰی اَتٰی مَنْزِلَ اَبِیْ بَکْرٍ ،فَدَخَلَ عَلَیْھَا فَقَالَ: ((یَا عَائِشَۃُ اِنْ کُنْتِ فَعَلْتِ ھٰذَا الْاَمْرَ فَقُوْلِی لِیْ حَتّٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لَکَ)) فَقَالَتْ وَ اللّٰہِ لَا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْہُ اَبَدًا اِنْ کُنْتُ قَدْ فَعَلْتُہُ فَلَا غَفَرَ اللّٰہُ لِیْ ،وَمَا اَجِدُ مَثَلِیْ وَ مَثَلَکُمْ اِلَّا مِثْلَ اَبِیْ یُوْسُفَ، اَذْھَبُ اِسْمَ یَعْقُوْبَ مِنَ الْاَسَفِ قَالَ ﴿اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْ

اِلَى اللّٰهِ﴾

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر فرمایا: ''اے عائشہ! اگر تم سے گناہ ہو گیا ہے تو مجھے بتا دو میں تمہارے لیے اللہ سے استغفار کرتا ہوں'' انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں اس گناہ سے کبھی بھی استغفار نہیں کروں گی۔ اگر میں نے یہ گناہ کیا ہے تو اللہ مجھے کبھی معاف نہ فرمائے۔ (اس لیے کہ کیا جو نہیں تھا) میں اپنی اور آپ کی مثال یہی پاتی ہوں جیسے یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا، (وہ فرماتی ہیں کہ) میں اس وقت غم کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام کا نام بھی بھول گئی تھی، انہوں نے فرمایا: ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾

فائدہ 62

اللہ کے آگے رونا دھونا صبر کے منافی نہیں

یہ بات یاد رکھیں کہ جو بندہ اللہ کے سامنے اپنا حال بیان کرتا ہے وہ بے صبرا نہیں کہلاتا...... اس کی کیا وجہ ہے؟...... وہ بے صبرا تب کہلائے گا جب وہ اپنا حال مخلوق کے سامنے بیان کرے گا۔ اللہ رب العزت تو پسند کرتے ہیں کہ بندہ اس کے سامنے اپنے حالات کو بیان کرے اور روئے دھوئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ بندے کو خوش دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، اسی طرح کبھی اس کا رونا بھی پسند فرماتے ہیں۔ اس لیے جس بندے نے اللہ کے سامنے اپنا حال بیان کیا وہ بے صبرا نہیں کہلائے گا۔

دیکھیں! حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ رب العزت سے شکوہ بھی کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں، ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ رب العزت ان

کو ﴿فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ﴾ کا خطاب بھی دے رہے ہیں۔

یہی حال سیدنا ایوب علیہ السلام کا ہوا۔ انہوں نے اللہ رب العزت کے سامنے اپنی بیماری بیان کی اور اللہ سے دعا مانگی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا وَجَدۡنٰهُ صَابِرًا نِعۡمَ الۡعَبۡدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾

یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے حالات کو پیش کرنا، صبر کے منافی نہیں ہے۔ صبر کے منافی تب ہوتا ہے جب خالق کے بجائے انسان مخلوق کے سامنے بیان کرے۔

پسندیدہ کون؟

خواجہ عبیداللہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

اَلۡفَقِيۡرُ الصَّابِرُ اَفۡضَلُ اَمِ الۡغَنِيُّ الشَّاكِرُ ؟

''صبر کرنے والا فقیر افضل ہے یا شکر ادا کرنے والا غنی؟

انہوں نے جواب دیا:

بَلۡ اَلۡفَقِيۡرُ الشَّاكِيۡ

''بلکہ جو فقیر بھی ہو اور اللہ سے ہی اس کا شکوہ کرے''

یعنی جو فقیر اللہ سے اپنے احوال بیان کرے وہ زیادہ افضل ہوتا ہے بہ نسبت اس غنی کے جو شکر ادا کرنے والا ہو۔ اس لیے کہ یہ جو فقیر ہوتا ہے اور پھر اللہ کے سامنے شکوے بیان کرتا ہے، اس کے دل سے فریاد نکل رہی ہوتی ہے۔ ویسے بھی غم میں بندے کی توجہ زیادہ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ چونکہ اس کی زیادہ توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والا اور اللہ کے سامنے اپنا شکوہ کرنیوالا فقیر اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہوتا ہے۔

دو طرح کے شکوے:

شکوے دو طرح کے ہوتے ہیں۔

(۱)......شِکْوٰی اِلَی اللّٰہِ

’’اللہ کے سامنے انسان کا شکوہ‘‘ ...... یہ محمود ہے۔

(۲)......شِکْوٰی مِنَ اللّٰہِ

’’مخلوق کے سامنے اللہ کا شکوہ‘‘ ...... یہ مذموم بلکہ کفر ہے۔

آج کل مخلوق کے سامنے اللہ کے شکوے سننے میں آتے ہیں۔ دراصل ہماری طبیعتیں اتنی بے صبری ہوگئی ہیں، ہم اتنے نازنخرے کے پلے ہوئے بن گئے ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں پر اپنے رب کے شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

ایک عورت کی سرزنش:

ایک مرتبہ کسی عورت نے فون کیا۔ اس نے دعاؤں کے لیے کہا۔ پھر وہ کہنے لگی: جی! آپ میرے لیے دعا کر دیں، میں نے تو دعا کرنی چھوڑ دی ہے۔ میں نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگی: میں نے بڑی دعائیں کی ہیں، بس وہ نہیں سنتا۔ میں نے اسے کہا: سنو! خاوند میں اور خدا میں فرق ہوتا ہے۔ تم نازنخرے کی ماری ہوئی عورتیں ہر ایک کو خاوند کی طرح ڈیل کرنا شروع کر دیتی ہو کہ میں ناراض ہو جاؤں گی تو وہ مجھے منانے آئے گا۔ میں نے کہا: یہ اللہ کی بارگاہ ہے، تم کیسی بات کر رہی ہو کہ تم نے دعائیں مانگنی ہی چھوڑ دی ہیں، تم تو اپنے ایمان کی خیر مناؤ۔ چنانچہ جب میں نے اس کو اس طرح سمجھایا تو پھر اس کو بات سمجھ میں آئی اور کہنے لگی: ہاں! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا: دو چار دفعہ، یا ایک مہینہ دعا مانگ لی تو کیا اب نخرے میں آجانا

چاہیے کہ اب ہم نے دعا ہی نہیں مانگنی۔ ایسے نخرے خاوند کے ساتھ چلتے ہیں، اللہ کے ساتھ نہیں چلتے۔ پھر میں نے اس کو سمجھایا کہ بندوں کے سامنے اللہ رب العزت کے شکوے کرنا، یہ اللہ رب العزت کو بہت ناپسند ہے۔

ایک دیہاتی عورت کا ایمان:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک بوڑھی عورت سے ملا۔ وہ دیہات کی تھی اور اس کے پاس بالکل علم نہیں تھا۔ میں نے پوچھا: کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگی:

''زیادہ کہوں گی تو وہ ناراض ہو جائے گا''۔

یعنی اس دیہاتی عورت کو بھی پتہ تھا کہ اگر میں نے اپنے حالات کسی مخلوق کو بتائے تو یہ اللہ کا شکوہ بنے گا، کہیں اللہ مجھ سے ناراض ہی نہ ہو جائے...... اندازہ کریں کہ ایک دیہاتی عورت کا ایمان اتنا پختہ تھا......!

فائدہ 63

غمِ جدائی دور کرنے کا نسخہ

یہ ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ والی آیت چند صورتوں میں بہت مؤثر ہے۔ مثال کے طور پر:

(۱)...... بعض اوقات ماں باپ کا بیٹا بدکردار ہو کر گھر سے چلا جاتا ہے، یا شادی ہونے کے بعد ماں باپ کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ ماں باپ کی طرف بالکل رجوع ہی نہیں کرتا۔ اس کی وجہ سے وہ بڑے غمزدہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں اگر ماں اس آیت کو پڑھے: ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ تو جیسے اس آیت کے پڑھنے

پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملا دیا تھا، ایسے ہی اللہ تعالیٰ اس ماں کو بھی اس کے اپنے یوسف (بیٹے) سے ملا دے گا۔

(۲)...... بعض اوقات خاوند ناراض ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بیویاں پوچھتی ہیں: حضرت! لوگوں نے میرے خاوند کو غلط فہمی ڈال دی، ساس نے کان بھر دیے، نند نے شکایت لگا دی، اور خاوند نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ گویا ایسی کوئی بھی صورت حال جس میں خاوند اپنی بیوی سے ناراض ہے، بات نہیں کرتا، ملاقات نہیں کرتا، ریسپانڈ نہیں کرتا اور وہ پریشان ہے کہ میں اس کو کیسے مناؤں، اس کے لیے یہ آیت بالکل ریمیڈی (علاج) کی مانند ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ عورت دو رکعت نفل پڑھے، پھر چند دفعہ یہ آیت پڑھ کر اللہ سے دعا مانگے۔ وہ اس دعا میں یہ بھی کہے:

''اے اللہ! مجھ سے بھی تو میرا یوسف جدا ہے، مجھے بھی میرے یوسف سے ملا دیجیے۔''

اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے خاوند کو اس سے راضی کر دیں گے۔ ہم نے اپنی زندگی میں سینکڑوں لوگوں کو یہ عمل بتایا، بلکہ ہزاروں کو بتایا اور اللہ رب العزت نے سب کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرما دیا۔ ہم نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ اس دعا کی برکت سے میاں بیوی میں صلح ہو جاتی ہے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ

''میرے بیٹو! جاؤ، اور یوسف اور اس کے بھائی کا کچھ سراغ لگاؤ''

تجسس اور تحسس میں فرق:

ایک ہوتا ہے تجسس اور ایک ہوتا ہے تحسس۔ دونوں میں فرق ہے۔ تجسس کہتے ہیں برائیوں کی تلاش کو۔ اس سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَلَا تَجَسَّسُوْا ''اور تم لوگوں کی برائیاں مت ڈھونڈو'' اور تَحَسُّس کا مطلب ہے، کسی معاملے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔ اس کی اجازت ہوتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے یہی فرمایا کہ جاؤ، اور اپنے بھائیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ

''اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو''

مایوسی کفر ہے:

مومن بندے کو اپنی زندگی میں اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ دل کے اندر ہمیشہ امید رہنی چاہیے۔ یہ جو کہتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے، وہ اسی آیت کی وجہ سے کہتے ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی معاملہ ہو تو انسان کبھی بھی یہ نہ سوچے کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے در سے امید رکھے۔ پھر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمادیں گے اور بندے کی مشکل دور فرمادیں گے۔

بھائیوں کی تیسری مرتبہ آمد:

حضرت یعقوب علیہ السلام کی یہ بات سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تیسری مرتبہ پھر آئے۔ اس دفعہ کی ملاقات کا نقشہ قرآن مجید نے یوں کھینچا ہے:

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ
وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ
وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا
يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ
وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ
اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ
عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

[جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے (یوسف سے) کہا: ''اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر سخت مصیبت پڑی ہوئی ہے، اور ہم ایک معمولی سی پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں پورا غلہ دے دیجیے، اور اللہ کے لیے ہم پر احسان کر دیجیے۔ یقیناً اللہ اپنی خاطر احسان کرنے والوں کو بڑا اجر عطا فرماتا ہے'' یوسف نے کہا: ''تمہیں کچھ پتہ ہے کہ تم جب جہالت میں مبتلا تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ (اس پر) وہ بول اٹھے: ارے! کیا تم ہی یوسف ہو؟'' یوسف نے کہا: ''میں یوسف ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا'' انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! اللہ نے تم کو ہم پر ترجیح دی ہے، اور ہم یقیناً خطا کار تھے''۔ یوسف بولے'' آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی، اللہ تمہیں معاف

کرے، وہ سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“]

وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ

”اور اللہ کے لیے ہم پر احسان کر دیجیے، یقیناً اللہ اپنی خاطر احسان کرنے والوں کو بڑا اجر عطا فرماتا ہے“

بھائیوں پر رحم آنا:

جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی حالت سنائی اور کہا: ہم پر صدقہ و خیرات کر دیجیے، تو حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کی حالتِ زار پر بہت ترس آیا کہ یہ بھی تو نبی زادے ہیں، یہ بھی تو میرے ہی باپ کے بیٹے ہیں، آج ان کو اللہ نے کس مقام پر کھڑا کیا کہ یہ مجھ سے بھیک مانگ رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تنگ دستی نے ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو بے حال کر دیا ہے اور ہمارے پاس پیسے بھی پورے نہیں ہیں، ہمیں وزن بھی پورا دے دیں اور ہمارے اوپر صدقہ خیرات کر دیں۔

مَا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ

”تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“

بھائیوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کا تعارف:

جب بھائیوں نے اپنی حالت زار بیان کی تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اس وقت کیا کیا، جب تم لاعلم تھے۔ وہ تو یہ بات سن کر ہی حیران رہ گئے۔ وہ تو یہی سمجھتے تھے کہ یہ عزیز مصر ہے اور بادشاہ ہے۔ چنانچہ وہ ان کی زبان سے یوسف کا نام سن کر تڑپ گئے

اور کہنے لگے:

﴿أَئِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ﴾ ''ارے! کیا تم ہی یوسف ہو''؟

تب حضرت یوسف علیہ السلام نے بات کھولی:

﴿قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي﴾

''فرمایا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی (بنیامین) ہے''

یہاں ایک نکتہ سمجھیں...... حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھائیوں کے برتاؤ کا غم تو تھا، اس لیے یہ نہیں کہا: اَنْتُمْ اِخْوَانٌ ''تم بھائی ہو'' بلکہ فرمایا: هٰذَا اَخِی ''یہ میرا بھائی ہے''

مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ

''جو شخص تقوای اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''

اللہ کی فرمانبرداری پر عزتوں کا فیصلہ:

یہاں ایک نکتے کی بات بتا دی کہ جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور حالات پر صبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے کو کبھی Let down نہیں ہونے دیتے، اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس بندے کو عزتوں سے نوازتے ہیں۔

گویا حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو واضح لفظوں میں بتا دیا کہ دیکھو! تم نے گناہ کا راستہ اختیار کیا تو تمہیں اللہ نے آج فرش پر کھڑا کیا ہے اور مجھے اللہ نے نیکی پر جمے رہنے کی توفیق دی، تو مجھے اللہ نے آج عرش (تخت) کے اوپر بٹھا دیا۔

ہر دور اور ہر زمانے میں یہی دستور ہے کہ جو بندہ گناہ کے راستے پر چل پڑتا ہے تو اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اللہ اس کو فرش پہ لے آتے ہیں اور جو بندہ نیکی کے راستے

پر جمار ہتا ہے اللہ اس کو تخت وتاج عطا فرما دیتے ہیں۔اسے دنیا کی عزتیں بھی دیتے ہیں اور آخرت کی عزتیں بھی دیتے ہیں۔

پوری سورت کا نچوڑ:

یہ آیت اس پوری سورت کا لب لباب اور نچوڑ ہے۔یہی سمجھانا مقصد تھا کہ دیکھیں! یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا کیا اور اس کا انجام کیا ہوا، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا کیا اور اس کا انجام کیا ہوا۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

"آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی"

بھائیوں کا اعترافِ جرم اور حضرت یوسف علیہ السلام کا معاف کرنا:

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات کھول دی تو بھائی کہنے لگے: اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ہم واقعی خطا کار تھے۔یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے فوراً کہا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں، یعنی آج تم پر کوئی الزام نہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عفو در گزر:

دیکھیں! یہ رأفت اور رحمت مومن کی شان ہوتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کو دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

☆......اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف کر دیا

☆......اپنے چچا کے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا

☆......حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو جن لوگوں نے تکلیف پہنچائی، ان لوگوں کو بھی

معاف کر دیا۔ اللہ اکبر

◎...... یہ حیران کن بات ہے کہ ایک بندہ تلوار پکڑ کر کھڑا ہے اور کہتا ہے:

مَنْ يَّعْصِمُكَ مِنِّيْ يَا مُحَمَّد ؟

''اے محمد! آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ''۔ جب آپ ﷺ نے ''اللہ'' کہا، تو اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلوار اٹھا کر فرمایا: اب تمہیں کون مجھ سے بچائے گا؟ اب وہ منتیں کرنے لگا کہ آپ تو بڑے کریم ہیں، بڑے اچھے ہیں۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے اس جانی دشمن کو بھی معاف فرما دیا۔ پڑھ کر حیران ہوتے ہیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ کتنا جلدی معاف فرما دیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جو بندہ دنیا میں اپنے بھائی کی غلطی کو جلدی معاف کر دے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیوں کو جلدی معاف فرما دیں گے۔

◎......ایک اور حدیث پاک توجہ کے ساتھ سن لیجیے...... ذمہ داری کے ساتھ عرض کر رہا ہوں...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''اگر کوئی بندہ کسی سے اپنی غلطی کی معافی مانگے اور دوسرا بندہ اس کو معاف نہ کرے تو یہ معاف نہ کرنے والا قیامت کے دن حوضِ کوثر پر میرے سامنے حاضر نہ ہو۔''

ہم نے دیکھا کہ کئی مرد اور کئی عورتیں اپنے دل میں بہت رنجش پالتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں کی رنجش زندگی بھر چلتی رہتی ہے، سالوں چلتی رہتی ہے، حالانکہ یہ مومن کی شان کے خلاف ہے، آخر سب انسان ہیں، خطا کسی سے بھی ہو سکتی ہے، چنانچہ دل سے غصے اور رنجش کو نکال دینا چاہیے۔

◎...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''میں جب رات کو سونے لگتا ہوں تو اپنے سینے کو کینے سے خالی کر لیتا ہوں، یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت پر عمل کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''

⊙......فتح مکہ کے دن بھی یہی ہوا تھا کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مطاف کے اندر حجر اسود کے سامنے تشریف فرما ہوئے تو اس وقت کفار مکہ آئے اور انہوں نے آ کر معافی مانگی۔ اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی فرمایا میں وہی کہوں گا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾

بلکہ فتح مکہ سے پہلے ایک موقع پر ابوسفیان راستے میں پکڑے گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں مسلمان ہو جاؤں، مگر وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آنے سے ڈرتے بھی تھے کہ کئی جنگوں کی وجہ میں ہی بنا تھا اور میں کئی مقابلوں میں سردار بن کے آیا تھا، اب جب میں معافی مانگنے کے لیے جاؤں گا تو پتہ نہیں کہ کیا حکم ہوگا۔ رشتہ داری بھی تھی۔

چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور پوچھا: اب آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ انہوں نے کہا: آپ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں اور جا کر آپ نبی علیہ السلام کے سامنے وہی الفاظ کہیں جو اخوانِ یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے کہے تھے۔

﴿لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ﴾

چنانچہ ابوسفیان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور آ کر انہوں نے یہی الفاظ کہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فوراً فرما دیا: ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ ''آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔'' اللہ اکبر کبیرًا

بھائیوں کی کسمپرسی کی حالت سن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک تو ان کو فوراً معاف کر دیا اور ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ کا مژدۂ جانفزا سنایا، اور دوسرا ان کو دعا دیتے ہوئے کہا: ﴿يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ''اللہ تمہیں معاف کرے''

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ
وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ
اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿٩٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ
لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿٩٥﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى
وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا
خٰطِئِيْنَ ﴿٩٧﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٩٨﴾

[''میری یہ قمیص لے جاؤ، اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ اور اپنے سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ'' اور جب یہ قافلہ (مصر سے کنعان کی طرف) روانہ ہوا تو ان کے والد نے (کنعان میں آس پاس کے لوگوں سے) کہا: ''اگر تم مجھے یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے، تو مجھے تو یوسف کی خوشبو آرہی ہے'' لوگوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! آپ ابھی تک اپنی پرانی غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔'' پھر جب خوشخبری دینے والا پہنچ گیا تو اس نے (یوسف کی) قمیص ان کے منہ پر ڈال دی، اور فوراً ان کی بینائی واپس آگئی۔ انہوں نے (اپنے بیٹوں سے) کہا: ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔'' وہ کہنے لگے: ''ابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا فرمائیے، ہم یقیناً بڑے خطا کار تھے۔'' یعقوب نے کہا: ''میں

عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کروں گا۔ بے شک وہی ہے
جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔"]

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا

"میری یہ قمیص لے جاؤ"

فائدہ 64

جو سبب غم کا، وہی سبب خوشی کا بنتا ہے

یہاں سمجھنے کے قابل ایک نکتہ یہ ہے کہ جب انسان کو کسی سبب سے کوئی مصیبت ملے، تنگی ملے، پریشانی ملے، مگر وہ شریعت کے اوپر جما رہے، تو اللہ رب العزت اسی سبب سے اس بندے کو خوشی عطا فرماتے ہیں۔ یہ عادۃ اللہ ہے، یہ اللہ رب العزت کی سنت ہے۔ جو سبب انسان کے غم کا بنتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی سبب کو انسان کی خوشی کا سبب بنا دیتے ہیں۔ اس کی مثالیں بھی سن لیجیے:

◉ ...... حضرت یعقوب علیہ السلام کو غم کیسے ملا تھا؟ جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ﴾ ۔ اور جھوٹا موٹا خون لگا کر کہنے لگے: یہ دیکھیں یوسف علیہ السلام کی قمیص۔ تو بیٹے کی قمیص کو دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو صدمہ ملا تھا۔ گویا اس صدمے کا سبب قمیص بنی۔

اب دیکھیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام چالیس سال تک فریاد کرتے رہے، مگر اب چالیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ ویسے ہی بینائی لوٹا دیتے، لیکن نہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھوں سے ان کی قمیص بھجوائی، کہ جو سبب ان کے غم کا بنا تھا، آج وہی ان

کے لیے خوشی کا سبب بن رہا ہے۔

⊙ ...... حضرت یوسف علیہ السلام کے غم کا سبب کیا بنا؟ خواب سبب بنا تھا۔ آپ نے خواب دیکھا تھا کہ مجھے چاند، سورج اور ستارے سجدہ کر رہے ہیں ...... اب انہوں نے خواب دیکھا، والد کو بیان کیا، پھر مشکل پیش آگئی۔ بہر حال خواب حضرت یوسف علیہ السلام کے غم کا سبب بنا۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے احکام پر جمے رہے، تقوی اور صبر پر ڈٹے رہے، بالآخر جب آپ علیہ السلام کو جیل میں ڈالا گیا، تو جیل سے نکل کر تخت پر بیٹھنے کا سبب کیا بن رہا ہے؟ وہ سبب بھی خواب بن رہا ہے۔ بادشاہ نے خواب دیکھا، حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتائی، اور پھر بادشاہ نے کہا: آؤ، تخت پر بیٹھو! میں تمام خزانے تمہارے حوالے کرتا ہوں۔

⊙ ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے بیٹے کو دریا میں ڈال رہی ہیں۔ ان کا دل بڑا پرغم ہے۔ ان کی والدہ کے دل کے غم کا سبب کیا بن رہا ہے؟ پانی بن رہا ہے۔ انہوں نے پانی کے اندر اپنے بیٹے کو ڈالا اور وہ غم کا سبب بنا۔ اور پھر دیکھیے کہ اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کو نجات کس سبب سے دی؟ فرعون اور اس کے لشکریوں کو کہاں غرق کیا؟ ...... بھئی! زمین میں بھی تو اللہ تعالیٰ دھنسا سکتے تھے نا ...... آسمان سے بجلی بھی گرا سکتے تھے ...... پروردگارِ عالم تو کچھ بھی کر سکتے تھے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو سبب غم کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی کو خوشی کا سبب بنا دیتے ہیں ...... اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی اور ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون اور اس کے لشکر کو پانی کے اندر غرق فرما دیا۔

فائدہ 65

جو سبب خوشی کا، وہی سبب غم کا بن جاتا ہے

ایک اور نکتہ بھی سمجھ لیجیے!......اگر انسان کو خوشی ملے اور پھر وہ اس پر ناز کرے تو جس سبب سے وہ خوش ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی کو اس کے لیے غم کا سبب بنا دیتے ہیں ۔اس کی مثال بھی سن لیجیے۔فرعون نے بڑا بول بولا تھا۔اس نے کہا تھا:

﴿اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَ هٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ﴾

کتنا مان تھا اس کو، اس نے کہا: دیکھو! یہ دریا جو بہہ رہے ہیں، یہ میرے حکم سے بہہ رہے ہیں۔......اس کو دریاؤں پہ بڑا ناز تھا۔تو جس سبب کے اوپر اس نے ناز کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو موت کس سبب سے دی؟ اسی پانی میں ڈبو کر دی۔

مسبب الاسباب کو راضی کر لیں:

یہ بھی یاد رکھیں کہ اسباب کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے، مسبب الاسباب کو راضی کرنے کی ضرورت ہے۔اگر اس کو راضی کر لیں گے تو وہ غم کے نقشوں سے خوشی کو نکال کر دکھا دیں گے اور اگر اس کو ناراض کریں گے تو وہ خوشی کے نقشوں سے انسان کے لیے غم کو نکال کر دکھا دیں گے۔وہ پروردگار ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ﴾ ہے۔وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔وہ نفع کے نقشوں سے نقصان نکال دیتا ہے اور نقصان کے نقشوں سے نفع نکال دیتا ہے۔

ایک حیران کن تجربہ:

ایک دفعہ نفع نقصان کا تجربہ ہمیں بھی ہوا۔وہ اس طرح کہ ہمارے کچھ بچوں نے

زمین پر بکھیرے کاشت کردیے۔ان میں پانچ چھ ایکڑ تو بڑے وقت پہ لگ گئے۔لیکن دو ایکڑ ایسے تھے جہاں پہلے چاول لگے ہوئے تھے اور پانی زیادہ لگا ہوا تھا۔وہاں کی زمین خشک ہی نہیں ہو رہی تھی۔فصل بھی لگانی تھی۔وہ روزانہ میرے پاس آ کر کہتے: حضرت! دعا کریں، وہ خشک ہو جائے۔دعا کریں، وہ خشک ہو جائے۔ہم دعا بھی کرتے رہے، مگر ہوا وہی جو اللہ کو منظور تھا۔خیر! انہوں نے اس زمین میں بھی بیج ڈال دیے۔

جب ایک مہینہ گزرا تو ان چھ ایکڑز پر لگائی ہوئی فصل اتنی اچھی تھی کہ دیکھ کر دل خوش ہوتا تھا۔جبکہ دوسرے دو ایکڑ میں پودے تو نکل آئے مگر اتنے کمزور جیسے کوئی ٹی بی کا مریض ہوتا ہے۔اب سارے بچے اس کو دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے کہ یہ فصل اچھی نہیں ہوگی۔میں نے انہیں سمجھایا کہ محنت ہمارے ذمے ہے اور آگے کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔اچھا! وہ چھ ایکڑ والی فصل جو بندہ بھی دیکھتا تو وہ کہتا: کیا بات ہے، ہم نے تو پورے پنجاب میں ایسی فصل نہیں دیکھی۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ جس فصل پر ہمیں زیادہ بھروسہ تھا کہ ادھر سے بڑا فائدہ ہو گا، جب اس کی پیداوار نکلنے کا وقت آیا تو اس وقت منڈی کی اندر بھاؤ ہی نہیں تھا۔ چنانچہ اس چھ ایکڑ زمین میں سے اتنی زیادہ آمدنی نہ ہوئی۔

جب اس چھ ایکڑ کی فصل ختم ہونا شروع ہوئی تو ادھر سے دو ایکڑ والے کمزور سے پودے بڑھنا شروع ہو گئے۔وہ تقریباً ڈیڑھ مہینہ تاخیر سے بڑھے۔پھر ان کی فصل ایسے وقت میں آئی جب مارکیٹ میں کھیرا تھا ہی نہیں۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس وقت ہمیں پانچ گنا اس کی قیمت ملی، چنانچہ ان دو ایکڑز نے ہمیں چھ ایکڑز سے زیادہ فائدہ دیا۔

میں نے کہا: بچو! اب بات سمجھ میں آئی کہ اللہ تعالیٰ نفع کے نقشوں سے نقصان نکال دیتا ہے اور نقصان کے نقشوں سے نفع نکال دیتا ہے۔ بس اللہ کی ذات پر ہمارا یقین ہونا چاہیے۔

دین پر ثابت قدم رہنے کا نتیجہ:

انسان کو چاہیے کہ وہ خلاف شریعت کوئی عمل نہ کرے۔ کیونکہ اس سے اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ آج یہی تو مسئلہ ہے کہ وقتی فائدوں کو دیکھ کر

......ملاوٹ کرلی

......رشوت لے لی

......سود پہ کام کرلیا

......ذخیرہ اندوزی کرلی

......دوسروں کو دھوکا دے لیا

یعنی اللہ رب العزت کے احکام کو بڑے مزے سے توڑ دیتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ ان کے سر پر جوں ہی نہیں رینگتی۔ جب اللہ تعالیٰ ہی ناراض ہو جائیں گے تو بتاؤ کہ بندے کو کون سا کنارا ملے گا۔ اس لیے یہ اصولی بات یاد رکھیں کہ انسان حکمِ خدا پر جما رہے، تنگی ہو یا آسانی ہو، خوشی ہو یا غمی ہو، شریعت کے احکام پر ہمیشہ استقامت کا مظاہرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ استقامت کے ساتھ عمل کرنے والے بندے کو کبھی بھی رسوا نہیں ہونے دیتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

''ہمارے ذمے ہے مدد اپنے رسولوں کی، اور ایمان والوں کی'' اس دنیا کی

زندگی میں''

یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے ہی سہی، ﴿وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾، لیکن ہم اس دنیا میں بھی مدد کریں گے۔

اپنے سب شکوے پروردگار کے سامنے کریں:

جب اللہ رب العزت اتنی محبت فرما رہے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے در کے اوپر بیٹھے رہیں، جمے رہیں، اور اللہ ہی سے مانگتے رہیں۔ ہر بندے کے سامنے یہ شکوہ کرنا بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ

......میری بیٹی بیمار ہے

......میری بیٹی کا رشتہ نہیں آرہا

......میرے بیٹے کو نوکری نہیں مل رہی

......میری ساس مجھ سے اچھا سلوک نہیں کر رہی

......میری بہن مجھے دل سے اچھا نہیں جانتی

ایسے شکوے مخلوق کے سامنے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بھئی! شکوہ اپنے رب کے سامنے تہجد کے وقت دعا میں کیا کریں۔ باقی! جب کوئی پوچھے: کیا حال ہے؟ تو اس کو ہمیشہ کہے:

......میں اپنے اللہ سے بہت خوش ہوں

......میں اپنے اللہ سے بہت راضی ہوں

......میرے اللہ نے مجھے میری اوقات سے بہت بڑھ کر دیا ہے۔

بھئی! بات تو یہ حقیقت ہے کہ ہم پر اللہ کا بہت زیادہ کرم ہے۔

فَأَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِيْ يَأْتِ بَصِيْرًا

''اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی''

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹ آنا:

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنے بھائیوں سے کہی: میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے والد کے چہرے پہ ڈال دینا، اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ چنانچہ جب وہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے اور آنکھوں پر لگائی گئی تو ان کی بینائی واپس آگئی۔

اہل اللہ کے استعمال کی چیزوں میں برکت:

یہاں سے پتہ چلا کہ جو چیزیں اہل اللہ کے استعمال میں ہوتی ہیں ان کے اندر برکات ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک تابوت کا ذکر ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾

یہ سکینہ کیا چیز ہے؟ اسی کا نام تو برکت ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ آلِ موسیٰ اور آل ہارون کی جو بچی ہوئی چیزیں تھیں وہ ایک صندوق میں بند تھیں، اسے فرشتے اٹھا کر لے آئے تھے اور اس کے اندر سکینہ (برکت) تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے وجود ایسے برکت والے ہوتے ہیں کہ جن چیزوں کو وہ استعمال کر لیتے ہیں وہ بھی برکت والی بن جاتی ہیں۔

نبیٔ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی برکات

آیئے اس کی مثالیں اللہ کے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مبارک زندگی میں دیکھیے جو سراپا برکت تھے۔آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہر ہر چیز میں برکت تھی۔

وضو کے پانی کی برکات:

جب اللہ کے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وضو فرماتے تو صحابہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُم آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وضو کا پانی زمین پہ نہیں گرنے دیتے تھے، بلکہ وہ اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور پھر اسے اپنے چہرے پہ مل لیتے اور باقی جسم پر مل لیتے تھے۔چنانچہ ایک روایت میں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ لِفَرْطِ حِرْصِهِمْ عَلَى التَّبَرُّكِ بِمَا مَسَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَدَنِهِ الشَّرِيْفِ وَ كَانَ مَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْ وَّضُوْئِهٖ يَأْخُذُ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ

صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم سمجھتے تھے کہ یہ پانی محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مبارک بدن سے لگ کر آیا ہے۔لہٰذا وہ اس کو لینے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر کوشش فرماتے تھے۔

لعابِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی برکات:

حدیث پاک میں ہے کہ جب نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام تھوک پھینکتے تھے تو صحابہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُم اس کو بھی ہاتھوں میں لے لیا کرتے تھے۔چنانچہ روایت میں ہے کہ

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْصُقُ بُصَاقًا وَ لَا يَتَنَخَّمُ نُخَامَةً اِلَّا تَلَقَّوْهَا، وَ اَخَذُوْهَا مِنَ الْهَوَاءِ، وَ وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ، فَدَلَكُوْا بِهَا وُجُوْهَهُمْ وَ اَجْسَادَهُمْ، وَ مَسَحُوْا بِهَا جُلُوْدَهُمْ وَ اَعْضَاءَ

هُمْ تبرُّكًا بِهَا وَ كَانَ يَتفُلُ فِي اَفْوَاهِ الْاَطْفَال ، وَ يَمُجُّ رِيقَهٗ فِي الْاَيَادِئ ، وَ كَانَ يَمْضَغُ الطَّعَامَ فَيَمُجُّهٗ فِي فَمِ الشَّخْصِ ، وَ كَانَ الصَّحَابَةِ يَاْتُوْنَ بِاَطْفَالِهِمْ لِيُحَنِّكَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ رِجَاءَ الْبَرَكَةِ

صحابیات رضی اللہ عنہن بھی بچوں کو لے کر آتی تھیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان بچوں کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا کرتے تھے۔ بسا اوقات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نوالہ اپنے منہ میں ڈالتے تھے، اسے چباتے تھے اور اسے نکال کر کسی بندے کو کھانے کے لیے دے دیتے تھے، اس سے اس بندے کو بھی اس کی برکت حاصل ہو جاتی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت بہت ہی نڈر قسم کی تھی۔ وہ مردوں سے بات کرنے سے نہیں شرماتی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانا کھا رہے ہیں۔ وہ قریب آ کر کہتی ہے اکیلے اکیلے کھا رہے ہیں اور ہمیں پوچھتے ہی نہیں۔ اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے جو روٹی تھی اس کا ٹکڑا پیش کیا اور فرمایا کہ تم بھی روٹی کھا لو۔ وہ کہنے لگی: جی! نہیں، میں یہ نہیں کھاؤں گی، آپ جو لقمہ چبا رہے ہیں، میں اسے کھاؤں گی۔ چنانچہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہ لقمہ دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چبا رہے تھے۔ اس لقمہ کو کھانے کے بعد اس عورت پر حیا اتنی غالب آئی کہ اتنی حیا دوسری عورتوں میں نظر نہیں آتی تھی۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا لقمہ تھا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک خون کی برکات:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک خون کی برکت سنیے:

عبدِ اللهِ بْنِ زُبَيْرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَ هُوَ يَحْتَجِمُ ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ اذْهَبْ بِهٰذَا الدَّمِ فَاهْرِقْهُ حَيْثُ لَا يَرَاكَ اَحَدٌ فَشَرِبَهٗ ، فَلَمَّا رَجَعَ ، قَالَ :يَا عَبْدَ اللهِ اِذْهَبْ بِهٰذَا الدَّمِ

فَاهْرِقْهُ حَيْثُ لَا يَرَاكَ اَحَدٌ فَشَرِبَهُ ، فَلَمَّا رَجَعَ ، قَالَ :يَا عَبْدَاللّٰهِ مَا صَنَعْتَ ؟ قَالَ :جَعَلْتُهُ فِي اَخْفَى مَكَانٍ عَلِمْتُ اَنَّهُ مَخْفِيٌّ عَنِ النَّاسِ ، قَالَ :لَعَلَّكَ شَرِبْتَهُ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ قَالَ :وَيْلٌ لِلنَّاسِ مِنْكَ ، وَ وَيْلٌ لَكَ مِنَ النَّاسِ ، فَكَانُوا يَرَوْنَ اَنَّ الْقُوَّةَ الَّتِي بِهٖ مِنْ ذَالِكَ الدَّمِ ، وَ فِي رِوَايَةٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ ((مَنْ خَالَطَ دَمُهُ دَمِي لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ))

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پچھنے لگوا رہے تھے۔ اس سے نبی علیہ السلام کے مبارک بدن سے خون نکلا۔ جب آپ ﷺ پچھنے لگوا کر فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عبداللہ! اس خون کو لے جاؤ اور کسی ایسی پوشیدہ جگہ میں ڈال دو جہاں سے کوئی بندہ اسے دیکھ نہ سکے۔ وہ لے کر گئے اور جا کر انہوں نے اس خون کو پی لیا۔ جب وہ لوٹ کر واپس آئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: اے عبداللہ! تو نے اس خون کا کیا کیا؟ کہنے لگے: اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے اسے ایسی مخفی جگہ پر ڈال دیا ہے کہ کسی کو اس کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: لگتا ہے کہ تو نے اس کو پی لیا ہے۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا: بس! اب انسانوں کی مصیبت تیری وجہ سے اور تیری مصیبت انسانوں کی وجہ سے۔ (اصل میں ان کی موت لڑائی کے دوران آنی تھی۔ کچھ لوگوں کو انہوں نے قتل کرنا تھا اور کچھ لوگوں نے ان کو شہید کرنا تھا، یہاں اس کی طرف اشارہ فرمایا)۔ اب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اندر عام لوگوں کی نسبت جو بہت زیادہ طاقت آ گئی تھی، وہ اسی خون کی برکت تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو فرمایا: میرا خون جس کے خون کے ساتھ مل گیا اس کو جہنم کی آگ نہیں جلا سکتی۔

مُوئے مبارک کی برکات:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موئے مبارک کی برکات بھی عجیب ہیں۔ایک روایت میں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُوَزِّعُ شَعْرَهُ بَيْنَ الصَّحَابَةِ عِنْدَ مَا يَحْلِقُ رَأْسَهُ الشَّرِيْفَ ،وَ كَانَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمْ يَحْرِصُوْنَ عَلٰى اَنْ يُحَصِّلُوْا شَيْئًا مِنْ شَعْرِهِ ﷺ وَ يُحَافِظُوْنَ عَلٰى مَا يَصِلُ اِلٰى اَيْدِيْهِمْ مِنْهُ لِلتَّبَرُّكِ بِهٖ

''جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حلق کرواتے تھے تو پھر آپ ﷺ اپنے موئے مبارک کو صحابہ میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات پر حریص ہوتے تھے کہ انہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موئے مبارک مل جائیں۔وہ پھر ان کی حفاظت کیا کرتے تھے اور ان سے برکت بھی حاصل کیا کرتے تھے''

حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلق کروایا تو آپ ﷺ نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: میرے یہ بال صحابہ میں تقسیم کر دو۔چنانچہ کسی صحابی کو ایک بال ملا اور کسی کو دو ملے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھی وہ بال ملے۔انہوں نے ان کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے ان بالوں کو اپنی ٹوپی کے اندر سی لیا تھا۔وہ فرماتے ہیں: یہ ٹوپی کر کے میں جب بھی جہاد میں جاتا تھا اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ فتح عطا فرما دیتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ یرموک کے دن ان کی وہ ٹوپی گم ہوگئی۔ جب انہوں نے اپنی ٹوپی ڈھونڈی تو وہ انہیں مل گئی اور انہوں نے کہا: آپ ﷺ کا حلق ہو رہا تھا، جب آپ ﷺ کی پیشانی کے قریب کے بال اترے تو میں نے آگے بڑھ کر تبرک کے طور پر لے لیے تھے۔لہٰذا اب ان کو اپنے پاس رکھنے سے اللہ کی برکت اور رحمت

میرے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔

بچے ہوئے پانی اور کھانے کی برکات:

اللہ کے حبیب ﷺ کے بچے ہوئے کھانے کی برکات کے بارے میں سنیے۔ آپ ﷺ کا بچا ہوا پانی پینے میں اور آپ ﷺ کا بچا ہوا کھانا لے کر کھانے میں صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ ﷺ پانی پیتے تو بچا ہوا پانی اپنی دائیں طرف والے صحابی کو دے دیتے تھے۔ ایک موقع پر بائیں طرف بڑے حضرات بیٹھے تھے اور دائیں طرف ایک بچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر اس وقت کیا ہوا؟

فَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَ عَنْ يَمِيْنِهٖ غُلَامٌ ، وَ عَنْ يَسَارِهِ الْاَشْيَاخُ ،فَقَالَ لِلْغُلَامِ اَتَاْذَنُ لِيْ اَنْ اُعْطِيَ هٰؤُلَآءِ ؟فَقَالَ الْغُلَامُ وَ هُوَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اُوْثِرُ بِنَصِيْبِيْ مِنْكَ اَحَدًا، فَتَلَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ يَدِهٖ

”سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے پانی پیا۔ اس وقت آپ ﷺ کی دائیں طرف ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا اور بائیں طرف شیوخ تھے۔ نبی ﷺ نے اس لڑکے سے کہا:...... کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے کہ میں یہ پانی ان بڑے لوگوں کو دے دوں؟ لڑکے نے کہا:...... وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے...... اے اللہ کے حبیب! اللہ کی قسم! آپ کی بچی ہوئی چیز کے معاملے میں میں اپنے اوپر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ بچا ہوا پانی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا“

ایک اور بات بھی سن لیجیے:

وَ عَنْ عَمِيْرَةَ بِنْتِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: اَنَّهَا دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم هِيَ وَ اَخَوَاتُهَا يُبَايِعْنَهُ، وَ هُنَّ خَمْسٌ، فَوَجَدَتْهُ يَاكُلُ قَدِيْدَةً فَمَضَغَ لَهُنَّ قَدِيْدَةً ثُمَّ نَاوَلَنِيْ الْقَدِيْدَةَ، فَمَضَغْتُهَا كُلُّ وَاحِدَةٍ قِطْعَةً قِطْعَةً، فَلَقِيْنَ اللّٰهَ وَ مَا وُجِدَ لِاَفْوَاهِهِنَّ خُلُوْفٌ

''عمیرہ بنت مسعود رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ وہ اور ان کی بہنیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہ پانچ تھیں۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خشک گوشت کھاتے ہوئے پایا۔ وہ خشک گوشت جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام چبا رہے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دے دیا۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم سب نے وہ تھوڑا تھوڑا کھا لیا۔ وہ بوڑھی ہو کر فوت ہو گئیں مگر ان کے منہ سے کبھی بدبو نہیں آیا کرتی تھی''

ناخن مبارک کی برکات:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناخن مبارک میں بھی برکت ہوتی تھی۔ ایک روایت میں ہے:

ثَبَتَ اَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم قَلَّمَ اَظَافِرَهٗ وَ قَسَمَهَا بَيْنَ النَّاسِ لِلتَّبَرُّكِ بِهَا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ناخن مبارک کاٹتے تھے اور پھر ان کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے تاکہ ان کو برکت حاصل ہو جائے''

لباس مبارک کی برکات:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک لباس کے اندر بھی برکت تھی۔ ایک روایت میں ہے:

اَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ كَانُوْا يَحْرِصُوْنَ عَلَى اقْتِنَاءِ

مَلَابِسِهٖ وَ اَوَانِيْهِ لِلتَّبَرُّكِ بِهَا وَالِاسْتِشْفَاءِ
''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استعمال والے کپڑوں سے اور برتنوں سے برکت حاصل کرنے میں اور شفا حاصل کرنے میں حریص ہوتے تھے''

چنانچہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں:

اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةً طَيَالِسَةً وَ قَالَتْ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى يُسْتَشْفٰى بِهَا

''ان کے پاس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک جبہ تھا۔ انہوں نے وہ نکالا اور فرمانے لگیں: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جبہ پہنا تھا۔ ہم اس کپڑے کو پانی میں ڈبو دیتی ہیں اور وہ پانی مریضوں کو پلاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ مریضوں کو شفا عطا فرما دیتے ہیں''

لمسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جس چیز کو چھو لیتے تھے اس چیز میں بھی برکت آ جاتی تھی۔ اس کی چند مثالیں سن لیجیے:

⊙ ......سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی آزادی کے لیے ان کے مالک نے یہ شرط رکھی کہ تم اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتے جب تک تمہاری لگائی ہوئی تین سو کھجوریں پھل نہیں دیں گی اور جب تک تم چالیس اوقیہ سونا نہیں دو گے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ شرط نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آ کر بتائی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: وہ جو شرط لگاتا ہے طے کر لو۔ چنانچہ وہ طے کر کے آ گئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتا دیا۔

اس کے بعد ایک آدمی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدمت میں آیا اور اس نے سونے کا ایک ٹکڑا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ ٹکڑا لے کر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دے

دیا اور فرمایا: سلمان! جاؤ اور یہ اپنے مالک کو دے دو اور اس کو کہو کہ وہ اسے تول لے۔ چنانچہ وہ سونے کا ٹکڑا لے کر گئے اور یہودی مالک کو دیا۔ وہ دیکھنے میں چھوٹا تھا مگر جب وزن کیا تو پورا چالیس اوقیہ تھا۔ یہودی نے دو تین دفعہ اس کا وزن کیا۔ پھر وہ مطمئن ہو گیا کہ اس کا وزن تو پورا ہے۔

پھر اس کے دل کو اس بات سے تسلی ہوئی کہ ابھی تو تین سو کھجوریں پیدا ہوں گی، پھر پھل دیں گی، اور کھجوریں تو پھل دینے میں بھی کئی سال لگا دیتی ہیں، اس لیے کئی سال تک تو اِدھر اُدھر کہیں نہیں جا سکتا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم پودے تیار رکھنا، میں آکر ان کو لگاؤں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کے تین سو میں سے دو سو ننانوے پودے لگائے اور ان سب پودوں نے اسی سال پھل دینا شروع کر دیا۔ ایک پودے نے پھل نہ دیا۔ اس کے بارے میں پتہ چلا کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے وہ پودا خود براہ راست لگا دیا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پودا اور لگایا اور پورے تین سو پودوں نے پھل دے دیا۔ اللہ اکبر!

⊙......ایک صحابی کہتے ہیں: میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں گیا۔ ان کے ہاں کھانا کھایا۔ اس کے بعد ان کی باندی میرے لیے ایک تولیہ لے کر آئی۔ وہ تولیہ ذرا میلا سا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جب وہ تولیہ دیکھا تو انہوں نے اس کو ڈانٹا اور کہا: اتنا میلا تولیہ لے کر آئی ہے؟ وہ کہنے لگی: جی! آپ تھوڑی دیر انتظار کریں، میں ابھی آتی ہوں۔ تنور جل رہا تھا۔ وہ بھاگ کر گئی اور اس نے جا کر وہ تولیہ تنور کے اندر ڈال دیا۔ جب تھوڑی دیر کے بعد اس تولیے کو تنور سے نکالا تو وہ بالکل صاف ستھرا تھا۔ چنانچہ وہ گرم گرم تولیہ میرے پاس لائی اور کہنے لگی: جی! اب آپ اپنے ہاتھ صاف کر لیں۔ میں نے ہاتھ صاف کر لیے اور ساتھ یہ بھی پوچھا کہ مجھے بتاؤ کہ یہ کیا معاملہ ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا: ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے گھر دعوت پر تشریف لائے تھے۔ میں نے اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہی تولیہ پیش کیا تھا۔ جب سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تولیے سے ہاتھ صاف فرمائے، آگ نے اس تولیے کو جلانا چھوڑ دیا، چنانچہ جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم اسے آگ میں ڈال دیتے ہیں، آگ میل کچیل کو کھالیتی ہے اور صاف ستھرا تولیہ ہم باہر نکال لیتے ہیں۔

◎......ایک مرتبہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا روٹیاں پکا رہی تھیں۔ اسی وقت اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ! میں بھی روٹی لگاؤں گا۔ انہوں نے کہا: جی! لگائیں۔ چنانچہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی لگائی۔ اب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حیران ہیں کہ سب روٹیاں پک گئی ہیں اور ایک روٹی ایسی ہے جو پکتی ہی نہیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ایک روٹی نہیں پک رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چونکہ اس آٹے کو میرا ہاتھ لگ چکا ہے اس لیے آگ اس کے اوپر اثر ہی نہیں کر سکتی۔

◎......ایک روایت میں ہے:

كَانَ يُؤتَى اِلَيْهِ صلى الله عليه وسلم بِالْمَرْضٰى وَ اَصْحَابَ الْعَاهَاتِ وَ الْمَجَانِيْنِ فَيَمْسَحُ عَلَيْهِم بِيَدِهِ الشَّرِيْفَةِ صلى الله عليه وسلم فَيَزُوْلَ مَا بِهِمْ مِنْ مَرَضٍ وَ جُنُوْنَ وَعَاهَةٍ

”نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کئی آسیب زدہ اور پاگل لوگوں کو لایا جاتا تھا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو اپنے ہاتھوں نے مس کر دیتے تھے۔ اس سے ان کا مرض، پاگل پن اور آسیب کا اثر جاتا رہتا تھا۔“

◎......ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے گھر میں تشریف لائے۔ آپ

ﷺ نے ایک مصلے پر نماز پڑھی۔ اس کے بعد میں اس مصلے پر نماز پڑھا کرتا تھا اور برکت حاصل کیا کرتا تھا۔

◉......ایک اور صحابی بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور آپ ﷺ نے میرے بدن کے ایک حصے کو پکڑا...... جیسے بازو سے پکڑ لیتے ہیں...... وہ کہتے ہیں کہ اس پکڑ لینے سے میرے جسم کے اس حصے میں برکت آ گئی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بیمار آدمی آتا تھا اور میں اس کو جسم کے اس حصے سے ٹچ کروا دیتا تھا تو اس کی بیماری دور ہو جاتی تھی......اللہ اکبر کبیرا...... جیسے پارس ہوتا ہے کہ وہ پتھر کو بھی سونا بنا دیتا ہے، اسی طرح اللہ کے حبیب ﷺ بھی پارس کی مانند تھے۔ آپ ﷺ سراپا برکت تھے۔

ایک سچے جانشین کی برکات:

جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استعمال کی چیزوں میں برکات ہوتی تھیں، بالکل اسی طرح کا معاملہ ان لوگوں کا بھی ہوتا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے جانشین ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں امتحان آنا تھا۔ اس سے پہلے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خواب دیکھا۔ اس کا لبِ لباب یہ تھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا کہ یہ خواب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بتا دو۔ جب وہ بشیر آیا تو انہوں نے اس بشارت کی وجہ سے اس کو اپنا جبہ دے دیا۔

جب وہ لوٹ کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو ان کو بتایا: جی! مجھے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خوشی میں جبہ دیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ اس میں میرے لیے بشارت ہے، اس لیے کہ میرا امتحان تو ہو گا مگر میں اس میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ یہ سن کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''بہت اچھا! جب تم اپنے پاس رکھو، اس کو پانی میں بھگو دو۔ ہم اس پانی کو برکت کے لیے نوش کر لیں گے''

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ پانی نوش فرمایا۔

وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ

''اور اپنے سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ''

حضرت یوسف علیہ السلام خود وطن کیوں نہ گئے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے سارے گھر والوں کو اپنے پاس لانے کے لیے اس لیے کہا تھا کہ انہوں نے پورے ملک کا انتظام سنبھالنا تھا۔ چنانچہ وہ خود ان کو لینے کے لیے اپنے وطن نہ جا سکے۔

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ

''مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے''

حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو:

جب مصر سے قافلہ چلا تو کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہنا شروع کر دیا: مجھے تو یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ یعنی ابھی بھائی حضرت یوسف علیہ السلام سے جدا ہو رہے ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام شام میں ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس وقت ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑے کی خوشبو کو محسوس کر لیا اور کہنے لگے کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے، اگر تم یہ نہ کہو کہ یہ تو بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔

فائدہ 66

کرامات صادر ہونے میں بندے کا اختیار نہیں

یہاں پر ایک نکتہ کی بات سمجھیے !......اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو کرامات صادر کروا دیتے ہیں اور جب نہیں کروانا چاہتے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ذرا غور کیجیے:

◉......حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈالا۔ اس کنویں میں وہ پوری رات بھی رہے اور دن کو بھی، مگر اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو خوشبو نہیں آئی۔ حالانکہ وہاں سے چند میلوں کا فاصلہ تھا، کنویں میں پوری رات پریشان بھی رہے دراصل اس وقت اللہ تعالیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی کنویں میں موجودگی کا علم نہیں دینا چاہتے تھے، اس لیے نہیں دیا۔ اور اب اللہ تعالیٰ علم دینا چاہتے ہیں تو دیکھو کہ ابھی سینکڑوں میل دور ہیں، وہاں سے ان کا کرتہ لے کر چلے ہی ہیں کہ ان کو وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگ گئی۔

◉......ایسا ہی واقعہ اس امت میں بھی پیش آیا۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کو سینکڑوں میل دور بیٹے کی خوشبو پہنچ گئی تھی تو اس امت میں سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: یَا سَارِیَةَ الْجَبَلْ اور ان کی آواز بھی سینکڑوں میل دور نہاوند میں پہنچ گئی تھی۔ اللہ رب العزت اس امت کو بھی یہ نعمت عطا فرما دیتے ہیں۔

یاد رکھیں! یہ جتنے بھی خرقِ عادت معاملات ہیں، ان میں بندے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، بلکہ ان میں اللہ پروردگار کا اختیار ہوتا ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں، اس قسم کے واقعات رونما کروا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں نہیں کرواتے، یہ مرضی میرے مولا کی ہوتی ہے۔

آج کل تو لوگ اس قسم کی ایک کرامت بیان کر کے کہتے ہیں: جی! ہمارے پیر تو

کیا، ان کی بلیاں بھی علم غیب جانتی ہیں۔ کیا بے وقوفی کی باتیں ہیں!......بھئی! علم غیب اللہ رب العزت کی صفت ہے، اللہ کے ساتھ خاص ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی چیز جتلانا چاہتے ہیں تو سینکڑوں میل دور سے بھی اس کی خوشبو پہنچا دیتے ہیں اور جب نہیں جتلانا چاہتے تو دو چار میلوں کے فاصلے پر بیٹا کنویں میں پڑا ہوتا ہے لیکن پتہ نہیں چلتا کہ بیٹا کہاں پر ہے؟

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اضطراب:

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کا پتہ چلا تو انہوں نے بیٹوں سے پوچھا: بتاؤ! تم نے یوسف کو کس حال میں پایا؟ انہوں نے کہا: ابا جان! وہ بادشاہ ہیں اور بڑی ناز ونعمت میں ہیں۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، میں پوچھ رہا ہوں کہ تم نے اس کو کس حال میں پایا؟ انہوں نے پھر کہا: جی! وہ بادشاہ ہیں۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کس دین پر تھے؟ چنانچہ بیٹوں نے عرض کیا: ابا جان! وہ دینِ اسلام پر تھے۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْاٰنَ تَمَّتْ نِعْمَةُ رَبِّیْ

''الحمد للہ! اب میرے رب کی نعمت میرے اوپر مکمل ہوگئی ہے''۔

یعنی بیٹے کی بادشاہت کی خبر سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام خوش نہیں ہوئے۔ بلکہ جب ان کو بتایا گیا کہ بیٹے دین اسلام پر زندگی گزار رہے ہیں، تو اب ان کو خوشی ہوئی کہ اب میرے رب کی نعمت میرے اوپر مکمل ہوگئی ہے کہ میرا بیٹا دین اسلام پر ہے۔

یہ باپ کے دل کا غم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نیکی پر دیکھے، اللہ کے رستے پر دیکھے۔ اسی فکر ہی کی وجہ سے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے

بیٹوں کو بلا کر پوچھا تھا:

﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ﴾

''میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے''

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ غم عطا فرما دے اور ہمیں بھی ساری زندگی دین اسلام کے ساتھ نتھی رہنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا

''اے ابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا فرمایئے''

طَلَبُ الْاِسْتِغْفَارِ مِنَ الْاَبِ

''والد سے استغفار کی درخواست کرنا''

فائدہ 67

ماں باپ کی دعائیں اولاد کے حق میں قبول ہوتی ہیں

اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ماں باپ کے اندر محبت ہوتی ہے، اخلاص ہوتا ہے، اور اس اخلاص کی برکت کی وجہ سے بچوں کے حق میں ان کی دعائیں جلدی قبول ہو جاتی ہیں۔ بھئی! جب کوئی دوست اپنے دوست کی پیٹھ پیچھے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی قبول فرما لیتے ہیں۔ اس لیے کہ پیٹھ پیچھے اخلاص سے دعا کر رہا ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھ سے فلاں گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! جی ہاں! میری والدہ زندہ ہیں۔ فرمایا: تم جاؤ اور اپنی والدہ سے جا کر دعا کے لیے کہو، وہ دعا کرے گی اور اللہ تعالیٰ تیرے اس گناہ کو معاف فرما دیں گے۔

دیکھیں! اللہ کے حبیب ﷺ یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ تمہارے لیے تمہارے والدین کے ہاتھ اٹھنا، یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔ وہ نوجوان کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں جن کے والدین تہجد میں ہر رات میں اپنی اولاد کے لیے دعا مانگتے ہیں۔ اس بات کی قدر کرنی چاہیے۔ ہم نے اپنی زندگی میں اپنے والدین کو جو دعا کرتے دیکھا، ہم آج تک ان کے احسان مند ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ان کا کوئی بدلہ نہیں چکا سکے۔ ہر ماں اپنے بچے کے بارے میں اچھا سوچتی ہے اور ہر باپ اچھا سوچتا ہے اور وہ اپنے بچوں کو کمال کی حد تک دیکھنا چاہتے ہیں۔

اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ

"ہم یقیناً بڑے خطا کار تھے"

اعترافِ خطا:

اس کو کہتے ہیں: اِعْتِرَا فُهُمْ بِالْخَطَاءِ یعنی انہوں نے یہ مان لیا کہ ان سے غلطی ہوئی تھی۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہوتی ہے کہ جو بندہ گناہ کر لے، وہ پھر مان بھی لے، اللہ کے سامنے وہ تسلیم بھی کر لے۔

سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَكُمۡ رَبِّیۡ

''میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کروں گا''

باپ سے استغفار کی درخواست:

جب بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لیے استغفار کرنا، تو جواب میں انہوں نے فرمایا: میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کروں گا۔

استغفار مؤخر کرنے کی وجہ:

یہاں پر علمائے کرام نے کافی تفصیل لکھی ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کروں گا، نقد دعا کیوں نہیں کردی؟

اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر:

☆......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّهٗ اَخَّرَ الۡاِسۡتِغۡفَارَ لَهُمۡ اِلَی السَّحَرِ

انہوں نے استغفار کو اس لیے مؤخر کیا کہ میں سحری کے وقت تہجد کے لیے اٹھوں گا اور اس وقت دعا کروں گا۔

☆......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِلٰی لَيۡلَةِ الۡجُمُعَةِ

ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ میں جمعرات کو دعا کروں گا، کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں۔

☆......بعض علما نے کہا:

سَوْفَ اِلٰی قِیَامِ اللَّیْلِ

''جب میں قیامِ لیل کروں گا، اس وقت میں تمہارے لیے استغفار کروں گا''

☆......ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اِلَی اللَّیَالِی الْبِیْضِ، فَاِنَّ الدُّعَاءَ فِیْهَا یُسْتَجَابُ

چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کی راتیں ایام بیض کی راتیں کہلاتی ہیں۔ دراصل وہ چاند کی روشنی کی وجہ سے روشن راتیں کہلاتی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ان راتوں میں دعا کروں گا، کیونکہ ان راتوں میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

☆......شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اَخَّرَهٗ حَتّٰی یَسْأَلَ یُوْسُفَ، فَاِنْ عَفَا عَنْهُمْ اِسْتَغْفَرَلَهُمْ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے دعا کو اس لیے مؤخر فرمایا کہ میری یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہو جائے اور میں پوچھ لوں، اگر یوسف علیہ السلام کا دل ان سے خوش ہوا اور اس نے ان کو معاف کر دیا تو میں بھی معاف کر دوں گا اور اللہ سے بھی ان کے لیے استغفار کروں گا۔

☆......بعض علماء کہتے ہیں:

اَخَّرَهُمْ لِیَعْلَمَ حَالَهُمْ فِی صِدْقِ التَّوْبَةِ وَ اِخْلَاصِهَا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے استغفار کو اس لیے مؤخر کیا کہ میں چند دنوں میں یہ دیکھ لوں کہ ان کی یہ توبہ پکی ہے اور ان کا حال ٹھیک ہے، تو پھر ان کے لیے میں دعا کر دوں گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا:

جب دعا کرنے کا وقت آیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ جَزَعِیْ عَلٰی یُوْسُفَ وَقِلَّۃَ صَبْرِیْ عَلَیْہِ وَاغْفِرْ لِاَوْلَادِیْ مَافَعَلُوْہُ فِیْ حَقِّ یُوْسُفَ

''اے اللہ! میں نے جو یوسف علیہ السلام کے لیے اتنا رونا دھونا کیا اس کو معاف کر دیں، اور میں نے اس پر بہت کم صبر کیا ہے (حالانکہ بہت زیادہ صبر کیا ہے)۔ اور اے اللہ! میری اولاد کو بھی معاف کر دے جو انہوں نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں معاملہ کیا۔''

قبولیتِ دعا کا مژدۂ جانفزا:

اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی:

قَدْ غَفَرْتُ لَکَ وَلَھُمْ اَجْمَعِیْنَ

''میں نے تمہیں بھی معاف کر دیا اور میں نے ان سب کے گناہوں کو بھی معاف کر دیا۔''

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَ قَالَ
ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ؕ﴿۹۹﴾ وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى
الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ
مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ
مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ
بَيْنِيْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ
الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ
الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا
وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

[پھر جب یہ سب لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی، اور سب سے کہا: ''آپ سب مصر میں داخل ہو جائیں، جہاں ان شاء اللہ سب چین سے رہیں گے''۔ اور انہوں نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا، اور وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ اور یوسف نے کہا: ''ابا جان! یہ میرے پرانے خواب کی تعبیر ہے، جسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا، اور اس نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے قید خانے سے نکال دیا، اور آپ لوگوں کو دیہات سے یہاں لے آیا، حالانکہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے اس کے لیے بڑی لطیف تدبیریں کرتا ہے۔ بے شک وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ میرے

پروردگار! تو نے مجھے حکومت سے بھی حصہ عطا فرمایا، اور مجھے تعبیرِ خواب کے علم سے بھی نوازا۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا رکھوالا ہے۔ مجھے اس حالت میں دنیا سے اٹھانا کہ میں تیرا فرماں بردار ہوں، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کرنا۔“]

وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا

”اور وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے“

سجدۂ تعظیمی کی شرعی حیثیت:

پہلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا...... یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے، سمجھنے کی کوشش کیجیے گا...... غیر اللہ کے سامنے عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا منع تھا، لیکن اس وقت تعظیم کی نیت سے سجدہ کرنا جائز تھا۔ اِس شریعت کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے کمال عطا فرمایا ہے اس لیے سب سجدوں سے منع کر دیا۔ چنانچہ اب سجدہ فقط اللہ کے لیے ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہود و نصاریٰ اپنے بڑوں کو سجدہ کرتے ہیں، میں حیرہ میں گیا تھا، وہاں کے لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے تھے، کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

”اگر مخلوق کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کے وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، مگر اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں“۔

وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ

”اور اس نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے قید خانے سے نکال دیا“

فائدہ 68

جب ایک بات کو معاف کر چکے تو دوبارہ تذکرہ نہ کرنا چاہیے

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے کی سزا سے پہلے کنویں کی مشقت سے بھی دوچار ہو چکے تھے۔ مگر انہوں نے یہاں صرف قید خانے کا ذکر کیا اور کنویں میں ڈالے جانے کی صعوبت سے صرفِ نظر کر دیا...... اس کی کیا وجہ ہے؟...... اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کنویں میں ڈالے جانے کا ذکر کرتے تو اس سے بھائیوں کی دل آزاری ہوتی تھی۔ ویسے بھی چونکہ وہ پہلے ان کو معاف کر چکے تھے، اس لیے اب اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب ایک مرتبہ معاف کر کے دل صاف کر لیا جائے تو پھر دوبارہ اس بات کا تذکرہ بھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔

نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اِخْوَتِىْ

''شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا''

حضرت یوسف علیہ السلام کی اعلیٰ ظرفی:

حضرت یوسف علیہ السلام کی بلند اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی دیکھیے کہ انہوں نے اس گناہ کو اپنے بھائیوں کی طرف منسوب نہیں کیا، بلکہ وہ سارا ملبہ شیطان پر ڈال دیا اور بھائیوں کو الزام سے بری فرما دیا۔

اَنْتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

''تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا رکھوالا ہے۔''

آخرت کی نعمتوں کا سوال:

جب اللہ تعالیٰ بندے کو دنیا میں اتنی نعمتیں عطا کرے کہ وہ دوسروں کے سامنے ان کا تذکرہ کرے تو پھر اسے آخرت کی نعمتیں بھی مانگنی چاہئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت دیکھیے کہ انہوں نے کہا: اللہ نے مجھے قید خانے سے نکالا، ملک دیا، عزتیں دیں، تو پھر اپنی آخرت کو بھولے نہیں۔ چنانچہ فوراً کہا: اے اللہ! اب آپ دنیا اور آخرت میں میرے دوست بنے رہیے اور اپنی نعمتوں سے مجھے نوازتے رہیے۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا

''(اے اللہ) مجھے اس حالت میں دنیا سے اٹھانا کہ میں تیرا فرماں بردار ہوں''

فائدہ 69

ایمان پر خاتمہ تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے

مومن کے پاس دنیا میں جتنی نعمتوں کی بھی بہتات ہو جائے، اسے ایک نعمت کی تمنا پھر بھی رہتی ہے کہ اللہ! مجھے ایمان پر موت عطا فرمادے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی بھی دعا مانگی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا میں حکمت:

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا کیوں مانگی؟...... اس کی حکمت بھی سن لیجیے: ان کو دنیا کی نعمتیں تو مل ہی گئی تھیں، اور اب وہ چاہتے تھے کہ مجھے آخرت کی نعمتیں بھی مل جائیں۔ گویا ان کے اندر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق بڑھ رہا تھا۔ اس

شوق کی وجہ سے انہوں نے یہ دعا مانگی...... بھئی! ان کو دنیا کی نعمتیں واقعی مل گئی تھیں، مگر یہ دنیا کی نعمتیں کوئی آخری اور حتمی چیز تو نہیں ہیں۔ اصل چیز کیا ہے؟ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی لقا ہے۔ اسی جذبے میں آ کر انہوں نے یہ دعا مانگی۔

کن لوگوں کو جنت کا شوق ہوتا ہے؟

کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جن کو جنت کا شوق ہوتا ہے اور کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جن کا جنت کو شوق ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

’’جس شخص کو جنت کا شوق ہوتا ہے وہ نیکیاں کرنے کی طرف دوڑتا ہے‘‘

یعنی جنت کے متلاشی آدمی کا یہ حال ہوگا کہ وہ بھاگ بھاگ کر نیکیاں کرے گا۔

جنت کو کن لوگوں کا شوق ہوتا ہے؟

کچھ ایسے کاملین بھی گزرے ہیں کہ جنت کو ان کا شوق ہوتا ہے کہ وہ جلدی میرے اندر آئیں۔ وہ کاملین کون ہیں؟

☆......ایک حدیث پاک میں ہے:

’’جنت کو چار شخصوں کا شوق ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ‘‘

☆......ایک اور حدیث پاک میں ہے:

’’جنت کو چار شخصوں کا شوق ہے۔ علی رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ‘‘

☆......ایک اور حدیث پاک میں ہے:

’’جنت چار شخصوں کے شوق میں رہتی ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانے والے، رمضان کے روزے رکھوانے والے، راتوں کو تہجد کی نماز پڑھنے والے اور

یتیموں سے محبت کرنے والے‘‘

جن لوگوں کے اندر یہ صفات ہوتی ہیں، جنت کو ان لوگوں کا شوق رہتا ہے۔

☆......ایک اور حدیث پاک میں ہے:

((مَنْ كَانَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ كَانَتِ الْجَنَّةُ فِي طَلَبِهٖ))

’’جو بندہ علم کی طلب میں رہتا ہے جنت اس بندے کی طلب میں رہتی ہے۔‘‘

یہ حدیث پاک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کے دروازے پر لکھی ہوئی ہے۔ اس مدرسے کا نام ’’مدرسہ مِر عرب‘‘ ہے۔ ’’امیرِ عرب‘‘ سے اس کا مخفف ’’مِر عرب‘‘ کر دیا گیا۔

جب ہم وہاں گئے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں جمعہ پڑھا اور پھر مدرسہ دیکھنے گئے، تو دروازے پر موٹے حروف سے لکھا ہوا دیکھا:

((مَنْ كَانَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ كَانَتِ الْجَنَّةُ فِي طَلَبِهٖ))

خوش نصیب ہیں وہ بچے جو علم کی طلب میں اپنے گھروں سے آ کر یہاں مسجدوں اور مدرسوں میں رہتے ہیں اور ایک مجاہدے کی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ آج علم کی طلب میں ہیں اور جنت ان کی طلب میں ہے۔ ان کے اور جنت کے درمیان صرف موت فاصلہ بنی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی طالب علم بن کر پوری زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اللہ کا شوق رکھنے والے کاملین:

اب ذرا اگلی بات بھی سن لیجیے!...... کچھ لوگوں کو جنت کی طلب ہوتی ہے اور کچھ لوگوں کی طلب جنت کو ہوتی ہے، لیکن کچھ ایسے کاملین بھی ہوتے ہیں جن کو اللہ کی طلب ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت نے عبداللہ خواص رحمۃ اللہ علیہ کو وہ حال دیا تھا کہ وہ

سینے پر ہاتھ مار کر کہتے تھے: ''میرے اس قلب میں اس ذات کی ملاقات کا شوق ہے جو میرا مولا ہے۔''

کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی وہ محبت عطا فرما دے کہ ہمارے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق پیدا ہو جائے۔ پھر نیکی کرنا آسان ہوگا، پھر غم برداشت کرنا آسان ہو گا، پھر ہمیں دنیا کے بجائے آخرت اچھی لگے گی۔ اس کیفیت کے بارے میں حدیث پاک میں فرمایا گیا:

((اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةِ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَاسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْل))

جادوگروں کی دعا:

ایمان پر موت آنے کی دعائیں اورلوگوں نے بھی مانگیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ ساحرین نے یوں دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ﴾

حالتِ اضطراب کی دعائیں:

⊙ ..... مسند احمد کی روایت ہے کہ جب دجال آئے گا تو بہت فتنہ ہوگا۔ اس وقت مومن کی کیفیت کیا ہوگی؟ فرمایا:

یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَیْرٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ الْفِتَنِ

⊙ ..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب آپس میں رنجشیں بہت ہو گئی تھیں اور لڑائیاں شروع ہو گئی تھیں، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ خُذْنِیْ اِلَیْكَ

''اے اللہ! مجھے آپ اپنی طرف اٹھا لیجیے۔''

⊙......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر جب بخارا کا گورنر غصے ہوا تو اس نے ان کا جینا تنگ کر دیا تھا۔ اس وقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعا مانگی تھی:

اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنِیْ اِلَیْكَ

⊙......حدیث پاک میں ہے کہ خروجِ دجال کے وقت جب مومن قبر کو دیکھے گا تو وہ کہے گا:

یَالَیْتَنِیْ مَکَانُكَ

فائدہ 70

موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے

یہاں سمجھنے کا نکتہ یہ ہے کہ بندہ دنیا میں کتنا ہی غم زدہ ہو، کتنا ہی پریشان ہو، موت کی دعا نہیں کرنی چاہیے...... کیوں؟ اس کی کیا حکمت ہے؟......اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر اللہ نے نیکی کی توفیق دی ہوئی ہے تو آنے والی زندگی میں مزید نیکیوں کی توفیق ملے گی جو درجات بڑھنے کا سبب بنے گی، اور اگر گناہوں والی زندگی ہے تو بقیہ زندگی میں اللہ سے توبہ کی امید کی جا سکتی ہے۔ بھئی! حالات جیسے بھی ہوں، موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔ کئی دفعہ پریشان ہو کر عورتیں اور مرد حالات سے تنگ آ کر کہہ دیتے ہیں: ''میں تو مر ہی جاؤں تو اچھا ہے''۔ مومن کو ایسی تمنا ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔

وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

''اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کرنا''

صالحین کے زمرے میں شامل ہونے کی دعائیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ہمیں بھی یہ دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمیں بھی نیک لوگوں میں شامل فرما دیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو بندہ دنیا میں اللہ والوں کے ساتھ جڑے گا اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی اسے اپنے پیاروں کے ساتھ جوڑ دیں گے۔ ﴿وَأَلۡحِقۡنِي بِالصَّالِحِيۡنَ﴾ کا یہی مطلب ہے۔

قرآن مجید میں صالحین کے زمرے میں شامل ہونے کے لیے کئی دعاؤں کا ذکر ہے۔ مثلاً:

☆......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِي الدُّنۡيَا وَإِنَّهٗ فِي الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴾

☆......ایک جگہ پر فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحۡيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴾

☆......ایک جگہ پر فرمایا:

﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴾

☆......اور ایک جگہ پر فرمایا:

﴿رَبِّ أَوۡزِعۡنِيۡ أَنۡ أَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِيۡ أَنۡعَمۡتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنۡ أَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰهُ وَأَدۡخِلۡنِيۡ بِرَحۡمَتِكَ فِيۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيۡنَ﴾

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ
اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝١٠٢ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠٣ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٤ ۧ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ
عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝١٠٥ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ
اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝١٠٦ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ
عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١٠٧
قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ
اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٠٨ وَمَآ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠٩
حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا
جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ
الْمُجْرِمِيْنَ ۝١١٠ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ
مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝١١١ ۧ

[(اے پیغمبر!) یہ تمام واقعہ غیب کی خبروں کا ایک حصہ ہے، جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ اور تم اس وقت ان (یوسف کے بھائیوں) کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے سازش کر کے اپنا فیصلہ پختہ کر لیا تھا (کہ یوسف کو کنویں میں ڈالیں گے)۔ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، چاہے تمہارا کیسا ہی دل چاہتا ہو۔ حالانکہ تم ان سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتے۔ یہ تو دنیا جہان کے سب لوگوں کے لیے بس ایک نصیحت کا پیغام ہے۔ اور آسمان اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے، مگر یہ ان سے منہ موڑ جاتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ بھلا کیا ان لوگوں کو اس بات کا ذرا ڈر نہیں ہے کہ اللہ کے عذاب کی کوئی بلا آ کر ان کو لپیٹ میں لے، یا ان پر قیامت اچانک ٹوٹ پڑے اور انہیں پہلے سے احساس بھی نہ ہو؟ (اے پیغمبر!) کہہ دو: ''یہ میرا راستہ ہے۔ میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی۔ اور اللہ (ہر قسم کے شرک سے) پاک ہے، اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔'' اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب مختلف بستیوں میں بسنے والے انسان ہی تھے جن پر ہم وحی بھیجتے تھے۔ تو کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کی قوموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور آخرت کا گھر یقیناً ان لوگوں کے لیے کہیں بہتر ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی

یہی ہوا کہ ان کی قوموں پر عذاب آنے میں کچھ دیر لگی) یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے ، اور کافر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں جھوٹی دھمکیاں دی گئی تھیں تو ان پیغمبروں کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی (یعنی کافروں پر عذاب آیا) اور جن کو ہم چاہتے تھے، ان کو بچا لیا گیا، اور جو لوگ مجرم ہوتے ہیں، ان سے عذاب کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ یقیناً ان واقعات میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے بڑا عبرت کا سامان ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو جھوٹ موٹ گھڑ لی گئی ہو، بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں آ چکی ہیں، ان کی تصدیق ہے، اور ہر بات کی وضاحت، اور جو لوگ ایمان لائیں ان کے لیے ہدایت اور رحمت کا سامان!"]

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ

"(اے پیغمبر!) یہ تمام واقعہ غیب کی خبروں کا ایک حصہ ہے جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں"

فائدہ 71

علمِ غیب اور انباء الغیب میں فرق

یہاں پر ایک نکتہ سمجھیے! ......ایک ہوتا ہے علم غیب اور ایک ہوتا ہے انباء الغیب۔ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ علم غیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر گزری، موجودہ اور آنے والی چیز کا علم ذاتی طور پر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دی۔ البتہ اللہ رب العزت نے اپنے انبیاء کو آنے والے حالات کی بعض خبریں بتا دی ہیں۔ اس کو علم غیب نہیں کہیں گے، بلکہ انباء الغیب کہیں گے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد قیامت کی نشانیوں کے بارے میں وعظ فرمانا شروع کیا اور ظہر کا وقت ہو گیا۔ پھر ظہر کے بعد وعظ فرمانا شروع کیا اور عصر کا وقت ہو گیا۔ تو فجر سے لیکر عصر تک، پورا دن قیامت کی نشانیاں بتاتے رہے۔ یہ علم غیب نہیں کہلاتا، بلکہ انباء الغیب کہلاتا ہے۔ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

''آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا''

باقی اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ جس کو چاہیں کوئی بات بتا دیں۔ وہ غیب کی خبریں تو کہی جائیں گی، علم غیب نہیں کہا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ بی بی مریم علیہا السلام کو فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾

حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کو فرمایا:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ﴾

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے انبیاء کو آنے والے وقت کی غیب کی خبریں بتلا دیں تاکہ وہ اپنی امتوں کو بتائیں اور وہ ان کی نبوت پر جلدی ایمان لائیں۔ انہی خبروں کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔

﴿اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾

''جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے، اور کافر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں جھوٹی

دھمکیاں دی گئی تھیں، تو ان پیغمبروں کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی (یعنی کافروں پر عذاب آیا)''

اللہ تعالیٰ بندے کو کب تک آزماتے ہیں؟

انبیائے کرام اس دنیا میں تشریف لائے۔ انہوں نے اللہ کے حکم پر لوگوں کو دین کی دعوت دی اور لوگوں کو بتایا کہ اگر تم اللہ کی نافرمانی کرو گے تو تم پر عذاب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ پیغام دے کر بھیجا۔ لیکن انہوں نے دنیا میں آ کر کیا دیکھا؟ کہ ان کی قوم گناہوں میں بھی مشغول ہے اور عذاب بھی نہیں آ رہا۔ اس کے علاوہ اللہ کی مدد بھی نہیں آ رہی ...... دراصل، اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو آزماتے ہیں حتیٰ کہ ایک ٹرپ پوائنٹ آ جاتا ہے ...... ٹرپ پوائنٹ کا کیا مطلب ہے؟ ...... اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا وقت آ جاتا ہے کہ بندے کو محسوس ہو جاتا ہے کہ بس، مجھ سے جو وعدہ کیا گیا تھا، پتہ نہیں وہ کیا تھا؟ کیوں عذاب نہیں آ رہا؟ کیوں اللہ کی مدد نہیں آ رہی؟

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾

بندہ بے اختیار ہو کر کہہ اٹھتا ہے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ آزماتے آزماتے اپنے بندے کو اس نقطے تک پہنچاتے ہیں۔

صحابہ کرام کو تو بہت زیادہ آزمائشوں میں سے گزرنا پڑا۔ فرمایا:

﴿وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾

بنی اسرائیل کے لیے قرآن مجید نے وَ زُلْزِلُوْا کا ایک لفظ استعمال کیا ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کیے۔ وَزُلْزِلُوْا، زِلْزَالًا اور شَدِيْدًا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کتنی آزمائشیں ہوئی ہوں

گی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: اے اللہ کے نبی! سب سے زیادہ شدت کس پر آئی ہے؟ تو فرمایا:

((اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ))

''انبیاء پر، پھراس پر جواُن کی مشابہت اختیار کرے، پھراس پر جواُن کی مشابہت اختیار کرے''

حالانکہ یہ اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو آزماتے ہیں......کیوں؟......آخرت میں ان کے درجات بڑھانے کے لیے۔

فائدہ 72

اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا مرتبہ معلوم کرنے کا پیمانہ

ہمارے ہاں آج کل پیمانہ ہی بدل گیا ہے۔ جس کے پاس دنیا کا مال پیسہ زیادہ ہو، دولت کی فراوانی ہو، اور جس کے پاس دنیا کی واہ واہ ہو، لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ اس سے بڑا راضی ہے۔ حالانکہ راضی ہونا تو ایک مختلف چیز ہے۔ مال و دولت کو تو اللہ تعالیٰ انسان کے لیے ابتلا بنا کر بھیج دیتے ہیں۔ اس لیے دیکھنا یہ چاہیے کہ کون سا بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا والے کاموں میں لگا ہوا ہے۔

ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا مرتبہ معلوم کرنا چاہو تو یہ دیکھو کہ اس نے تمہیں کس کام میں لگا رکھا ہے۔ یہ ایک لٹمس ٹیسٹ ہے۔ کوئی بھی بندہ اگر یہ دیکھنا چاہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کس مرتبے میں ہوں تو وہ یہ دیکھے کہ اللہ

تعالیٰ نے مجھے کس کام میں لگا رکھا ہے۔ اگر تو میں ہر وقت ہی دنیا میں پھنسا ہوا ہوں، نہ دین کے کام کے لیے دلچسپی ہے اور نہ سنت کی اتباع کے لیے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس سے دور ہوں، اور اگر اس مالک نے دین کے کام کے لیے چنا ہوا ہے، اور دن رات نیکی، اطاعت اور فرمانبرداری میں گزر رہے ہیں تو ہمارے لیے یہی ثبوت کافی ہے، مزید کیفیات مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ

''یعنی ان کے واقعات میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے بڑا عبرت کا سامان ہے۔''

قرآنِ مجید میں عبرت کی باتیں:

قرآن مجید میں تین ایسے واقعات ہیں جن میں عبرت کی باتیں کی گئی ہیں۔

① ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اس بندے کے لیے عبرت ہے جو عبرت حاصل کرنا چاہے۔''

② ...... اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک واقعہ میں بھی عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾

③ ...... حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بھی عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾

فائدہ 73

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں عبرت کی باتیں

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں عبرت کی کون سی باتیں ہیں؟ دس نکتے اس میں بھی سن لیجیے!

﴿1﴾ بادشاہوں کے لیے عبرت:

عِبْرَةٌ لِلْمُلُوْكِ

''بادشاہوں کے لیے عبرت''

فِيْ بَسْطِ الْعَدْلِ كَمَا بَسَطَ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلام

''وہ (بادشاہ) عدل کو رواج دیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے زمانے میں عدل کو رواج دیا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے ہر امیر غریب کے لیے ایک ہی قانون بنایا کہ جو بھی آئے گا ہم اس کو ایک اونٹ کا بوجھ دیں گے، اس سے زیادہ نہیں دیں گے۔ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام قحط کے سب سالوں میں خود بھی چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ جب غریب بھی چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک مرتبہ کھاتا ہے تو میں بھی صرف ایک ہی مرتبہ کھاؤں گا۔ اس عدل کی وجہ سے ان پر کسی بندے نے کبھی انگلی بھی نہیں اٹھائی تھی کہ خود تو خزانوں والے ہیں، صبح وشام کھاتے ہیں اور ہمیں دن میں صرف ایک مرتبہ کھانے کے لیے دیتے ہیں۔

﴿۲﴾ اہلِ تقوای کے لیے عبرت:

عِبْرَۃٌ لِاَرْبَابِ التَّقْوٰی

''اہلِ تقوای کے لیے عبرت''

فَاِنَّ یُوْسُفَ لَمَّا تَرَکَ ھَوَاہُ رَقَاہُ اللّٰہُ اِلٰی مَارَقَاہُ

''حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی خواہشات کو ترک کر دیا (یعنی تقویٰ پر عمل کر دکھایا) اور پھر اس کے بعد اللہ نے اتنی بلندی عطا فرمائی جتنی بلندی اللہ نے چاہی''

اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اہلِ تقویٰ کے لیے بھی سامان عبرت ہے۔

﴿۳﴾ خواہش پرستوں کے لیے عبرت:

عِبْرَۃٌ لِّاَھْلِ الْھَوٰی

''خواہش پرستوں کے لیے عبرت''

وہ کیا ہے؟

کَامْرَأَۃِ الْعَزِیْزِ لَمَّا تَبِعَتْ ھَوَاھَا لَقِیَتِ الضُّرَّوَالْفَقْرَ

''جیسے عزیز مصر کی بیوی۔ جب اس نے اپنی خواہش نفسانی کو پورا کرنے کی کوشش کی، تو اس نے نقصان اٹھایا اور اس کے پاس رزق کی فراوانی بھی نہ رہی''

جب زلیخا خواہشات نفسانی کے پیچھے لگی تو اس کی ملکہ والی پوزیشن بھی نہ رہی اور الٹا ذلت بھی اٹھانا پڑی۔ تبھی تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر کہا تھا:

''سب تعریفیں اس پروردگار کے لیے ہیں جو تقویٰ کی وجہ سے غلاموں کو

بادشاہ بنا دیتا ہے ۔اور سب تعریفیں اس پروردگار کے لیے ہیں جو خواہش نفسانی کی پیروی سے بادشاہوں کو غلام بنادیا کرتا ہے''

﴿۴﴾ بادشاہوں کے غلاموں کے لیے عبرت:

عِبْرَةٌ لِّلْمَمَالِيْكِ فِيْ حَضْرَةِ السَّادَّةِ

''بادشاہوں کے غلاموں کے لیے عبرت''

بھئی! ان کے لیے عبرت کیسے؟

كَيُوْسُفَ لَمَّا حَفِظَ حُرْمَةَ زُلَيْخَا مَلَكَ مُلْكُ الْعَزِيْزِ وَصَارَتْ زُلَيْخَا امْرَأَةً حَلَالًا

''جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بادشاہ عزیز کی بیوی کی حرمت کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ نے آخر میں آ کر زلیخا کو ان کی حلال بیوی بنا دیا''

بہت سارے مفسرین یہ بات لکھتے ہیں کہ ان کی شادی ہوگئی تھی۔اگر چہ محدثین کا اس سے اتفاق نہیں ہے۔مفسرین فرماتے ہیں کہ عمر کے آخری حصے میں اس کا خاوند فوت ہوگیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا عطا فرما دی تھی۔

﴿۵﴾ درگزر کرنے والوں کے لیے عبرت:

عِبْرَةٌ فِي الْعَفْوِ عِنْدَ الْمَقْدِرَةِ

''طاقت کے باوجود درگزر کرنے کی عبرت''

یہ بھی عبرت کی بات ہے کہ اگر بندے کو اللہ تعالیٰ قدرت عطا فرمائے تو وہ اس وقت مؤاخذہ کرنے کے بجائے معاف کرنے والا بن جائے۔

كَيُوْسُفَ حِيْنَ تَجَاوَزَ عَنْ اِخْوَتِهٖ

''جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا تھا''

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے بھائیوں سے بدلہ لے سکتے تھے، اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے تھے، مگر انہوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیا، بلکہ جیسے ہی بات ہوئی اور بھائیوں نے کہا:

﴿لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِیْنَ﴾

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فوراً کہا:

﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ﴾

۶ صبر کرنے والوں کے لیے عبرت:

عِبْرَةٌ فِي ثَمْرَةِ الصَّبْرِ

''صبر کے پھل میں عبرت''

فَيَعْقُوْبُ لَمَّا صَبَرَ عَلٰى مُقَاسَاةِ حُزْنِهٖ ظَفَرَ يَوْمًا بِلِقَاءِ يُوْسُف

''حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر کیا تو پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ اللہ نے ان کو یوسف علیہ السلام سے ملا دیا''

۷ حاسدین کے لیے عبرت:

عِبْرَةٌ لِلْحَاسِدِيْن

''حاسدین کے لیے عبرت''

وہ کیسے؟

كَاِخْوَانِ يُوْسُفَ حَيْثُ فُضِحُوْا بَيْنَ يَدَيِ الْمَحْسُوْدِ عَلَيْهِ

'' جیسے اخوان یوسف۔ اللہ رب العزت نے حاسدوں کو محسود (یعنی

یوسف علیہ السلام) کے سامنے ذلیل ورسوا کر کے دکھایا“

یادرکھیں! جو بندہ بھی حسد کرتا ہے، وہ اس کے سامنے رسوا ہو کے رہتا ہے جس کے ساتھ وہ حسد کرتا ہے۔

﴿۸﴾ اہلِ علم کے لیے عبرت:

عِبْرَةٌ لِاَهْلِ الْعِلْمِ

”اہل علم کے لیے عبرت“

حَيْثُ جَعَلَ لِيُوْسُفَ الْعِزَّةَ وَالرِّفْعَةَ فِي الْاَرْضِ بِسَبَبِ الْعِلْمِ

”جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زمین میں علم کے سبب سے عزت اور رفعت عطا فرمائی۔“

﴿۹﴾ حسن وجمال والوں کے لیے عبرت:

عِبْرَةٌ لِاَهْلِ الْجَمَالِ

”حسن وجمال والوں کے لیے عبرت“

جو لوگ اپنے آپ کو بہت خوبصورت سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے حسن پر ناز ہوتا ہے، ان کے لیے کیسے عبرت ہے؟

حَيْثُ جُعِلَتْ لَهُ الْمِحْنَةُ وَالسِّجْنُ لِسَبَبِ الْجَمَالِ

”جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوبصورت ہونے کی وجہ سے جیل میں جانا پڑ گیا تھا“

﴿۱۰﴾ دین کا کام کرنے والوں کے لیے عبرت:

عِبْرَةٌ لِاَهْلِ الدَّعْوَةِ

''دین کی دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے عبرت''

كَمَا اَنَّ يُوْسُفَ لَمْ يَتْرُكْ دَعْوَتَهٗ فِي الرَّخَاءِ وَالشِّدَّةِ حَتّٰى فِي السِّجْنِ

''جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے آسانی میں بھی دین کی دعوت دی اور تنگی میں بھی، حتیٰ کہ جیل میں بھی دعوت دی''

بھئی! کھانا آنے سے پہلے جو تھوڑا سا وقت تھا اس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جیل کے ساتھیوں کو اللہ کے دین کی دعوت دے دی تھی۔

سورۂ یوسف کے فوائد کا خلاصہ

سورۂ یوسف کے جو فوائد بیان کیے گئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو دو طرح سے آزمایا جاتا ہے۔ ایک تنگی میں اور ایک آسانی میں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام پر یہ دونوں طرح کے حالات آئے۔ جب گھر میں تھے تو بھائیوں کے حسد کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ بھائیوں نے ان کو کنویں کے اندر ڈال دیا۔ اس پورے عرصے میں انہوں نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی کہ انہوں نے بھائیوں کے شکوے کیے ہوں، ان پر الزام لگایا ہو، یا ان سے بدلہ لینے کی بات کی ہو۔ بلکہ انہوں نے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور تنگی کے جو احوال پیش آئے ان کو برداشت کیا۔ اس طرح گویا وہ صبر کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو آسانی میں آزمایا۔ ان کو محل میں پالا۔ ان کو وہاں کھانے پینے کی آسانی، پہننے اوڑھنے کی آسانی اور آرام کی زندگی تھی۔ اس آسانی اور چیزوں کی فراوانی کے زمانے میں بھی ان پر آزمائش آئی۔

تنگی میں صبر کا مظاہرہ کرنا آسان ہے، مگر آسانی میں نعمتوں کا شکر ادا کرنا، یہ مشکل کام ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''ہمیں تنگی میں آزمایا گیا تو ہم ثابت قدم رہے اور آسانیوں میں آزمایا گیا تو ہم جم نہ سکے۔''

اس سے پتہ چلا کہ آسانیوں اور نعمتوں میں شریعت پہ جمے رہنا، یہ بہت مشکل

امتحان ہوتا ہے۔سیدنا یوسف علیہ السلام اس حال میں بھی شریعت پر جمے رہے۔نتیجہ یہ نکلا کہ صبر کے پیپر میں بھی کامیاب ہوئے اور شکر کے پیپر میں بھی کامیاب ہوئے۔

جب کوئی بندہ امتحان میں کامیاب ہوتا ہے تو پھر اس کو انعام ملتا ہے۔رب کریم نے ان کو انعام کیا دیا؟ ان کو فرش سے اٹھا کر عرش (تخت) پر بٹھا دیا۔

سوچیں تو سہی کہ چھوٹی عمر کا ایک بچہ ہے، باپ سے جدا کر دیا گیا ہے، اس کی کنویں کے اندر کس مصیبت میں رات گزری ہوگی، کتنا خوف دل میں ہوگا، کتنی پریشانی ہوگی، اتنی عمر میں تو انسان کی عقل بھی پختہ نہیں ہوتی۔اس وقت کیا سوچتے ہیں ہوں گے کہ پتہ نہیں میں زندہ بھی بچوں گا یا نہیں بچوں گا۔

کنویں سے نکال کر اللہ تعالیٰ نے اس کو محل میں پہنچایا۔جوانی کی ابتدا اسی محل میں ہوئی۔جوانی کی عمر میں انسان عموماً نعمتوں میں مشغول ہو کر غافل ہو جاتا ہے۔ لیکن سیدنا یوسف علیہ السلام اس وقت بھی غافل نہیں ہوئے۔بلکہ انہوں نے اپنے مالک اور خالق کو یاد رکھا۔پھر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ رب العزت نے ان کو انعام کے طور پر ایسی جگہ تخت و تاج عطا کیا جہاں

......ان کو کوئی جاننے والا نہیں تھا

......کوئی رشتہ دار نہیں تھا

......کوئی دوست نہیں تھا

......کوئی قبیلہ نہیں تھا

وہاں بے یار و مددگار پہنچے تھے۔جہاں اپنا کوئی نہیں تھا، وہاں اللہ رب العزت نے ان کو عزتوں سے نوازا۔جس جگہ وہ بے سہارا پہنچے تھے، اللہ نے ان کی نیکی کے صدقے ان کو سب لوگوں کا سہارا بنا دیا۔یہ زندگی کا ایک انقلاب ہوتا ہے۔

انقلابات کا تذکرہ:

اس سورت میں ہم نے جو موٹے موٹے پوائنٹس پڑھے ہیں، ان کا ایک مرتبہ پھر اعادہ کر لیتے ہیں تا کہ ہم اس بات کا نچوڑ نکال سکیں کہ اس سورت کو اَحْسَنُ الْقَصَصِ کیوں کہا گیا۔

اِنَّ هٰذِهِ الْقِصَّةَ مِنْ اَحْسَنَ الْقَصَصِ وَ اَوْضَحِهَا وَ اَبْيَنِهَا لِمَا فِيْهَا مِنْ اَنْوَاعِ التَّنَقُّلَاتِ

''یہ قصوں میں سے ایک بہترین قصہ اور کہانی ہے، یہ بہت وضاحت کرنے والی اور کھول کر بیان کرنے والی سورت ہے۔اس میں مختلف قسم کے انقلابات کا تذکرہ ہے۔''

وہ انقلابات کون کون سے ہیں؟

مِنْ حَالٍ اِلٰى حَالٍ...... ''ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا''

وَ مِنْ مِحْنَةٍ اِلٰى مِنْحَةٍ...... ''مشقت سے کامیابی کی طرف منتقل ہونا''

وَ مِنْ ذُلٍّ اِلٰى عِزٍّ...... ''ذلت سے عزت کی طرف جانا''

وَ مِنْ رِقٍّ اِلٰى مُلْكٍ...... ''غلامی سے بادشاہی کی طرف جانا''

مِنْ فُرْقَةٍ اِلٰى اِجْتِمَاعٍ...... ''جدائیوں سے ملاپ کی طرف جانا''

وَ مِنْ حُزْنٍ اِلٰى سُرُوْرٍ...... ''غم سے خوشی کی طرف جانا''

وَ مِنْ رَخَاءٍ اِلٰى جَدْبٍ...... ''شادابی سے قحط کی طرف جانا''

وَ مِنْ جَدْبٍ اِلٰى رَخَاءٍ...... ''قحط سے شادابی کی طرف جانا''

وَ مِنْ ضِيْقٍ اِلٰى سِعَةٍ...... ''تنگی سے آسانی کی طرف جانا''

وَ مِنْ اِنْكَارٍ اِلٰى اِقْرَارٍ...... ''اورانکار سے اقرار کی طرف جانا''

فَتَبَارَكَ مَنْ قَصَّهَا فَاَحْسَنَهَا وَ وَضَّحَهَا وَ بَيَّنَهَا

''برکت والی ہے وہ ذات جس نے اس قصے کو بیان کیا، اس کو واضح کیا اور اس کو کھول کر بتایا''

فائدہ 74

انبیا اور علما کی سورج چاند ستاروں سے مشابہت

پہلا نکتہ یہ ہے:

اَنَّ فِيهَا اَصْلًا لِتَعْبِيرِ الرُّؤْيَا فَاِنَّ رُؤْيَا يُوْسَفَ الَّتِي رَاى اَنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا لَهُ سَاجِدِيْنَ

''سب سے پہلے خواب دیکھنے کا تذکرہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔''

اب اس خواب میں ایک مناسبت تھی۔ وہ مناسبت کیا تھی؟

اَنَّ هٰذِهِ الْاَنْوَارَ هِيَ زِيْنَةُ السَّمَاءِ وَ جَمَالِهَا، وَ بِهَا مَنَافِعُهَا، فَكَذٰلِكَ الْاَنْبِيَاءُ وَ الْعُلَمَاءُ، زِيْنَةٌ لِلْاَرْضِ وَ جَمَالٍ، وَ بِهِمْ يُهْتَدٰى فِي الظُّلُمٰتِ كَمَا يُهْتَدٰى بِهٰذِهِ الْاَنْوَارِ

''یہ نورانی سورج چاند اور ستارے آسمان کی زیب وزینت اور اس کا جمال ہیں۔ ان کے ساتھ انسانوں کے (دنیاوی) فائدے وابستہ ہیں۔ انبیا اور علما کی مثال بھی یہی ہے۔ وہ زمین کی زیب وزینت اور اس کا جمال ہیں۔ جس طرح اندھیری رات میں لوگ ستاروں کے ذریعے راستہ ڈھونڈ لیتے ہیں، اسی طرح ان انبیا اور علما کی برکت سے انسان گمراہی سے ہدایت کی

طرف راستہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔''

گویا سورج، چاند اور ستاروں کے ساتھ انسان کے دنیاوی فائدے وابستہ ہیں اور انبیا اور علما کے ساتھ انسان کے روحانی فائدے وابستہ ہیں۔

فائدہ 75

سورۂ یوسف نبی ﷺ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے

مَا فِيْهَا مِنَ الْاَدِلَّةِ عَلٰى صِحَةِ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ حَيْثُ قَصَّ عَلٰى قَوْمِهٖ هٰذِهِ الْقِصَّةَ الطَّوِيْلَةَ وَ هُوَ لَمْ يَقْرَاْ كُتُبَ الْاَوَّلِيْنَ وَلَا دَارَسَ اَحَدًا

''اس قصہ کو بیان کرنے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے سچے ہونے کی دلیل بھی ہے۔ اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنا طویل قصہ اپنی قوم کے سامنے بیان کیا۔ حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے والی کتابوں کو پڑھا بھی نہیں تھا اور نہ ہی کسی کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھے تھے۔''

یعنی اس کے باوجود بھی اگر آپ ﷺ نے اتنا لمبا قصہ صحیح صحیح بیان کیا تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو پروردگارِ عالم نے اس قصے سے مطلع فرمایا ہے۔

فائدہ 76

اسبابِ شر سے دور بھاگنا چاہیے

اَنَّهٗ يَنْبَغِيْ الْبُعْدُ عَنْ اَسْبَابِ الشَّرِّ وَ كِتْمَانُ مَا تَخْشٰى مُضَرَّتَهٗ

''انسان کو چاہیے کہ وہ شر کے اسباب سے دور بھاگے اور جو چیز اس کو نقصان

دیتی ہے اس چیز کو چھپائے''

جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ مشورہ دیا:

يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا

فائدہ 77

نقصان دہ چیز سے دوسروں کو آگاہ کر دینا چاہیے

اَنَّهٗ يَجُوْزُ ذِكْرُ الْاِنْسَانِ بِمَا يَكْرَهُ عَلٰى وَجْهِ النَّصِيْحَةِ لِغَيْرِهٖ

''اس سے اس بات کا بھی جواز ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز انسان کو نقصان دیتی ہو، اس کے بارے میں دوسرے کو آگاہ کر دیا جائے۔''

جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بتایا:

﴿ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ﴾

فائدہ 78

گھر کے ایک فرد کی نعمت سب کے لیے نعمت ہوتی ہے

اَنَّ نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَى الْعَبْدِ نِعْمَةٌ عَلٰى مَنْ يَتَعَلَّقُ بِهٖ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ

''اللہ تعالیٰ کی نعمت ایک بندے پر ہوتی ہے۔ گھر میں جب بندے کو نعمت ملتی ہے تو وہ گھر کے سارے لوگوں کے لیے نعمت ہوتی ہے۔''

سب کے لیے کیسے نعمت ہوتی ہے؟ وہ اس طرح کہ جیسے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ ﴾

''اور تیرا رب تجھے اپنے لیے چن لے گا''

یہ بات تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہوئی، لیکن اللہ رب العزت کی یہ نعمت صرف انہی تک محدود نہیں رہی، بلکہ ان کی برکت سے اللہ نے ان کے بھائیوں کو بھی معاف کر دیا اور ان کے بھائیوں کو نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا...... جیسے آپ کمرے کے اندر بلب روشن کریں تو وہ صرف ایک ہی بندے کے لیے فائدہ مند نہیں ہوتا بلکہ اس کا فائدہ سب کو ہوتا ہے، انسانوں کو بھی فائدہ ہوتا ہے، اور اگر وہاں کوئی اور جاندار ہوں تو ان کو بھی اس روشنی سے فائدہ ہوتا ہے...... تو معلوم ہوا کہ گھر کی ایک نعمت سب کی نعمت ہوتی ہے۔

اس سے سبق یہ ملا کہ گھر کے اندر رہنے والوں کو ایک دوسرے سے حسد نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایک بھائی کو نعمتیں ملیں تو دوسرا بھائی حسد نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ ہمارا گھرانہ ہے ہم سب اس میں شامل ہیں اور ہم سب کے لیے یہ عزت کا سبب ہے۔

فائدہ 79

اولاد سے برتاؤ میں عدل ہونا چاہیے

اَنَّ الْعَدْلَ مَطْلُوْبٌ فِی کُلِّ الْاُمُوْرِ مُعَامَلَةِ السُّلْطَانِ رَعِيَّتَهٗ حَتّٰی فِیْ مُعَامَلَةِ الْوَالِدِ لِاَوْلَادِهٖ

''ہر معاملے میں عدل کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے، چاہے بادشاہ رعایا کے بارے میں عدل کرے، یا چاہے والد اپنی اولاد کے بارے میں عدل کرے''

اولاد کے درمیان برتاؤ میں برابری ہونی چاہیے۔ تھوڑا سا فرق ہو تو وہ تو فطرت کا ایک معاملہ ہے، مگر اتنا فرق نہ ہو کہ ان میں سے ایک اپنے آپ کو Left Out سمجھنا شروع کر دے کہ مجھے تو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

فائدہ 80

ایک گناہ مزید گناہوں کا راستہ کھولتا ہے

اَلْحَذَرُ مِنْ شُؤْمِ الذُّنُوْبِ وَ اَنَّ الذَّنْبَ الْوَاحِدَ يَسْتَتْبِعُ ذُنُوْبًا مُتَعَدِّدَةً لِفَاعِلِهٖ

''گناہ کے مواقع سے پرہیز کرنی چاہیے۔ کیونکہ ایک گناہ کرنے والے کے لیے اور گناہوں کا دروازہ کھل جاتا ہے''

اس قصے پر نظر دوڑائیے!

فَاِخْوَةُ يُوْسُفَ لَمَّا اَرَادُوْا التَّفْرِيْقَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اَبِيْهِ، اِحْتَالُوْا لِذٰلِكَ بِاَنْوَاعٍ مِنَ الْحِيَلِ، وَ كَذَبُوْا عِدَّةَ مَرَّاتٍ ، وَ زَوَّرُوْا عَلٰى اَبِيْهِمْ فِي الْقَمِيْصِ وَ الدَّمِ الَّذِيْ فِيْهِ وَ فِيْ اِتْيَانِهِمْ عِشَاءً يَّبْكُوْنَ

''بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے باپ سے جدا کرنا چاہتے تھے اس سلسلے میں انہوں نے طرح طرح کے حیلے کیے اور کتنے جھوٹ بولے۔ والد کے سامنے جو قمیص پیش کی اس کے اوپر جھوٹ موٹ کا خون لگا لیا اور رات کو روتے ہوئے آپہنچے''

اس کے علاوہ بادشاہ کے دربار میں بھی ان پر چوری کا داغ لگا دیا۔

معلوم یہ ہوا کہ ایک گناہ ایک ہی نہیں رہتا، بلکہ گناہ کی ایک سیریز شروع ہو جاتی ہے، ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے انسان دس جھوٹ بولتا ہے اور پھر دس جھوٹوں کو چھپانے کے لیے اس کو سو جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔

فائدہ 81

نہایت کا کمال ہی اصل کمال ہے

اِنَّ الْعِبْرَۃَ فِیْ حَالِ الْعَبْدِ بِکَمَالِ النِّھَایَۃِ لَا بِنَقْصِ الْبِدَایَۃِ

''بندے کا حال اس کی نہایت کے کمال پر ہے، نہ کہ شروع کی کمی کوتاہی پر''

ابتدا کو نہ دیکھیں کہ فلاں بندہ

......کمزور سا تھا

......طالب علم بھی اچھا نہیں تھا

......اس کے مدرسے میں اس کا حال اچھا نہیں تھا

بھئی! وہ ابتدا تھی۔ اب اگر اللہ رب العزت نے اس کو......علم سے مناسبت دے دی......علم میں کمال دے دیا...... رسوخ دے دیا......تقوای دے دیا...... دنیا میں عزتیں دے دیں......تو اس میں کیا حرج ہے۔ ہم نے دیکھا کہ کئی لوگ تو مدرسے کے زمانے کو ہی یاد کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کے بندے! وہ اور وقت تھا، اور اب اور وقت ہے۔ اس وقت کو دیکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آخر میں اس کو کمال عطا کر دیا تو بہت اچھی بات ہے۔ اس لیے کہ انسان کا معاملہ اختتام پر ہوتا ہے۔ کتنے اولیا تھے جو

......قاتل تھے، اولیا بنے۔

...... چوری کرنے والے تھے، ڈاکو تھے، فضیل بن عیاض بنے۔

......شرابی تھے اور بشر حافی بنے۔

ابتدا میں ان کے حالات کچھ تھے، لیکن اللہ رب العزت نے رخ موڑا اور ان کو ولایت کے مقام عطا کیے۔ چنانچہ اب ان کا معاملہ ان کے آخری حال پر دیکھا جائے

گا۔

فائدہ 82

چھوٹی مصیبت کو اختیار کرنا بہتر ہے

اَنَّ اِرْتِکَابُ اَخَفِّ الضَّرَرَیْنِ اَوْلٰی مِنْ اِرْتِکَابِ اَعْظَمِهِمَا

''اگر انسان دو ایسے کاموں میں پھنس جائے جو دونوں برے ہوں، تو پھر ان میں سے جو کم برا ہو اس کو اختیار کر لے''

اس کے لیے فقہا نے کہا: جب تم دو بلاؤں (مصیبتوں) میں پھنس جاؤ تو ان میں سے جو ہلکی بلا ہو، اس کو قبول کر لو۔ اس اصول کی دلیل اس بات سے ملی کہ کچھ بھائی کہہ رہے تھے ﴿اُقْتُلُوْهُ﴾ ''یوسف کو قتل ہی کر دو'' مگر ان میں سے ایک نے کہا: ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ وَ اَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ﴾ ''اس کو قتل نہ کرو بلکہ اس کو ایک اندھے کنویں میں ڈال دو۔'' اس سے تمہارا مقصد تو پورا ہو جائے گا۔

اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ بڑے گناہ کے بجائے چھوٹے کو اختیار کرنا اور بڑی مصیبت کے بجائے چھوٹی مصیبت کو اختیار کرنا بہتر ہوتا ہے۔

فائدہ 83

عورت کے ساتھ خلوت سے پرہیز کریں

اَلْحَذَرُ مِنَ الْخَلْوَةِ بِالنِّسَاءِ وَ الْحَذَرُ اَیْضًا مِنَ الْمَحَبَّةِ الَّتِیْ یُخْشٰی ضَرَرُهَا

''انسان عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے پرہیز کرے اور انسان ہر اس

محبت سے پرہیز کرے جس سے نقصان ہونے کا اندیشہ ہے‘‘

کیوں؟......اس لیے کہ

فَاِنَّ امْرَأَةَ الْعَزِيْزِ جَرٰى مِنْهَا مَا جَرٰى بِسَبَبِ تَوَحُّدِهَا بِيُوْسُفَ

’’عزیز مصر کی بیوی گناہ کی طرف اس لیے مائل ہوئی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کافی وقت اکیلے میں رہتی تھی‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام اس کے گھر میں ہی رہتے تھے، دن رات کا ساتھ تھا، یہ چیز اس کے لیے گناہ کی طرف مائل ہونے میں معاون بنی۔ مگر اللہ رب العزت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی رحمت سے اس گناہ میں پڑنے سے بچالیا۔

اب ذرا اس کی تفصیل سن لیجیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے یہ امتحان کتنا بڑا تھا اور پھر وہ اس میں سے بچے کیسے؟

زنا کے موافق حالات:

زنا کرنے کے لیے حالات بہت ہی موافق تھے۔ مثال کے طور پر:

⊙......عورت نے ازخود گناہ کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ ’’وہ کہنے لگی: آبھی جاؤ‘‘

جب عورت خود بدکاری کے لیے بلائے تو ایسی صورت میں مرد کے لیے اس گناہ کا کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔

⊙......پھر ذرا غور کیجیے!

﴿هُوَ فِي بَيْتِهَا﴾ ’’حضرت یوسف علیہ السلام اس کے گھر میں رہتے تھے‘‘

ایسا نہیں کہ گھر الگ تھا اور اس گھر میں آنے کی صورت میں وہ لوگوں کی نظروں میں تھے کہ یہ اس گھر میں آئے کیوں ہیں؟ یہ ادھر سے گزرے کیوں ہیں؟ یہاں ان کو

اتنا وقت کیوں لگا؟ وہ اس گھر میں رہتے تھے اور گھر میں رہنے کی وجہ سے ہر وقت کا ساتھ تھا۔

⊙......آگے دیکھیے!

﴿وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ﴾ ''اور اس عورت نے دروازے خود بند کیے''

جب دروازے ہی زلیخا نے خود بند کیے تو مکمل تنہائی کا ماحول بھی خود اس نے فراہم کیا۔

⊙......اور دیکھیے!

وَ رَاوَدَتْهُ ''اور اس نے نرمی سے اور پیار بھرے انداز سے گناہ کی دعوت دی''

زنا کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ یا تو ڈرانا دھمکانا، یا پھر بہلانا پھسلانا۔ تو اس عورت نے نرمی کے ساتھ یعنی چکنی چپڑی باتیں کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کیا۔

اب ذرا سوچیے کہ تنہائی بھی ہے، ہر وقت کا ساتھ بھی ہے اور عورت پیار بھری باتیں کر کے ان کے دل کو اپنی طرف مائل بھی کرتی ہے تو دیکھیں کہ وہ زنا کرنے کا کتنا سازگار ماحول تھا۔

⊙......اور بھرپور جوانی بھی تھی:

اِنَّهٗ كَانَ شَابًّا ''حضرت یوسف علیہ السلام کی اٹھتی جوانی تھی''

اٹھتی جوانی میں شہوت اور زیادہ اشدّ ہوتی ہے۔

⊙......اور دیکھیے!

اِنَّهَا كَانَتْ سَيِّدَتَهٗ ''وہ ان کی مالکہ بھی تھی''

اس لیے اس کی ہر بات حضرت یوسف علیہ السلام کو ماننی پڑتی تھی۔ اس کے کہنے پر

ہر کام کرنا بھی پڑتا تھا۔ اور پھر یہ کہ وہ غلام تھے اور غلام سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی مالکہ کی کسی بات پر ''ناں'' مت کرے۔

⊙......اور پھر یہ کہ!

هُوَ غَرِيْبُ الدِّيَارِ ''حضرت یوسف علیہ السلام پردیس میں تھے''

اپنے والد اور باقی خاندان سے سینکڑوں میل دور تھے۔ پردیس میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ اگر یہاں کوئی غلطی ہو بھی گئی تو بدنامی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ نہ آگے کسی کو پتہ کہ یہ کون ہے اور نہ پیچھے رپورٹ ہونے کی فکر۔ جبکہ اپنے وطن میں انسان پھر بھی گناہ کرنے سے ڈرتا ہے کہ ذرا سی خبر نکلی تو لوگ طعنہ دیں گے، بدنامی ہوگی، بلکہ وہ سوچتا ہے کہ میں چہرہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ جبکہ یہاں تو حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئی جانتا ہی نہیں تھا کہ یہ کہاں سے آئے ہیں۔ گویا اگر گناہ کا کوئی ارتکاب ہو بھی جاتا تو بدنامی کا کوئی ڈر نہیں تھا۔

⊙......پھر اگلی بات دیکھیے!

''عورت خوبصورت بھی تھی''

یہ بھی نہیں تھا کہ وہ کوئی عام سی عورت تھی۔ بلکہ بادشاہ نے جس کو اپنی بیوی کے طور پر چنا، وہ یقیناً اپنے وقت کی Beauty Queen (ملکۂ حسن) ہوگی۔ اور پھر اس کا لباس بھی بہت اچھا ہوگا جو اس کی خوبصورتی میں اور اضافہ کرتا ہوگا۔

⊙......اگلی بات سنیے!

''وہ عورت شان وشوکت والی بھی تھی''

وہ عورت نہ صرف خوبصورت تھی، بلکہ بادشاہ کی بیوی ہونے کی وجہ سے وہ فرسٹ لیڈی آف دی کنٹری بھی تھی۔ اس کی بات کو ماننے والے حشم و خدم بہت

◎......آگے بھی سنیے!

''اس کا خاوند اتنا نرم دل تھا کہ جب بات کھلی تو نہ تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر سے نکالا اور نہ ہی بیوی کو سزا دی''

جب حقیقت کھل کر سامنے آگئی تو پھر بھی حضرت یوسف علیہ السلام وہیں گھر میں ہی رہے، حالانکہ بات پورے شہر میں پھیل چکی تھی۔

◎......اگلی بات اس سے بھی زیادہ عجیب ہے:

''شہر کی عورتوں نے آکر بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو وہی ترغیب دی''

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ﴾

گویا عورتوں نے باجماعت آکر ترغیب دی کہ اپنی مالکہ کی بات مان لو۔

◎......اب آخری بات سنیے:

''اس عمل کو نہ کرنے پر جیل کی مشقتیں اٹھانے کی دھمکی بھی دی گئی''

شروع میں بہلانا پھسلانا تھا اور جب بات بنتی نظر نہ آئی تو پھر ڈرانا دھمکانا بھی کیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام گناہ سے کیسے بچے؟

اگر ہم ان تمام نکات کو ذہن میں رکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گناہ کرنے کے لیے پرفیکٹ ماحول تھا۔حالات بہت مناسب نظر آتے تھے۔ Suitable Circumstances (سازگار حالات) تھے۔مگر یوسف علیہ السلام اس حال میں بھی اس گناہ سے بچ گئے۔اس کی چار وجوہات تھیں

پہلی وجہ......قوت ایمانی

حضرت یوسف علیہ السلام کے گناہ سے بچنے کی پہلی وجہ ان کی قوتِ ایمانی تھی۔ان کا ایمان میں کمال اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ ان کا اس گناہ کی طرف میلان کرنا بھی بعید از قیاس تھا۔اس لیے کہ جب انسان کا ایمان راسخ ہو جاتا ہے تو پھر وہ سمجھتا ہے کہ اللہ رب العزت وہ ذات ہے جو بہت بڑی ہے۔یعنی اس کے دل میں اللہ رب العزت کی عظمت آجاتی ہے۔

﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرِ ﴾

''وہ ذات جانتی ہے آنکھوں کی خیانت کو اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہوا ہے''

پھر وہ ایمان انسان کے لیے برہان بن جاتا ہے۔اس کو اللہ کے وعدوں پر پکا یقین ہوتا ہے۔چنانچہ وہ اللہ رب العزت کے حکم توڑنے کی جرأت نہیں کرتا۔

اس امت میں بھی ایسے اللہ والے گزرے ہیں جنہوں نے زبردست قوت ایمانی کا مظاہرہ کیا۔مثال کے طور پر:

⊙......ایک تابعی کسی بادشاہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔بادشاہ کو اس کے دوستوں نے کہا کہ اگر تم اس شخص کو اپنے دین پر لے آؤ تو یہ تمہاری فوج کا سپہ سالار بن سکتا ہے۔اس لیے کہ اس کے سینے میں شیر کا دل ہے اور یہ بہت ہی بہادر شخص ہے۔چنانچہ بادشاہ سوچ میں پڑ گیا۔

اسی حالت میں بادشاہ اپنے گھر گیا۔اسے پریشانی کی سی کیفیت میں دیکھ کر اس کی بیٹی نے کہا: ابا جان! کیا ہوا؟ اس نے کہا: بیٹی! ایک شخص ایسا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اگر وہ ہمارے دین پر آجائے تو میں اس کو اپنی فوج کا سپہ سالار بناؤں، کیونکہ وہ بہت بہادر اور نڈر انسان ہے۔اس نے کہا: ابا جان! آپ مجھے حکم کر دیں، عورت

کے لیے مرد کو بہکانا کون سا مسئلہ ہے۔ بادشاہ نے اس کو اجازت دے دی۔

ایک ہفتہ تک وہ شہزادی بن سنور کے، اچھے کپڑے پہن کے ان کے پاس جاتی اور گھنٹوں بیٹھتی رہیں، مگر انہوں نے اسے ایک مرتبہ بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ چنانچہ ایک ہفتے کے بعد وہ خود ان سے پوچھنے لگی: آپ مجھے کیوں نہیں دیکھتے؟ انہوں نے کہا: یہ میرے اللہ کا حکم ہے کہ کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا بھی نہیں۔ یہ سن کر اس شہزادی کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کہنے لگی: جی! جیسے آپ بنے ہیں، کیا میں بھی ایسی بن سکتی ہوں کہ میرے اندر بھی اتنی Will Power (قوتِ ارادی) آجائے۔ انہوں نے جواب دیا: ہاں! تم بھی میرے جیسی بن سکتی ہو۔ پوچھنے لگی: کیسے بنوں؟ انہوں نے فرمایا: اس مقصد کے لیے تمہیں مسلمان ہونا پڑے گا۔ چنانچہ وہ انہی کے ہاتھوں مسلمان ہوگئی۔

جب انہوں نے کلمہ پڑھا دیا تو وہ پوچھنے لگی: اب کیا کریں؟ انہوں نے فرمایا: اب یہاں سے نکلنے کی صورت تم ہی نکالو۔ چنانچہ اس شہزادی نے وہاں سے ان کے نکلنے کی صورت یوں بنائی کہ والد سے کہا: ابا جان! پہلے تو یہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتا تھا، اب کچھ باتیں کرنے لگ گیا ہے، لیکن چونکہ وہ بند ماحول میں ہے، اس لیے اس کی طبیعت میں کچھ بندش سی ہے، اگر ہم باہر نکل کر کچھ گھومیں پھریں تو اس کی طبیعت بھی کھل جائے گی اور میری طرف بھی مائل ہو جائے گا، اس لیے آپ آؤٹنگ کے لیے گھوڑوں کا انتظام کردیں۔

چنانچہ بادشاہ نے گھوڑوں کا انتظام کر دیا۔ اس طرح وہ شہزادی اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اور وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس طرح دونوں وہاں سے واپس مسلمانوں کے سرحد میں آگئے، پھر وہاں سپہ سالار نے ان دونوں کا نکاح پڑھایا اور

یوں اللہ تعالیٰ نے ان کو میاں بیوی بنا دیا۔ ع

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے

یہ کیا چیز تھی؟ یہ اس تابعی کے دل میں قوت ایمانی تھی جس کی وجہ سے وہ عورت کے فتنے میں پڑنے سے بچ گئے۔

☆......ایک مرتبہ اندھیرے میں کوئی عورت گزر رہی تھی۔ایک مرد نے اس کو ہاتھ لگایا تو وہ کہنے لگی: ''اس ذات سے ڈر جو علیم اور خبیر ہے۔''

یعنی اس عورت نے اندھیرے میں بھی کہا: دیکھنے والے پروردگار سے حیا کر۔

☆......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک فوجی بہت عرصے سے گھر سے دور تھا۔ اس کی بیوی اپنے گھر کے اندر یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

تَطَاوَلَ هٰذَ اللَّيْلُ وَ اسْوَدَّ جَانِبُهٗ

وَاَرَقَّنِي اَنْ لَّا خَلِيْلَ اُلَاعِبُهٗ

فَوَاللّٰهِ لَو لَا اللّٰهُ اِنِّي اُرَاقِبُهٗ

لَحَرَّكَ مِنْ هٰذَا السَّرِيْرِ جَوَانِبُهٗ

وہ اس تنہائی اور اندھیرے میں اپنے خاوند کو یاد کر رہی تھی اور وہ یہ کہہ رہی تھی: اگر مجھے اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو آج اس گناہ میں میرے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔دراصل یہ قوتِ ایمانی جتنی زیادہ مضبوط ہوتی ہے اتنا ہی انسان اس گناہ سے آسانی سے بچ جاتا ہے۔

اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پر غور کیجیے!......میاں بیوی دونوں ذرا اچھے موڈ میں ہیں۔اس وقت اگر کمرے میں سویا ہوا بچہ تھوڑی سی کروٹ بدل لے تو بندے کی وہ کیفیت ہی ختم ہو جاتی ہے...... کیوں؟......اس لیے کہ بچہ جاگ گیا ہے۔ ذرا

سوچیں کہ ایک چھوٹے سے بچے کے جاگنے پر انسان کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو پھر اگر ایمان مضبوط ہو تو اس وقت بھی انسان کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔

دوسری وجہ......جذبہءوفا

حضرت یوسف علیہ السلام کے گناہ سے بچنے کی دوسری وجہ ''جذبہءوفا'' تھا۔عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا تھا: اَکْرِمِیْ مَثْوَاهُ ''اسے اچھی طرح سے گھر میں رکھو''۔یعنی اس کی پرورش کا خیال رکھو، اس کو کسی چیز کی کمی نہ ہونے دو، اس کو فنانشل سپورٹ بھی دو اور مارل سپورٹ بھی دو، تاکہ یہ بچہ اچھی پرورش پائے۔

یہ عزیزِ مصر کا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ احسان تھا۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ محسن کے ساتھ وفا کا ایک جذبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جب عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا تھا: ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ تو انہوں نے فوراً کہا تھا: ﴿مَعَاذَاللهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ﴾۔

بھئی! خیانت تو وہ کرتے ہیں جو نمک حرام ہوتے ہیں اور جو نمک حلال ہوتے ہیں وہ وفا کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

تیسری وجہ......اشتعال والے امور سے اجتناب

انسان اپنے آپ کو ان چیزوں سے بھی بچائے جو اس کو گناہ کے قریب لے جاتی ہوں۔مثال کے طور پر: زلیخا نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی طرف بلایا اور دوسری عورتوں نے بھی گناہ کی طرف بلایا، لیکن اب حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں رہنا پسند نہیں کیا، بلکہ فوراً کہا:

﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ﴾

''اے پروردگار! مجھے جیل میں جانا زیادہ پسند ہے (یہاں رہنے سے)''

بہر حال! انسان ایسے مواقع سے بھی بچے جن سے گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

آج کل سیل فون ایک مصیبت ہے۔ اور انٹرنیٹ اس سے بھی بڑھ کر مصیبت ہے۔ جس بچے اور جس بچی کو دیکھو اس کے ہاتھ میں سیل فون اور انٹرنیٹ ہے۔ نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ گناہ کے لیے محرکات زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی بچی انٹرنیٹ پر اپنا کام کرنے کے لیے بیٹھے تو سامنے ننگی تصویریں آجاتی ہیں۔ دراصل کفر نے امت مسلمہ کو راستے سے ہٹانے کے لیے ایک میڈیا وار (میڈیا کے ذریعے جنگ) شروع کی ہوئی ہے، تاکہ ان کے اندر سے غیرت نام کی چیز کو کھرچ کر نکال دیا جائے۔

مجھے ایک دن حیرت ہوئی۔ ایک بچہ جس کی عمر سترہ سال تھی۔ اٹھتی جوانی تھی۔ ابھی چہرے پر سنت کے آثار نظر آنے ہی لگے تھے، وہ آیا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں اور وہ رو رہا ہے...... اس کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی بڑا مسئلہ ہے...... چنانچہ میں نے پوچھا: بچہ! کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا: جی میں دعا کے لیے آیا ہوں۔ میں نے پوچھا: کیا دعا کروانی ہے؟ وہ کہنے لگا: جی آپ میری نانی کے لیے دعا کر دیں۔ میں نے حیرت سے پوچھا: نانی کے لیے؟ وہ کہنے لگا: جی ہاں! ان کی عمر پچھتر سال کے قریب ہے اور وہ روزانہ پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے انٹرنیٹ پہ بیٹھ کے ننگی تصویریں دیکھتی ہے۔

حق تو یہ تھا کہ پچھتر سال کی نانی سترہ سال کے لڑکے کے لیے دعا کرواتی کہ اس کو شہوت نے اندھا کر دیا ہے، اس لیے میرے اس بچے کے لیے دعا کر دیں۔ اس کے برعکس وہ بچہ آکر کہتا ہے: میری نانی کے لیے دعا کر دیں۔ میرے نانا فوت ہو گئے ہیں، نانی کے پاس فرصت ہوتی ہے، مال و دولت بہت ہے اور وہ پانچ چھ گھنٹے انٹرنیٹ پہ بیٹھ کر پورنوگرافی دیکھ رہی ہوتی ہے۔

اگر بچی کو کہیں سے کال آجائے تو اس کو جواب دینے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ کوئی الٹا سیدھا میسج آجائے تو اس کو ریسپانڈ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ یہ چیز انسان کو پھر کھینچ کے لے جاتی ہے۔ ایک بات سے دوسری بات، دوسری سے تیسری، اور پھر باتوں کا سلسلہ ہی شروع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ناول کا پڑھنا، ڈائجسٹوں کا پڑھنا، سٹوریز کا پڑھنا، ڈرامے کا دیکھنا، فلموں کا دیکھنا، موسیقی کا سننا، یہ سب ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں۔ جیسے روایت میں آیا ہے کہ موسیقی انسان کے دل میں گناہ کے خیال کو اس طرح پیدا کرتی ہے جس طرح بارش کے برسنے سے کھیت کے اندر کھیتی پیدا ہو جاتی ہے۔

آج حالت یہ ہے کہ ماں باپ زیادہ پیسے خرچ کر کے بڑی سکرین والا ٹی وی لا کر گھر میں رکھتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بچوں کے لیے بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو نوجوانوں کو برائی کی طرف کھینچتی ہیں۔ چنانچہ ایسے عوامل جو انسان کو گناہ کی طرف مائل کریں ان سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

چوتھی وجہ......استحضارِ انجام

گناہ کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

''بے شک ظالم کبھی فلاح نہیں پاتا''

جب یہ چار باتیں طبیعت کے اندر راسخ ہوں تو انسان پھر گناہوں سے خود بخود محفوظ ہو جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے یہ چاروں صفات عطا فرمائی تھیں، جس کی وجہ سے وہ گناہ سے بچے اور گناہ کی دعوت ملنے پر انہوں نے فوراً کہا: مَعَاذَ اللّٰهِ، ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''۔

فائدہ 84

مخلص بندے کے ایمان کی اللہ حفاظت فرماتے ہیں

اَنَّ مَنْ دَخَلَ الْاِ یْمَانُ قَلْبَهٗ وَكَانَ مُخْلِصاً لِّلّٰهِ فِیْ جَمِیْعِ اُمُوْرِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ یَدْفَعُ عَنْهُ بِبُرْهَانِ اِیْمَانَهٗ

’’جس بندے کے دل میں ایمان اچھی طرح داخل ہو جاتا ہے اور تمام امور میں اللہ کے لیے مخلص ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دلیل کے ذریعے اس کے ایمان کی حفاظت فرماتے ہیں‘‘

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ﴾

فائدہ 85

تکلیف اٹھالینا بہتر ہے گناہ کرنے سے

اَنَّ یُوْسُفَ عَلَیْهِ السَّلَام اِخْتَارَ السِّجْنَ عَلَى الْمَعْصِیَةِ ، فَهٰكَذَا یَنْبَغِی لِلْعَبْدِ اِذَا بُتِلِیَ بَیْنَ اَمْرَیْنِ اِمَّا مَعْصِیَةٍ ،وَاِمَّا عَقُوْبَةٍ اَنْ یَخْتَارَ الْعَقُوْبَةَ الدُّنْیَوِیَّةَ عَلَى الذَّنْبِ

اگر انسان ایسے حال میں پھنس جائے کہ یا تو گناہ کرنا پڑے یا دنیا کی تکلیف اٹھانی پڑے تو تکلیف اٹھانے کو اختیار کرے اور گناہ کو اختیار نہ کرے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کو اختیار کرلیا تھا مگر گناہ کی طرف مائل نہیں ہوئے تھے۔

فائدہ 86

گناہوں کے اسباب میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے

اَنَّهٗ يَنۡبَغِيۡ لِلۡعَبۡدِ اَنۡ يَّلۡتَجِيۡ اِلَى اللّٰهِ عِنۡدَ وَجُوۡدِ اَسۡبَابِ الۡمَعۡصِيَةِ

”آدمی کو چاہیے کہ جب گناہ کے ایسے اسباب ہوں تو وہ اللہ کی طرف رجوع بھی کرے“

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:

وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّيۡ كَيۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَيۡهِنَّ وَ اَكُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِيۡنَ

فائدہ 87

مفتی اہم بات پہلے سمجھائے

اَنَّهٗ اِذَا سُئِلَ الۡمُفۡتِيَ ، وَكَانَ السَّائِلُ حَاجَتُهٗ، فِيۡ غَيۡرِ سُؤَالِهٖ اَشَدُّ يَنۡبَغِيۡ لَهٗ اَنۡ يُعَلِّمَهٗ مَا يَحۡتَاجُ اِلَيۡهِ قَبۡلَ اَنۡ يُجِيۡبَ سُؤَالَهٗ

”جب کوئی بندہ مفتی سے سوال پوچھے تو مفتی کو چاہیے کہ اس بندے کو جس بات کے سمجھانے کی ضرورت ہے، پہلے وہ سمجھائے، بعد میں اس کے سوال کا جواب دے“

جیسے دو بندوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: خواب کی تعبیر تو میں تمہیں بتاتا ہوں مگر اس سے پہلے تمہیں ایک اہم بات بتاتا ہوں جو تمہارے ایمان کی سلامتی کے لیے ضروری ہے۔ یوں حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور شرک سے ان کو دور کیا۔ یہ بات ان کے لیے خواب کی تعبیر دینے سے زیادہ اہم تھی۔

فائدہ 88

مصیبت سے نکلنے کے لیے معاون بنانا جائز ہے

اَنَّ مَنْ وَقَعَ فِیْ مَکْرُوْہٍ وَشِدَّۃٍ ، لَا بَأْسَ اَنْ یَسْتَعِیْنَ بِمَنْ لَہٗ قُدْرَۃٌ عَلٰی تَخْلِیْصِہٖ

''اگر کوئی بندہ کسی مشکل میں پھنس جائے تو اس کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس مصیبت سے نکلنے کے لیے کسی کو اپنا معاون بنالے، جو اس کی مشکل حل کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو۔''

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿اذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ﴾

جیل کے دو ساتھیوں میں سے جو ساقی تھا اس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ جب تو یہاں سے بچ کے جائے، یعنی رہا ہو جائے تو تُو اپنے مالک کے سامنے میرا بھی تذکرہ کر دینا۔

فائدہ 89

سوال کے متعلق ضروری بات سمجھا دینی چاہیے

اَنَّہٗ یَنْبَغِیْ لِلْمَسْئُوْلِ اَنْ یَدُلَّ السَّائِلَ عَلٰی اَمْرٍ یَنْفَعُہٗ مِمَّا یَتَعَلَّقُ بِسُؤَالِہٖ۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انہوں نے صرف خواب کی تعبیر ہی نہیں بتائی کہ سات سال اچھے آئیں گے اور سات سال قحط کے آئیں گے،

بلکہ انہوں نے ساتھ اس سے بچنے کی تجویز بھی بتائی کہ گندم کو خوشے میں رہنے دینا اور اتنی ہی استعمال کرنا جتنی گندم کی ضرورت ہو، اس لیے کہ یہ سات سال کی گندم تمہیں اگلے سات سال کام آئے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی بندہ سوال پوچھے تو اس سوال سے متعلقہ کوئی بات جو اس کے فائدے کی ہو، جواب دینے والے کو وہ بات بھی ضرور بتا دینی چاہیے۔

فائدہ 90

تہمت کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے

اَنَّهٗ لَا يُلَامُ الاِنْسَان عَلَى السَّعْيِ فِيْ دَفْعِ التُّهْمَةِ عَنْ نَّفْسِهٖ

''انسان کے لیے یہ اچھا ہے کہ وہ اپنے سے تہمت دور کرنے کے لیے کوئی قدم اٹھائے''

جیسے بادشاہ نے آدمی کو بھیجا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے لاؤ تو جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جیل سے نکلنے کی بات تو بعد میں کریں گے، پہلے یہ بتاؤ کہ عورتوں نے جو تہمت لگائی تھی، اس کا معاملہ کیا ہوا؟...... اس طرح انہوں نے اپنے سے تہمت کو دور فرما دیا۔

فائدہ 91

فتوی دینا مفتی کا کام ہے

اَنَّ تَعْبِيْرَ الْمُرَائِيْ دَاخِلٌ فِى الْفَتْوٰى

''خواب کی تعبیر فتویٰ دینے کی مانند ہے''

فتویٰ دینا مفتی کا کام ہے، یہ کام ہر بندہ نہیں کرسکتا۔ فتویٰ وہ دے سکتا ہے جس نے

......علم پڑھا ہو

......پھر تخصص کیا ہو

......اصول وکلیات پر اس کی نظر ہو

......پھر اساتذہ کے ساتھ رہ کر بہت عرصہ فتویٰ لکھنے کا کام کیا ہو۔

جیسے ڈاکٹر لوگ ہاؤس جاب کرتے ہیں اسی طرح مفتیوں کو بھی بڑے حضرات کے ساتھ ہاؤس جاب کرنی پڑتی ہے۔ دس پندرہ سال بڑوں کے ساتھ رہ کر کچھ رسوخ پیدا ہوتا ہے اور پھر انسان خود لکھنے کے قابل ہو جاتا ہے......آج کے دور میں تو مفت سے مفتی بہت سارے ہیں۔

حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کا واقعہ سنایا کرتے تھے: میں حرم میں گیا۔ مقام ابراہیم پر دعا مانگ رہا تھا تو میں نے کہا: اللہ! ساری دنیا مجھے مفتی کہتی ہے، چلو مفت میں مفتی سہی، تو بھی مجھے مفت میں معاف فرما دے۔

فائدہ 92

نفع رسانی کی خاطر اپنا کمال لوگوں میں بیان کرنا جائز ہے

اَنَّهٗ لَا بَأْسَ اَن يُّخْبِرَ الْاِنْسَانُ عَمَّا فِیْ نَفْسِهٖ مِنْ صِفَاتِ الْكَمَالِ اِذَا كَانَ فِیْ ذَالِكَ مَصْلِحَةٌ

''جب کوئی مصلحت ہو تو بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے کمالات یا صفات لوگوں

کے سامنے اس وقت بیان کردے تاکہ لوگ اس کے نقصان سے بچ جائیں اور فائدہ اٹھاسکیں''

یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا تھا:

﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّي حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ﴾

یعنی خواب کی تعبیر تو میں نے بتادی، اب اگر آپ کو اس کے انتظام کرنے میں کوئی دشواری محسوس ہورہی ہے تو یہ آپ کے لیے مشکل ہے، میرے لیے بڑا آسان ہے، کیونکہ مجھے اللہ نے علم دیا ہے، مجھے اللہ نے امین بھی بنایا ہے، اس لیے اگر آپ مجھے خزانوں پر نگران متعین کردیں تو میں یہ کام بحسن وخوبی انجام دے دوں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ کہنا اس ملک کے عوام کے فائدے کی خاطر تھا، عہدہ لینے کی خاطر نہیں تھا۔

فائدہ 93

ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے

اَنَّ جِبَايَةَ الْاَرْزَاقِ اِذَا اُرِيْدَ بِهَا التَّوْسِعَةُ عَلَى النَّاسِ لَا بَأْسَ بِهَا

گندم کا یا ایسی چیزوں کا جمع کرلینا، تاکہ جب لوگوں کو نہ مل سکے اس وقت ان کو فراہم کی جائے، یہ تو ٹھیک ہے، لیکن فقط نفع بنانے کی نیت سے گندم میں کمی کرتے ہوئے مہنگے داموں میں بیچنا، ذخیرہ اندوزی کہلاتی ہے، اور یہ ممنوع ہے۔

اس میں نیت کا فرق ہے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))

بہت ہے، میں محفوظ کر لیتا ہوں، جب یہ چیزیں عام نہیں ہوں گی تو میں اس وقت لوگوں میں سپلائی کروں گا تا کہ ان کو فائدہ ہو، یہ جائز صورت ہے۔ اور ایک بندہ اس لیے ذخیرہ کرتا ہے کہ میں اب جمع کر رہا ہوں، جب کسی کے پاس نہیں ہوگی تو پھر میں اس کی قیمت بڑھا کر پانچ گنا مہنگا بیچوں گا، اب یہ صورت ناجائز ہو جائے گی۔

فائدہ 94

اللہ والوں کی تنگی اور آسانی میں آزمائش ہوتی ہے

اَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ وَعُلِمَ مِنْ ذَالِكَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْتَلِيْ اَوْلِيَاءَهٗ بِالشِّدَّةِ وَالرَّخَاءِ

''تنگی کے ساتھ کشادگی حاصل ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو تنگی میں بھی آزماتے ہیں اور فراخی میں بھی آزماتے ہیں''۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ابتدا میں تنگی کے حال میں آزمایا اور پھر ان کو آسانی کے حال میں بھی آزمایا۔

فائدہ 95

تنگ دستی کا اظہار کرنا جائز ہے

جَوَازُ اِخْبَارُ الْاِنْسَانِ بِمَا يَجِدُ مِنْ مَرَضٍ اَوْ فَقْرٍ وَنَحْوِهِمَا

''یہ بھی جائز ہے کہ اگر انسان پر تنگ دستی ہو، یا کوئی بیماری ہو تو وہ دوسرے کے سامنے اپنی اس حالت کا اظہار کر سکتا ہے''۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ ﴾

فائدہ 96

اللہ متقی کے اجر کو ضائع نہیں کرتے

فَضِیْلَةُ التَّقْوٰی وَالصَّبْرِ

''تقویٰ اور صبر کو فضیلت حاصل ہے''

اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾

فائدہ 97

نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے

اَنَّهٗ یَنْبَغِیْ لِمَنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ بِنِعْمَةٍ اَنْ یَعْتَرِفَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَیْهِ

''بندے کو چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں عطا فرمائے تو وہ ان نعمتوں کا شکر بھی ادا کرے اور اللہ رب العزت کی احسان مندی بھی اختیار کرے''۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ ﴾

فائدہ 98

دنیا کی فراخی میں آخرت کو یاد رکھا جائے

اَنَّهٗ يَنْبَغِيْ لِلْعَبْدِ اَنْ يَتَمَلَّقَ اِلَى اللّٰهِ دَائِمًا وَّيَسْئَلُ اللّٰهَ حُسْنَ الْخَاتِمَةِ

''بندے کو چاہیے کہ اگر اس پر دنیا کی فراخی ہو تو وہ اس وقت میں بھی اپنی آخرت کو ضرور یاد کرے''

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ دیکھیے کہ ان کو بادشاہی ملی اور ہر نعمت ان کے قدموں تھی، اور عین اس نعمت کا تذکرہ کرتے کرتے وہ کہتے ہیں:

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾

سورۂ یوسف کا لبِّ لباب:

اب پوری سورت کا لب لباب سمجھ لیجیے......اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں دو جماعتوں کا تذکرہ کیا۔ ایک جماعت اخوان یوسف اور ایک جماعت خود حضرت یوسف علیہ السلام۔ وہ اکیلے تھے لیکن ایک جماعت تھے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ ''بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک امت (جماعت) تھے''۔ جیسے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں، اپنی ذات میں ایک ادارہ ہوتے ہیں، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام بھی اکیلے تھے لیکن اپنی ذات میں ایک جماعت تھے۔

جب ان میں سے پہلی جماعت ''اخوان یوسف'' پر گناہ کا موقع آیا تو انہوں نے

یہ فیصلہ کیا کہ یہ گناہ کر لیتے ہیں اور بعد میں پھر ہم توبہ کر کے نیک بن جائیں گے۔ پھر ان کا انجام پستی اور ذلت والا ہوا۔ اور جب دوسری جماعت حضرت یوسف علیہ السلام پر گناہ کا موقع آیا تو انہوں نے ﴿مَعَاذَاللّٰہ﴾ کہہ کر اپنے آپ کو گناہ سے بچایا اور اللہ رب العزت نے ان کو عزت کا مقام عطا فرمایا۔

اس سورت سے سبق یہ ملا کہ جو گناہ کرے گا وہ بالآخر دنیا کے اندر پریشان ہوگا، اور جو نیکی کرے گا اسے اللہ رب العزت بالآخر عزتوں سے نوازیں گے۔ یعنی ہر دور اور ہر زمانے میں جو بندہ اخوان یوسف کی طرح معصیت کا مرتکب ہوگا وہ تنگی میں پہنچے گا اور جو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح گناہوں سے بچے گا وہ عزتوں سے نوازا جائے گا۔

فائدہ 99

واقعہ کے چھ کردار اور ان کا انجام

اس واقعہ کے اندر مختلف کردار ہیں۔ ہر کردار کا اپنا عمل اور اپنا انجام ہوا۔

① حضرت یعقوب علیہ السلام:

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بیٹے کی جدائی پر صبر کرنا پڑا۔ انہوں نے مخلوق کے سامنے اس کی شکایت نہیں کی۔ بلکہ انابت الی اللہ اور رجوع الی اللہ کے ساتھ صبر کرتے ہوئے انہوں نے اس غم کو برداشت کیا۔ بالآخر ان کو ان کا مقصود مل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت یوسف علیہ السلام اور باقی بیٹوں کو ملا دیا۔

② حضرت یوسف علیہ السلام:

حضرت یوسف علیہ السلام بے سہارا تھے۔ پردیس میں تھے۔ ان کو گناہ کی دعوت ملی

،مگر وہ گناہ سے بچ گئے۔ لیکن پھر جیل بھی کاٹنی پڑی۔ انہوں نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہ بنادیا۔

۳ اخوانِ یوسف:

حضرت یوسف علیہ السلام کو مٹانے کے لیے اخوانِ یوسف نے حسد کی وجہ سے گناہ کیا...... نتیجہ کیا نکلا؟...... کہ ایک ایسا وقت آیا کہ ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ذلیل ہونا پڑا۔

۴ عزیزِ مصر:

اس نے اپنی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بھلائی چاہی اور گھر میں بیوی سے کہا: اس کی پرورش کا خیال رکھو، اچھی طرح پالو...... نتیجہ کیا نکلا؟...... کہ جب قحط کے سال آئے تو اس وقت عزیزِ مصر کے ملک کو سنبھالنے والا پورے ملک میں کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔ اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہترین منتظم بنا کر تخت پر بٹھایا اور یوں اس بادشاہ کے بوجھ کو انہوں نے ہی اٹھایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم احسان کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی جواب میں تمہارے ساتھ احسان کا معاملہ فرمائیں گے۔

۵ زلیخا:

عزیزِ مصر کی بیوی زلیخا اپنے نفس کے تقاضے پر چلی اور معصیت کا ارتکاب کیا...... نتیجہ کیا نکلا؟...... کہ اس کے حصے میں ندامت آئی۔

۶ زنانِ مصر:

شہر کی کچھ عورتیں بھی گناہ کے لیے معاون بنیں...... نتیجہ کیا نکلا؟...... کہ ان کے حصے میں بھی ندامت آئی۔

یہ کردار اس لیے بتائے گئے کہ لوگو! جب تم اپنی زندگی گزارو گے تو تمہیں بھی اپنی زندگی میں مختلف حالات پیش آئیں گے۔ وہ کیسے؟

☆ ......کبھی تمہاری مثال حضرت یعقوب علیہ السلام کی مانند بنے گی تو تم صبر کر لینا، یوں تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔

☆ ......کبھی تم پر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح آزمائش آئے گی، گناہ کا پھندا پھینکا جائے گا تو تم صبر اور تقویٰ کو اپنے ساتھ مضبوطی سے رکھنا، اللہ تعالیٰ تمہیں عزتوں سے نوازیں گے۔

☆ ......کبھی تمہیں کسی کے ساتھ حسد آنے لگ جائے گا، تو اخوان یوسف کی ذلت سامنے رکھنا، اس کے باوجود اگر تم نے حسد کیا تو تمہیں بھی ندامت مل کر رہے گی۔

☆ ......اگر کبھی تم نے کسی کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا برتاؤ کیا تو ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ کے مصداق تمہارے ساتھ بھی بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے گا۔

☆ ......اگر تم بھی کبھی زلیخا کی طرح نفس کے تقاضے پر چلے تو یاد رکھنا کہ تمہیں بھی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

☆ ......اگر زنانِ مصر کی طرح تم کبھی گناہ میں معاون بنو گے تو ان کی طرح تمھیں بھی ندامت اٹھانا پڑے گی۔

ہمیں ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم کس پوزیشن میں ہیں۔

......اگر تنگی میں ہوں تو صبر کرنا چاہیے

......اگر اگر گناہ کی دعوت ملے تو دور بھاگنا چاہیے

......اگر دل میں حسد ہو تو اسے چھوڑنا چاہیے
......اگر کسی کے ساتھ خیر خواہی کی ضرورت پیش آجائے تو ضرور کرنی چاہیے۔
......اگر نفس کے تقاضے زور پکڑتے نظر آئیں تو ان کو دبانا چاہیے۔
......اگر کبھی گناہ کے کام میں معاون بن رہے ہوں تو اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔

کئی دفعہ بیٹا ماں سے نہیں بولتا، شادی ہونے کے بعد وہ ماں باپ کے گھر نہیں آتا، اب اس ماں کی مثال حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح ہوگئی کہ اس ماں کا یوسف (بیٹا) اس سے جدا ہو گیا، اس صورت میں وہ صبر کرے۔

بعض اوقات ساس اپنی بہو کے ساتھ ایک جنگ چھیڑ دیتی ہے اور گھر میں ایک عجیب سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور کئی دفعہ بیوی کی وجہ سے بیٹا اپنی ماں سے دور ہوتا ہے کہ وہ اس کی ماں کی برائیاں بیان کرتی رہتی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے برائیاں بیان کرتی ہے۔ ہم نے تو بعض گھروں کے بارے یہ حالات بھی سنے کہ بہو کو فریج کا دروازہ کھولنے کی اجازت بھی نہیں ہوتی۔ ساس سے پوچھنا پڑتا ہے تب وہ دروازہ کھول سکتی ہے۔ ایسی حکومتیں ہوتی ہیں ساسوں کی، اس لیے تو وہ ساس سے ڈرتی ہیں۔

ایک مرتبہ یہ عاجز انگلینڈ میں تھا۔ وہاں کسی عورت نے سوال پوچھا: جی! مرد کی چار شادیاں ہو سکتی ہیں تو عورت کی کیوں نہیں ہو سکتیں؟ میں نے اسے بڑا سمجھایا۔ لیکن پندرہ بیس منٹ تک اسے بات سمجھ نہیں آئی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ یہ نہ سمجھنے کی نیت لے کے بیٹھی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا: اچھا سنو! مرد کی چار شادیاں ہو سکتی ہیں، اگر تمہاری بھی چار شادیاں ہوں تو پھر تمہاری ساسیں بھی چار ہوں گی اور اسی طرح نندیں بھی پندرہ سولہ ہوں گی۔ جیسے ہی میں نے چار ساسوں کا

نام لیا تو وہ فوراً کہنے لگی: حضرت! نہیں، بس ایک ہی ٹھیک ہے۔ عورتیں ساس سے اتنا ڈرتی ہیں......!!!

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو احسن القصص فرمایا۔ دیکھو! تم زندگی کے کسی حال میں بھی ہو، اگر تم اس واقعہ پر غور کرو گے تو تمہیں کہیں نہ کہیں ملتا جلتا کردار نظر آئے گا۔ اگر تمہیں کہیں ایسا کردار نظر آجائے تو تمہیں روشنی بھی مل جائے گی کہ مجھے اب کیا کرنا ہے؟ ایسے کروں گا تو ذلت ملے گی اور ایسے کروں گا تو عزت ملے گی۔ اس طرح تم ذلت سے بچ جاؤ گے اور عزت حاصل کرنے والے بن جاؤ گے۔

فائدہ 100

قصہ کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کے ساتھ مماثلت

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ کو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت حاصل ہے۔ وہ کیسے؟

① ......حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبی۔

② ......حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کے مکر کا سامنا کرنا پڑا اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ، جو آپ کے چچا اور اقربا تھے، ان کے مکر کا سامنا کرنا پڑا۔

③ ......حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنویں کے اندر بند کر دیا اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رشتہ داروں نے شعب ابی طالب میں دو سال کے لئے بند کر دیا۔

④ ...... بھائیوں کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو پردیس میں جا کر رہنا پڑا اور قریش مکہ (رشتہ داروں) کی وجہ سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا سفر کرنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت کعبہ کو دیکھ کر فرمایا: بیت اللہ! میں تجھ سے دور نہیں

جانا چاہتا، لیکن اس شہر کے لوگ مجھے رہنے نہیں دیتے۔ میرے آقا ﷺ کی مبارک آنکھوں میں آنسو ہیں اور آپ ہجرت کے سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں۔

۵...... جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شاہی عطا فرمادی، اور جب اللہ کے حبیب ﷺ ہجرت کر کے گئے تو اللہ تعالیٰ نے محبوب ﷺ کو مدینہ میں شاہی عطا فرمادی۔

۶...... ایک وقت آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے بھائیوں نے معافی مانگی، وہ معافی بھی مانگ رہے تھے اور یہ بھی کہہ رہے تھے ﴿لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ﴾ ''بے شک اللہ نے آپ کو ہمارے اوپر فوقیت دے دی، یقیناً ہم ہی خطا کار تھے''۔ اور بھائیوں کی اس بات کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾۔ اور ایک وقت وہ بھی آیا جب فتح مکہ کے دن قریش مکہ نے بیت اللہ کے سامنے آکر یہی الفاظ کہے تھے اور اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا تھا: ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل نہیں ہوئی، بلکہ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب یہ سب حالات سامنے نہیں آئے تھے اس وقت اللہ رب العزت نے اس سورت کو نازل کر کے اپنے محبوب ﷺ کو لائحہ عمل اور روڈ میپ دے دیا تھا۔ گویا یہ فرمایا: اے میرے محبوب! آپ گھبرائیں نہیں، آپ کے اوپر یہ حالات آئیں گے کہ یہ تمہارے رشتہ دار قریشِ مکہ تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے، آپ پریشان نہ ہونا، بلکہ ''اپنے رب کے لئے صبر کرنا''۔ دیکھیں! آپ سے پہلے ہمارے پیارے یوسف علیہ السلام کے ساتھ اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا اور وہی واقعہ آپ کے ساتھ ریپیٹ ہونے لگا ہے، ہم وہی واقعہ آپ کے سامنے کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ آپ جب بھی اس واقعہ کو غم کی حالت میں پڑھیں

گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو تسلی دے دیں گے۔ ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ اس واقعہ کو اللہ رب العزت نے اس لیے اَحْسَنَ الْقَصَصِ فرمایا کہ اللہ کے حبیب ﷺ اس واقعہ کو پڑھا کرتے تھے اور ان کے دل کو سکون ہو جایا کرتا تھا۔

فائدہ 101

خلیفۃ اللہ فی الارض کی صفات

وہ مرد جس کو اللہ رب العزت حسنِ صورت اور حسنِ سیرت عطا فرمائیں وہ ''مردِ کامل'' کہلاتا ہے۔ پھر اگر اس کے اندر دو اور چیزیں بھی آ جائیں، ایک علمِ کامل اور دوسری عملِ کامل، تو پھر وہ ''مومنِ کامل'' بن جاتا ہے۔ یعنی اب اللہ نے اسے علم بھی دے دیا اور پھر اس علم پر عمل بھی دے دیا۔ اس طرح یہ اللہ کا مقبول بندہ اور ٹھوس ایمان والا مومن کامل بن گیا۔ اگر اس مومن کامل میں دو صفات اور بھی آ جائیں تو وہ خَلِیْفَةُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ بن جاتا ہے۔ وہ دو چیزیں کونسی ہیں؟ ان میں سے ایک چیز سیاسی بصیرت اور دوسری اقتصادی بصیرت ہے۔ گویا مومن کا مقام نیچے ہوتا ہے اور خَلِیْفَةُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ کا مقام بلند ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حسنِ سیرت اور حسن صورت، علمِ کامل اور عمل کامل تو عطا کیے ہی تھے مگر اس کے علاوہ ان کے اندر سیاسی بصیرت اور اقتصادی بصیرت بھی بدرجۂ اتم موجود تھی، اور یہی چیز ان کو بادشاہی ملنے کا سبب بن رہی تھی۔ وہ ایسا کام جانتے تھے جو کوئی مقامی بندہ نہیں جانتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ قحط کے دوران انتظام کیسے چلانا ہے۔ گویا جس بندے کے اندر یہ چھ چیزیں آ جاتی ہیں وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے حکم کو لاگو کرنے کا اہل بن جایا کرتا ہے۔ یہ اللہ کا سب سے

یادرکھیں! جس بندے کو ایمان میں کمال حاصل ہو جاتا ہے، وہ فقط مصلّے پر بیٹھ کر عبادت کرسکتا ہے، زاہد بن سکتا ہے، تہجد گزار بن سکتا ہے، اللہ کا مقبول بندہ بن سکتا ہے، مگر وہ خَلِیْفَةُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ کا درجہ نہیں پا سکتا۔ اسے اس درجے پر بھی قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندہ دنیا میں میرے حکموں کو لاگو کر کے دکھائے اور ایسا بنے کہ میرے بندوں کو میرے حکموں کے مطابق زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کر سکے۔ ایسے نیک بندے کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

اگر آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو دیکھیں تو ان کے اندر آپ کو ایمانِ کامل کے ساتھ ساتھ سیاسی اور اقتصادی بصیرت بھی واضح طور پر نظر آئے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صفات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال دیکھ لیجیے۔

☆......انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں پولیس کا نظام بنایا۔

☆......انہوں نے اس زمانے میں طائف کے علاقے میں پینسٹھ ڈیم بنوائے تھے۔

ان کو یہ اقتصادی بصیرت حاصل تھی کہ یہاں بارش ہوتی ہے اور پھر بارش کا پانی ضائع ہو جاتا ہے۔ اس پانی کو روک لیں تاکہ وہ کھیتی کرنے کے کام

آ سکے۔ انہوں نے یہ ڈیم بنوا کر ثابت کر دیا کہ خَلِیْفَةُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ کو اقتصادی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

☆......ان کے اندر فہم اتنی تھی کہ انہوں نے دنیا میں جن لوگوں کو گورنر بنایا، وہ واقعی اس کام کے اہل نکلے۔ گویا وہ اس بات کی سمجھ رکھتے تھے کہ کون سا بندہ کس کام کا اہل ہے اور کس کام کا اہل نہیں ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر یہ سب خوبیاں پیدا کر دی تھیں۔ چنانچہ وہ جہاں بھی گئے انہوں نے ملکوں کو آباد کر دیا، اور انہوں نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ رب العزت کی غلامی پر لگا دیا۔

حضرت ربعی رضی اللہ عنہ بن عامر کا تاریخ ساز خطاب:

اسی لیے حضرت ربعی رضی اللہ عنہ بن عامر نے کسریٰ کے دربار میں کھڑے ہو کر یہ کہا تھا:

جِئْنَا لِنُخْرِجَ الْعِبَادَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلٰی عِبَادَةِ رَبِّ الْعِبَادِ وَ مِنْ جَوْرِ الْاَدْیَانِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ وَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا اِلٰی سِعَةِ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ

''ہم اس لیے آئے ہیں کہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے پروردگار کی بندگی سکھا دیں، اور ادیان کے ظلم سے نکال کر ان کو اسلام کے عدل پر لے آئیں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت میں لے جائیں''

حقیقت یہ ہے کہ جو مومن کامل خلیفہ کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اللہ تعالیٰ پھر اسے عزتیں عطا فرماتے ہیں۔ یہ چیز تب ممکن ہے جب ہمارے اندر یہ چھ صفات ہوں گی۔

شاعرِ مشرق کی نظر میں خَلِیفَةُ اللّٰہ کا مقام

خَلِیفَةُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ ہی ایک ایسا مردِ قلندر ہوتا ہے جس کا تذکرہ شاعرِ مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں یوں کیا:

نہ تاج و تخت میں، نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہانِ تازہ تری آہِ صبح گاہ میں ہے

یہ مومن جب رات کو تہجد کے وقت میں بیٹھ کر اللہ کے سامنے دامن پھیلاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ دنیا کے جغرافیے کو بدل کر رکھ دیا کرتے ہیں۔ ایک وقت ایسا تھا کہ ہمارے اکابر رات کے وقت ہاتھ پھیلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ صبح کے وقت قلعوں کے دروازے کھلوا دیا کرتے تھے۔

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا

ایک وہ وقت بھی تھا، جب مومن کے دل میں ایمان کی حرارت ہوتی تھی اور پھر

اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستے ہموار کر دیا کرتے تھے۔

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا
حکم دیتا تھا تو دریا کو وہ رستہ چھوڑ دیتا تھا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیسی کیسی ہستیوں کو بنایا کہ جن کے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اللہ کے احکام لاگو ہو چکے تھے، پھر اللہ رب العزت نے ان کے لیے اس زمین کو ہموار فرمایا تھا، ان کو ایسی قوتِ جذب ملی تھی کہ

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ
وہ بندگی خدائی یہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ
تعمیرِ آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
اہلِ جنوں کے حق میں بجلی ہے آشیانہ
اے لا الہ کے وارث باقی نہیں ہیں تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ ، کردارِ قاہرانہ
غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

اللہ رب العزت ہمیں ان اکابرین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اگر مومن کامل اپنے اندر مزید دو صفات پیدا کر لے تو وہ اس دنیا میں اللہ کے قوانین کو لاگو کرنے کا اہل بن جاتا ہے۔ شاعر نے یہی کہا۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی

ایسے بندے کو پھر اللہ رب العزت اس دنیا میں عزتوں کا مقام عطا فرماتا ہے۔
علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات بھی کہی ہے:

کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیرِ مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی

جب بندہ مومنِ کامل بن جاتا ہے تو وہ اللہ کی تقدیر پر راضی ہوتا ہے۔
مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے مقام کو پہچانے کہ اللہ نے اس کو کس عزت سے نوازا ہے۔ وہ دنیا میں لوگوں کے سامنے کشکول لے کر جانے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ وہ اللہ سے لے اور اللہ کی مخلوق کو دے۔ اللہ کے خزانے بہت وسیع ہیں۔ فرمایا:

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تُو زباں تُو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تُو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تُو ہے
مکاں فانی مکیں آنی ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تُو جاوداں تُو ہے
حنا بند عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تُو ہے

ہم ابراہیمی نسبت رکھنے والے ہیں۔ جہان کے معمار ہیں۔ اس لیے آج یہ نیت

کر لیجیے کہ ہم آج تک جو گناہ کرتے رہے، ہم ان سے سچی پکی توبہ کر کے سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرح اپنے اندر یہ چھ صفات پیدا کریں گے، تا کہ ہم اس دنیا میں اللہ رب العزت کے دین کی سربلندی کے لیے کام آسکیں۔

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ذلتوں سے نکل کر عزتوں کی طرف آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ پستی سے نکال کر بلندی کی طرف لے جائے اور اللہ ہمیں فسق و فجور کی زندگی سے نکال کر اپنی رضا والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۂ یوسف کے یہ فوائد بیان کرنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ نوجوانوں کو بتایا جائے کہ اس واقعہ میں ان کے لیے ایک بہترین کردار پیش کیا گیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ تمہارا آئیڈیل کون ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام میرے آئیڈیل ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میرے آئیدیل ہیں۔ اللہ رب العزت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی ذلت کے ماحول سے نکال کر عزتوں کا مقام عطا کیا اور اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یتیمی کی حالت میں پایا اور ان کو دُرِ یتیم بنا کر کونین کا والی بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہستیوں کی کامل اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

میرے مربی میرے شیخ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

مرے حضرت عبادت میں، لطافت خوب رکھتے ہیں
رہِ تقویٰ پہ چلتے ہیں، فقاہت خوب رکھتے ہیں
وہ بحرِ معرفت کے، بحرِ الفت کے شناور ہیں
وہ عشقِ حسنِ مطلق کی سعادت خوب رکھتے ہیں
یدِ طولیٰ وہ رکھتے ہیں شریعت میں طریقت میں
وہ جادو کا سا اندازِ بلاغت خوب رکھتے ہیں
مروت سے، محبت سے، جگا کر اہلِ ایماں کو
خدا سے جوڑ دینے کی مہارت خوب رکھتے ہیں
تبسم ان کے چہرے پر سکینت کی علامت ہے
بشاشت کے وہ پیکر ہیں وجاہت خوب رکھتے ہیں
درِ اقدس پہ ان کے جو بھی سالک آتے ہیں ان کو
نگاہوں سے پلانے کی لیاقت خوب رکھتے ہیں
پیامِ حق سنانے میں وہ سنجیدہ ہی رہتے ہیں
متانت میں بھی حسنِ ظرافت خوب رکھتے ہیں
تلاطم بحرِ عصیاں کا ہے زوروں پر جہاں بھر میں
خدا کے فضل سے اس سے حفاظت خوب رکھتے ہیں
حنیفؔ ان کی نظر میں تو بھی بس جا مثلِ سیف اللہ
نظر میں حسبِ عادت وہ عنایت خوب رکھتے ہیں